١١٠

پس نوشتم ز کلک مشک سرشت
نام این ہشت خانہ ہشت بہشت

مثنوی

ہشت بہشت

حضرت امیر خسرو دہلوی

بہ تصحیح و تنقید و تحشیہ جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر
مدرسۃ العلوم علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی
بار دوم مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوئی
۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء

انتساب

یہ سلسلہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ حسب

اجازت اعلیٰحضرت بندگانِ عالی متعالی ہز اگزالٹڈ

ہائنس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ

نواب میر سر عثمان علی خاں بہادر

فتح جنگ جی سی ایس آئی جی سی بی خلد اللہ ملکہ

و سلطانہ وادام اقبالہ کے نامِ نامی و اسمِ سامی

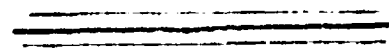
کے ساتھ منسوب و معنون کیا جاتا ہے

ہشت بہشت

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

متن



التماس

فقیر سے جو خدمت کہ سپرد کی گئی تھی اُس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کے متعلق صرف اسقدر گزارش ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ چاہا اور جیسا کچھ چاہا وہی ہوا۔ اگر مضمون تشنہ ہے یا بیان ناقص تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا اکمال کسی اور کے قلم سے مقدر ہوچکا ہے۔ یہ سعادت جب کہ میرے حصّہ میں نہ تھی تو پھر اُس کا تکملہ میرے ہاتھوں سے کیونکر ہوتا۔ کوئی اللہ کا بندہ لکھ کر طالبین کی پیاس بجھا دیگا۔ فقیر گوشہ نشین بھی اُس سے استفادہ کر لیگا۔ اس کے بعد یہ گزارش ہے کہ پہلے محض تنقید ہشت بہشت کا کام سپرد ہوا تھا۔ اُس کے بعد کتاب کی تصحیح متعلق ہوئی۔ لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس ایک کتاب کی تنقید مفصل اور دیگر اصناف نظم پر خسرو علیہ الرحمہ کے ایک مجمل تبصرہ لکھا جائے۔ اور تبصرہ سے پہلے فارسی شاعری کے ادوار دکھائے جائیں گو بعض اصحاب اس تبصرہ اور ادوار شاعری کے مضمون کو تنقید سے بے تعلق سمجھینگے لیکن کسی نہ کسی حیثیت سے اُن مضامین کا پیوند تنقید سے ضرور صحیح ہوسکتا ہے۔ میں اسی فکر میں تھا کہ شیدائے علم و فن و نقاد سخن نواب حاجی محمد اسحٰق خاں متع اللہ المسلمین بطولِ بقائہ نے بھی اس کی تحریک فرمائی۔

اُن حضرات کی خدمت میں جو کسی کتاب کی تنقید کا دائرہ اُسی کتاب میں محدود سمجھتے ہیں اور اُن کی تحقیق میں اُس سے سرِمو تجاوز کرنا یا تعلقات سے بحث ایک ناقابل معافی گناہ ہے) یہ گزارش ہے کہ فقیر کو مورد عتاب نہ قرار دیں اور چین بجبیں نہوں حصص ماقبل کو چھوڑ دیں۔ اور صفحہ ۱۶۹ سے کتاب کا مطالعہ شروع فرمائیں۔ یہ بحث پھر بھی ہو رہیگی کہ تنقید کا کیا مفہوم ہے اور اُس کے اجزا و لوازم کیا ہیں۔ اس وقت صرف اس ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ۵

حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ می آلود — اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

اب میں مخدوم قوم عالی جناب **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے اشفاق و الطافِ گوناگوں نے مجھ جیسے ناکارہ و ہیچ کارہ کو اس سعادت کا موقع دیا۔

اپنی حالت تو اس شعر کی مصداق ہے ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درختِ سایہ دارم — ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

ایک وجود معطل ہے جو کام کرنے سے ہمیشہ گریزاں و ترساں رہا۔ جیلہ جو کاہل و سست طبیعت میں کبھی کسی کام کی ہمت ہی پیدا نہوئی۔ پھر ایسا مہتم بالشان کام جس کی نہ اپنے میں قابلیت نہ صلاحیت اس [illegible] نجام کا کیا سامان تھا۔ لیکن ممدوح موصوف الصدر نے اپنے عنایاتِ بزرگانہ کے ایسے مینھ برسائے کہ کاہلی کے خوابِ گراں سے نفس کو مجبوراً بیدار ہی ہونا پڑا اور اپنی عادت کے خلاف کام کرنے پر یہ کہتا ہوا آمادہ ہوا ؎

بتے چوں ماہ زانو زدمی چوں لعل پیش آورد — تو گوئی تائبم حافظ زساقی شرم دار آخر

خسرو علیہ الرحمۃ کا کلام اور اس کے احیاء پر نواب صاحب جیسا علم پرور آمادہ و کمربستہ پھر سستی اور کاہلی! توبہ!! توبہ!!!

آخر کتاب کی تصحیح لغات کا حل مشکلات اشعار کی تشریح سب سے مقدم کی گئی اس کے بعد کتاب کی تنقید تمام کی۔ پھر مقابلہ کی سخت کشاکش سے فرصت ملی۔ اب ایک تبصرۂ اجمالی خسرو کی عام شاعری کے متعلق لکھا گیا۔ آخر میں مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اپنے کار مفوضہ سے سبکدوشی پائی۔

لیکن تصحیح کا کام ہرگز انجام نہ پاتا اور نہ اپنے دیگر خیالات خانۂ تخیل سے ہرگز آگے نہ بڑھتے اگر ایک پیکرِ علم کی مدد فرمائی نہوتی۔ یعنی مولانا **محمد احتشام الدین** صاحب ایم اے سلالۂ خاندان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں جہاں جذبات گوناگوں رکھنے والے اشخاص پائے جاتے ہیں
وہاں یہ ایک وجود علم و فن کا والہانہ شیدا گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا مشرقی و مغربی مصنفین
سے محققانہ مشورہ میں محو رہا کرتا ہے۔

یہ فقیر کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ایسے مجسمۂ علم سے ابتدائے تعلق کالج سے آج تک مسلسل
نیازمندی و ارادت کا سلسلہ قائم ہے۔ اور اُس جانب سے کرم فرمائی و ذرہ نوازی۔

کتاب ہشت بہشت کا پہلا نسخہ جو خاص کتب خانہ کالج کا تھا مجھے جس وقت ملا تو اُس کے مطالعے سے
یہ بات معلوم ہوئی کہ جو کتاب اہلِ علم کی خدمت سے محروم رہی اور گروہ کملا کی صحبت اُسے
نصیب نہ ہوئی وہ ظاہرآرا صحبتوں میں پھنسکر سیرت کی خوبی کھو بیٹھی۔ طرفہ یہ کہ کالج کا یہ نسخہ
کرم خوردہ بھی تھا جس کی ہر سطر میں کوئی نہ کوئی حرف یا لفظ کیڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ یہ کتاب دوبار مطبع نولکشوری میں طبع ہوئی ہے۔ میں نے لکھنؤ اپنے عزیز دوست
ملک محمد علی افضل بی اے کو اس کے بھیجنے کی تکلیف دی۔

ایک ہفتہ میں کتاب پہنچی شوق کے ہاتھوں لیا اور نہایت بیتابی سے تار نظر سطور
پر پڑنے لگے لیکن وہی تین اشعار کے بعد جو ناامیدی کی تلخی محسوس ہوئی ہے اس کا کیا اظہار
کیا جائے۔ خیال گذرا کہ شاید پہلا مطبوعہ نسخہ کچھ صحیح ہوگا اب اس کی تلاش ہوئی آخر وہ بھی ملا لیکن
ایک سے دوسرا غلطی زیادہ پیش کرنے میں مستعد و آمادہ تھا۔

اب پھر خیال قلمی نسخوں کی طرف گیا ایک نہایت ہی نایاب نسخہ نواب حاجی محمد اسحاق
خاں صاحب نے اپنے خاص کتب خانہ سے عنایت فرمایا دوسرا نسخہ خمسہ کا بانکی پور لائبریری سے
منگوایا۔ تیسرا کتب خانہ حبیب گنج سے حاصل ہوا اس کے بعد اور نسخے بھی رامپور، سہارنپور،
حیدرآباد، دیوبند وغیرہ سے وقتاً فوقتاً ملتے گئے۔

قریب قریب ہر ایک نسخہ حسین نقش و نگار پاکیزہ حروف و نقاط سے آراستہ تھا لیکن
جو جتنا حسین تھا اُتنا ہی صحت سے بعید۔ چنانچہ بانکی پور کا نسخہ حسنِ خط میں لاجواب و بے مثل دیگر

اوصافِ ظاہری میں بھی بے نظیر لیکن ایسی فاش غلطیاں اُس میں قدم قدم پر ملتی تھیں کہ حسن ظاہر بھی اُس کا بدنما معلوم ہونے لگتا تھا۔ غرض کتاب کی تصحیح کیا تھی چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن اُن کانٹوں میں سے پھول چننا میرے لیے نہایت ہی دشوار تھا آخر اپنے اُسی کرم فرما شیدائی علم وفن کی طرف دستِ استمداد پھیلانا پڑا اور اُس علم دوست نے بھی اپنے کرم کریمانہ سے اس سائل کے دامن کو اُمید سے کہیں زیادہ بھر دیا۔ تصحیح ومقابلہ نسخ کا نہ صرف طریقہ بتایا بلکہ پانچ ماہ کامل تک اپنے مشاغل علمیہ کا ایک کثیر حصہ برابر تصحیح ومقابلہ میں صرف کرتا رہا۔ میں حیران ہوں کہ اپنے مکرم کا کیونکر شکریہ ادا کروں جزاھم اللہ خیرالجزاء۔

کسی کتاب کی تصحیح واقعی طور پر جس نے کی ہوگی وہی سمجھ سکتا ہے کہ تصحیح کا کام کسقدر اہم ہے۔ کامل برس روز کی محنت کا نتیجہ ہے جو آج ہشت بہشت کا صحیح نسخہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ کاپی و پروف تین تین اور چار چار بار دیکھے گئے ہیں جس میں ہمارے عزیز طلبائے کالج کی یاوری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خاصکر سید منظور حسن و سید وصی احمد رضوی متعلم بی اے کلاس و حافظ غلام غوث کا میں تہِ دل سے دعاگو ہوں کہ ان عزیزوں نے بہت گراں بہا امداد کی ہے۔

مینیجر مطبع مولانا محمد مقتدی خان صاحب شروانی کا بھی دل سے شکرگزار ہوں جنہوں نے کاپی و پروف کی تصحیح میں بہت مُبالغہ سے محنت کی ہے۔ جو دیدہ سوزی و عرق ریزی کہ مولانا محمد مقتدی خان صاحب شروانی نے فرمائی ہے کوئی مینیجر مطبع تو کیا کرسکتا ہے بعض مالک مطابع ومصنفین ومولفین بھی اس دماغ کاوی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

باوجود اس سعی و کوشش کے اگر نقاط و حروف یا مرکز کی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ بشریت کا اقتضا ہے۔ حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ یقینی طور پر وہی الفاظ ملجائیں جو خسرو علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اصح وانسب الفاظ متن میں رکھے گئے ہیں اختلاف نسخ علامت ن دیگر فٹ نوٹ میں لکھدیئے گئے ہیں ح نشان حل کا ہے اور ن نسخہ کی علامت ہے۔

سہولت کے لیے ہندسہ بھی دے دیا گیا ہے۔ جس نسخہ کا لفظ فٹ نوٹ میں لیا گیا ہے وہاں اُس کا حوالہ بھی حرف اوّل سے دیدیا گیا ہے۔ مثلاً ج علامت کتب خانہ جہانگیرآباد ریاست نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ح علامت کتبخانہ حبیب گنج ریاست مولنا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ ر علامت رام پور۔ س علامت سہارن پور۔ با علامت کتب خانہ بانکی پور وغیرہ

خسرو علیہ الرحمہ کی تصنیف تصحیح و تنقید کی چھ سو برس سے ان باہمت علم دوست حضرات کی منتظر تھی یتیمی ایسا داغ ہے جس سے سینکڑوں داغ اور بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ خسرو علیہ الرحمہ جب سایۂ بے پدری میں آئے تو اُنکے نانا عماد الملک نے کنار عاطفت میں لے لیا اور اُن کی تربیت و نگرانی میں یہ پودا نہال کمال بن کر پھولا اور پھلا۔

لیکن اُن کا کلام جو معنوی اولاد کہلانے کا اصل مستحق تھا سایۂ خسروی سے محروم ہوا تو کسی نے ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھا آخر نسّاخوں اور کاتبوں کی بیدردِ صحبت میں ایسے پھنسے کہ اپنے اصلی اور دلکش جوہر کو کھو بیٹھے حتّیٰ کہ جوہر شناس اور نکتہ رس نگاہیں صحت و سقم کی تمیز میں مضطر و پریشان ہو گئیں۔

خدائے پاک **نواب عماد الملک سیّد بلگرامی** کا بھلا کرے جن کی علم دوست نگاہوں نے خسروؒ کے فرزندان معنوی کو اس خستہ خراب حالت میں دیکھکر اُن کی تہذیب و تربیت کا خیال کیا لیکن یہ خیال خانہ تخیل سے آگے نہ آتا اگر شاعری اور کمال کے اصلی وارث **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب آنریری سکریٹری مدرستہ العلوم علی گڑھ کمربستہ و آمادہ نہو جاتے۔

اس طرح کے علمی کام کا جنھیں اتفاق نہیں ہوا ہے وہ تو اُن انتھک اور حوصلہ شکن صبر آزما کوششوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر کسی کو اس دورِ ایام میں اس قسم کے کام کرنے کا اتفاق پڑا ہے تو وہی اسکو سمجھ سکتا ہے کہ اہلِ علم کی تلاش اُن کی طرح طرح کی ناز برداریاں اور پھر نتیجہ نفی میں دیکھکر کسی اور کی جستجو میں سرگرداں پھرنا، پیہم مایوسیوں سے نہ تھکنا اور سعی کا مسلسل جاری رکھنا کسقدر اہم و معرکۃ الآرا ہے۔

زمانے کا دستور ہی باغ عالم میں دورِ خزاں کے بعد فصلِ بہار ضرور آتی ہی خوابِ غفلت میں تنگ لباسوں کے مسکنے اور آنکھ کے کاجل پھیل جانے اور زلف تاکمر رسیدہ کے اُلجھنے سے جو بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہی نیند کھلنے کے بعد دوسرے کپڑوں کا بدلنا کاجل کا پوچھنا بالوں کا سُلجھانا کچھ اور نکھار پیدا کر دیا کرتا ہی۔ جس پر حُسنِ خدا داد کے سوا مشاطہ کی سحر آفرینیاں اور بھی ستم ڈھاتی ہیں۔ حضرت خسرو کے کلام پر جسے بیتیمی کی گرد نے غازۂ جمال بنکر اور بھی چمکا دیا تھا زمانہ کی غفلتوں اور اہلِ کمال کی انقلابی صعوبتوں نے اُنھیں بہت کچھ قابلِ آراستگی بنا رکھا تھا جس کا مخصوص شرف خدا نے **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں** صاحب کے لیے ازل میں ودیعت کر رکھا تھا۔ طباع کا حُسنِ صورت اور تصحیح کا حُسنِ سیرت، تنقید کی ہر صفت کرنا یہ دو چیزیں ہیں کہ لطائف معنوی اگر اہلِ مذاق کے دل موہ لینگے تو صفائیِ طبع و عمدگیِ خط و کاغذ اربابِ بصر کو بھی متحیر کرنے میں کمی نہ کرینگے۔ اب اُس ارحم الراحمین سے یہ دعا ہی کہ خدا اپنے اُن بندوں کی اُس علمی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے جنھوں نے اُس میں کسی نہ کسی طرح کی معاونت کی ہی۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

یارب از جنس ما چہ خیر آید
تو کرم کن کہ رب اربابے

حررہٗ بقلمہٖ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہٗ
بہار شریف
محلہ میرداد
ضلع پٹنہ

۱۲ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۴۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مقدمہ

شاعری

مدارجِ نطق | کائنات کا ایک ایک ذرہ جس طرح قانونِ ارتقا کا پابند ہے اسی طرح زبان بھی آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنے مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے۔ ایک طفلِ شیرخوار جب اپنی زبان کھولتا ہے اگر اس کی گویائی کی تدریجی ترقی کی طرف ایک حکیمانہ نگاہ ڈالی جائے تو یہ فلسفہ بہت اچھی طرح حل ہو سکتا ہے کہ قانونِ ارتقا کی ہمہ گیری کس طرح زبان کے کامل بنانے میں جاری ہے۔

ابتدا میں بچے جب نطق سے زبان آشنا ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور خواہشات کا اظہار اپنے تکلم سے کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت اُن کی کمزور زبانیں جن کے

پاس اشارہ، علامات وسائل بعض بڑے نام ہوتے ہیں۔ صرف چند حروف پر اکتفا کرتی ہیں۔ مثلاً
اگر بھوک نے انھیں بیتاب کر دیا ہے اور دودھ پینے کی طرف طبیعت مضطر ہے تو صرف لفظ "دُو دُو"
کا شور مچاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ اگر پیاس نے تڑپا دیا ہے تو "مم مم" کہتے جاتے ہیں اور
بلبلاتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماں کی آغوشِ شفقت نے یاد آکر بیکل کر دیا ہے یا باپ کے کنارِ عاطفت میں راحت
پانے کو جی چاہا ہے تو "مَم بَ بَ" کہکر اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے دو
باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو یہ کہ جو چیزیں قریب تر ہوتی ہیں اور جن کی طرف حاجت مضطر
کرتی ہے سب سے پہلے وہی چیزیں خیال میں آکر الفاظ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسرے
یہ کہ ابتدائے امر میں جب کہ اظہارِ خیال پر اس قدر قدرت بھی نہیں ہوتی کہ اپنے مطلوب و
مرغوب کا کم از کم نام ہی بتا دیں تو اس وقت اس کمی کو اپنے حرکات و افعال سے پورا
کرتے ہیں۔

اب جہاں لڑکا ذرا بڑھتا ہے زبان میں اس کے طاقت کچھ زیادہ ہوتی ہے والدین و
دیگر اہلِ خاندان کے گفتگو میں پیہم اس کے کانوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ اس وقت
اس کی قوتِ آخذہ اشیاء کے اسماء سیکھ لیتی ہے اور اب وہ بچہ حروف کے بجائے اظہارِ مطالب
میں اسماء استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ نہ فعل ہوتے ہیں اور نہ حروف کا انضمام
ہوتا ہے۔ اگر ماں یا باپ کے متعلق اسے کچھ کہنا ہے یا خود انھیں متوجہ کرنا ہے تو صرف "اماں"
اور "ابا" کا پیارا لفظ اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ پھر کچھ اور بڑھتا ہے اور اب اسماء کے ساتھ
افعال بھی ملاتا ہے "اماں آؤ" "ابا جاؤ"۔ اس کے بعد سنِ تمیز کو پہنچکر اسماء و افعال و حروف

سے کامل مرکب جملے اُس کے منھ سے ادا ہوتے ہیں۔ تاہم ہنوز اس کے جملوں میں الفاظ کی نشست صحیح نہیں پائی جاتی ہے۔ تلفظ میں ہمواری پیدا نہیں ہوتی ہے۔ موقع و وقت کی مناسبت سے اس کی باتیں نہیں ہوتی ہیں۔ اُس کے خطاب کرنے میں فرق مراتب پایا نہیں جاتا۔ لیکن وہ اب تعلیم پاتا ہے، بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہوتا ہے۔ مختلف مدارج و حیثیات کے انسانوں سے اسے ملنا پڑتا ہے جن میں کوئی استاد ہے، کوئی دوست ہے، کوئی باپ ہے، کوئی بزرگ ہے اور کوئی خادم ہے۔ غرض ہر ایک کا انداز خطاب و تکلم مختلف دیکھتا ہے جس کے مطابق اپنی گفتگو میں اصلاح کرتا جاتا ہے۔ کچھ کتابوں کی تعلیم اور کچھ عملی زندگی کا سبق مل جل کر اُس کی اس کمی کو پورا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جوان ہو کر اب وہ فرق مراتب بھی اپنے کلام میں قائم کرتا ہے اور موقع و مصلحت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

جس قدر تعلیم کا دائرہ وسیع اور مہذب و شایستہ صحبتوں کا اثر قوی ہوتا جائے گا اُسی قدر اُس کے الفاظ میں قوت، جملوں میں زور کلام میں حسن و دل آویزی بڑھتی جائیگی اور جس قدر الفاظ کے ذریعہ سے خیال کی ترجمانی پر قدرت بڑھتی جائیگی اُسی قدر حرکات (جو اب تک ادائے مطلب کے ایک عنصر اعظم تھے) کم ہوتے جائینگے اور اُن میں بھی ایک معتدل شایستگی و متانت پیدا ہو جائے گی۔

اس تمہید کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح ایک بچے کی زبان آہستہ آہستہ تمدن و تعلیم و تربیت کے سہارے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے یہی حال ہر ایک ملکی زبان بلکہ بنی نوع انسان کی زبان کا ہے۔ انسان میں جذبات رکھے گئے ہیں اس میں قوتِ متخیلہ کا خزانہ ودیعت کیا گیا ہے وہ

تاثیر و تاثر کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں اس کی حاجت روائی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ پس وہ ابتدا میں خیالات کی مصوری اپنے حرکات اور غیر موضوع الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تعلیم و تمدن اس میں آتا جاتا ہے وہ الفاظ وضع کرتا ہے اور ہر مفہوم و ہر شے کے لیے ایک اسم قرار دیتا ہے۔ جب الفاظ کا ذخیرہ کافی ہو جاتا ہے اور ناز پروردگی بڑھ جاتی ہے تو اس وقت الفاظ کے قالب پر نظر کی جاتی ہے۔ نفاستِ طبع الفاظ کی درستگی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اب اُن کی ثقالت و خفت دیکھی جاتی ہے، اختصار مطبوع خاطر ہوتا ہے غرض اسی طرح بآہستگی زبان میں لطافت و روانی پیدا ہو جاتی ہے اور خیالات کی دھندلی تصویر الفاظ کے آئینہ میں اپنا جلوہ دکھانے لگتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان خیال کا آئینہ ہے، مگر کچھ زنگ آلود۔ انسان چاہتا ہے کہ خیالات و جذبات کی کامل ترجمانی الفاظ سے ہو جائے، مگر نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم، تہذیب، اخلاق، تمدن و سیاست اگر سب مل کر اس کی مدد کریں تو بہت کچھ اس آئینہ کا زنگ دور ہو جاتا ہے لیکن حرکاتِ اعضا و جوارح کے بغیر اس تصویر کے خط و خال واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتے۔ الغرض انسان کی یہ کوشش کہ خیالات یا جذبات کی بعینہ و بجنسہ تصویر الفاظ کے قالب میں منعکس ہو جائے ایوانِ شاعری کے در کی کنجی ہے۔

شعر او شاعر موزوں و مناسب الفاظ میں جو حقایق کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہی شاعری کی سنگِ بنیاد ہے۔ شاعر خیالات، جذبات، کیفیات، محسوسات و معقولات کو چوں کہ اپنے بیان سے اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ سننے والوں کے سامنے اُس کا نقشہ کھنچ جاتا ہے دلوں پر

کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس لئے اُسے شاعر کہتے ہیں۔ اب جس قدر کلام میں یہ وصف زیادہ ہوگا اسی قدر اُس کی شاعری کامل سمجھی جائیگی۔ لفظ شاعر کا مادہ (یعنی حروفِ اصلیہ) ش ع ر ہیں یہ مادہ جہاں جہاں پایا جائے گا اس میں ظہور کے معنی کا لحاظ ضرور ہوگا۔ اس لئے عربی میں بال کو شعر کہتے ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں جسم سے اوپر جو کپڑا پہنا جائے اُسے شعار کہتے ہیں۔ حواس جو قوتِ مدرکہ کے سامنے موجودات کو ظاہر کرتے ہیں اُنھیں مشاعر کہتے ہیں۔ وہ کلمات جو خیال کے لئے صاف آئینہ ہوں اور واضح شکل میں خیالات کو ظاہر کریں وہ شعر ہیں۔ اسی بنا پر وزن و قافیہ کو بعضوں نے شعر کی حقیقت سے خارج رکھا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شعر کے یہ اجزا ہیں بھی نہیں، بلکہ اُس کے شرائط ہیں۔ مثلاً ؎

اکہتر بہتر تہتر چوہتر پچھتر چھہتر ستتر اٹھتر

دیکھو اس میں وزن و قافیہ موجود ہے۔ لیکن اسے شعر کہنا کیا حماقت نہیں ؟

اجزا، لوازم و شرائط شعر | پس باعتبارِ حقیقت شعر کے دو اجزا ہیں، دو لوازم ہیں، اور دو شرائط ہیں محاکات و تخیل اجزا ہیں اکتارِ الفاظ و مطالعہ صحیفہ کائنات لوازم ہیں وزن و قافیہ شرائط ہیں

۱۔ محاکات | محاکات کے معنی نقالی ہے یعنی جو واقعہ جس طرح دیکھا جائے یا سنا جائے یا جو اثر و کیفیت کہ دل پر گزرے اُس کو اس طرح ادا کر دیا جائے کہ غائب اُسے سن کر اپنے کو حاضر سمجھنے لگے۔ لیکن صرف اسی قدر شعر ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً ؎

چشمانِ تو زیرِ ابرو انند دندانِ تو جملہ در دہانند

۲۔ تخیل | بلکہ محاکات کے ساتھ تخیل کا انضمام بھی لابد و ضروری جز ہے تاکہ شعر تک بندی کا

مصداق نہو۔ مثلاً خسرو اُس حالت کو بیان کرتے ہیں جب کہ برسات میں پانی برستا ہی اور درختوں کی لچکدار شاخیں پیہم پانی اور ہوا کے جھونکوں سے جھک جھک جاتی ہیں زمین پر پانی بہتا ہوتا ہی اور ان شاخوں کا لچکنا ایک خاص لطف پیدا کرتا ہی۔ اس منظر کو امیر خسرو شاعرانہ تخیل کے ساتھ یوں دکھاتے ہیں ؎

نگوں سر شاخہائے سبز گوئی در ہمی جنبد ز لبس کابر دُر افشاں لولوے غلطاں ہمی بارد

یعنی سبز شاخیں جو زمین پر جھکی پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ابر نے جو بے انتہا موتی برسائے ہیں اُن کے رولنے کو جھکی جاتی ہیں۔ یا مثلاً ایک عاشق جو اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر مٹا ہوا ہی اور اُس کی نزاکت و لطافت پر والہانہ فریفتہ و شیدا ہی وہ کاغذ کے اُن چاک شدہ ٹکڑوں میں بھی ایک لطافت محسوس کرتا ہی جسے اُس کے معشوق نے ریزہ ریزہ کر دیا ہو۔ اب وہ اپنے اس لطیف کیف کی حکایت کرتا ہی ؎

ہر کجا برگِ گلے افتادہ بینم در رہت از تو پارہ کردنِ مکتوب یاد آید مرا

یعنی اگر گلاب کی پتیاں کہیں بکھری ہوئی میں دیکھ لیتا ہوں تو مجھے مکتوب کے وہ ٹکڑے یاد آجاتے ہیں جو تیرے ہاتھوں سے چاک ہو کر برگِ گل جیسے نازک و خوشبو ہو جاتے ہیں

۴۔ اکثار الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ فطرت

لیکن تخیل و محاکات اُس وقت تک اپنا فرض پورا نہیں ادا کر سکتے جب تک اُن کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ نہو، تاکہ نازک سے نازک پہلو بھی واقعہ کا قلتِ الفاظ کے سبب چھوٹ نہ جائے یا لطیف سے لطیف جذبہ صرف الفاظ کی کم یابی کے نذر ہو کر ظاہر ہونے سے نہ رہ جائے۔ جیسے کہ بہار کا موسم جس نے دیکھا ہو

یا اُس وقت جو سرور و مستی کہ دلوں پر چھا جاتی ہے اُس سے لذت آشنا نہو تو پھر بہار کے متعلق اُس کی شاعری کیا ہوگی منہ چڑھانا ہوگا۔ اور اگر لفظ کی بھی کمی ہو تو پھر بہار کا نقشہ کھینچنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے گا پس حکایت و تخیل کے لئے اکثار الفاظ و مطالعہ صحیفہ کائنات لوازم میں سے ہیں۔

۴۔ وزن و قافیہ | اب جب کہ کلام میں حکایت و تخیل مع اپنے لوازم کے پائے جائیں تو اُس وقت وزن و قافیہ کا ہونا بھی ایک ضروری شرط ہے اس لئے کہ جس اسلوب میں ایک قادر البیان فصیح اللسان اپنا کلام مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے جب اُنھیں اسلوبوں میں وزن کی کھچاوٹ اور قافیوں کا تناسب پایا جاتا ہے تو کلام شعر کے سانچے میں ڈھل کر مخاطب کے لئے ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا کر دیتا ہے، اور یہی مخاطب کے دل کی شگفتگی متکلم کے خیالات کا کامل نقش دل پر بٹھا دیتی ہے۔ مثلاً پانی برس رہا ہے عاشق سے معشوق رخصت ہو رہا ہے مدتوں بعد جو لذتِ دیدار ملی تھی یوں ہاتھ سے جا رہی ہے عاشق کی آنکھیں بے اختیار بہ نکلتی ہیں۔ جذبِ کامل و محبتِ صادق رنگ لاتی ہے معشوق کے دل پر بھی اس فراق کا صدمہ گزرتا ہے۔ اسی کو امیر خسرو یوں کہتے ہیں ؎

ابر باران و من و یار ستادہ بوداع   من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

شعر کیا ہے واقعہ کی ایک بولتی تصویر ہے۔ ہم نثر میں ادا نہ کر سکے اور خسرو نے ایک شعر میں ادا کر دیا۔ ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ اُس حالت و کیفیت و موقع کا لحاظ کرو۔ اور پھر شعر کی بلاغت کو دیکھو۔ بہر حال محاکات، تخیل، اکثار الفاظ مطالعہ صحیفہ کائنات، وزن و قافیہ شعر کے لئے

یہ امور بمنزلۂ ضروریہ ہیں جن کے بغیر شعر کامل نہیں ہو سکتا لیکن کلام ایسا ہو جس میں جا بجا بجلیاں کوندتی نظر آئیں اور اُس کی ہر تجلی دلوں کو تڑپا دینے والی ہو اس کے لئے صرف شعر کا مجسمہ ہیولانی ہی کافی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ چند اور جزئیات ہیں جن کی رعایت شعر کے حسن کو نکھار کر دل آویز و دل پذیر بناتی ہے۔ اور یہی ایک باکمال شاعر کی آخری منزل ہے اور بڑی کڑی منزل ہے۔ وہ چار چیزیں ہیں بلاغت، سلاست، اصلیت اور جوش۔

بلاغت | بلاغت تو یہ ہے کہ کلام وقت اور حال کے مطابق ہو۔ انسان میں گوناگوں خیالات و جذبات پائے جاتے ہیں کبھی غم و غصہ ہے اور کبھی مسرت و مہربانی ایک وقت بیتابی و بیقراری ہے تو دوسرے وقت راحت و سکون کبھی مستی و بیہوشی ہے اور کبھی باخودی و ہوشیاری پس جس حالات و کیفیت کا بیان ہو کلام اگر اس میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اور سننے والے کی آنکھوں کے سامنے اس کا نقشہ کھنچا جاتا ہے۔ تفصیل کی جگہ وضاحت ہے اور اجمال کی جگہ اختصار تو وہ کلام بلیغ کہا جائے گا۔ اور اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔

سلاست | سلاست کے یہ معنی ہیں کہ الفاظ وہ ہوں جو روزمرہ کے استعمال میں ہوں۔ محاورہ وہ ہو جو عام طور پر زبانوں پر جاری ہو۔ استعارہ و تشبیہ ایسے ہوں کہ سامع کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہو جائے۔ اضافات کی کثرت و پیچیدگی نہ ہو۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر شخص اپنے فہم و مرتبے کے مطابق برابر کا لطف اٹھائے۔ اسی مضمون کو خاتم الشعرا غالب دہلوی نے کہا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صاحب عقد الفرید شعر کے محاسن بیان کرتے ہوئے آخر میں قول فیصل یہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن سلمی کا قول ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وَاِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُہٗ　　بَیْتٌ یُّقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَہٗ صَدَقَا

یعنی سب سے بہتر وہی شعر ہے کہ جب تو اُسے پڑھے تو سُننے والا بے اختیار کہہ اُٹھے کہ سچ کہا۔ یہی شعر ایک جگہ حضرت حسّان انصاری کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جس سے اس رائے کی موافقت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن فقیر کے خیال میں بہترین فیصلہ ابن رشیق کا ہے۔ سلاست شعری کی جو تصویر اُس کے قلم نے کھینچی ہے اس سے بہتر ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

فَاِذَا قِیْلَ اَطْمَعَ النَّاسَ طُرًّا　　وَاِذَا رِیْمَ اَعْجَزَ الْمُعْجِزِیْنَا

یعنی جب شعر پڑھا جائے تو اُس کی سلاست و سادگی سے ہر شخص کو یہ طمع ہو کہ ایسا میں بھی کہہ سکتا ہوں، لیکن جب کہنے کا قصد کریں تو ادنیٰ اور اوسط کا تو کیا ذکر ہے معجز بیان بھی عاجز آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن رشیق کا یہ فیصلہ فیصلۂ ناطق ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ مفتی صدرالدین مرحوم آزردہ کے مکان پر مومن خاں، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ وغیرہ کا مجمع تھا۔ کسی نے انھیں میں سے میر کا یہ شعر پڑھا ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

ہر ایک نے قلم ہاتھ میں اُٹھایا کہ جواب اس کا لکھیں لیکن گھنٹوں گزر گئے اور قلم نے ہاتھ سے صفحۂ کاغذ تک آنے کی جرأت نہ کی۔ اسی عرصہ میں کوئی دوسرے بے تکلف دوست آگئے اُنھوں نے ایک مجمع سراپا محو استغراق دیکھ کر پوچھا خیر ہے۔ مومن نے کہا ہاں قل ھو اللہ کا جواب لکھنا چاہتے ہیں

اصلیت | اصلیت سے کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا بیان ہو وہ باعتبار واقعہ یا شاعر کے
عندیہ میں یا مخاطب کے عقیدے میں ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کے الفاظ اس کو کہہ رہے ہیں اور
اگر ایسا نہیں ہی تو کلام کا اِسں قدر نقص اُسے بے اثر بنا دے گا۔

جوش | جوش کے یہ معنی ہیں کہ شعر کو سنکر یہ اثر پیدا ہو کہ مضمون نے شاعر کو مضطر کر دیا ہے
شاعر مضمون نہیں لایا ہے۔ یہ وہ امور جزئیہ ہیں جن سے شعر کا آب و رنگ کھلتا ہی۔ اور زبان
سے نکل کر دلوں کو تڑپا دیتے ہیں

فارسی شاعری

اقسام شاعری | اب آیئے فارسی زبان کے نشو و نما اور فارسی شاعری کے اوج کمال پر ایک
نظر ڈالیں کتابوں میں زبان فارسی کی سات قسمیں پائی جاتی ہیں۔ فارسی، دری، پہلوی، ہروی
سگزی، زاولی، سغدی۔ ہمارے مصنفین جب ان زبانوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں تو اُن کا
اضطراب عجیب عجیب پہلو سے کروٹیں لیتا ہے۔ حالانکہ بات صرف اس قدر ہے کہ یہ تقسیم کچھ تو باعتبار
اُن ملکی خصوصیات کے ہی جو بعض بعض حصص ملک میں پائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو شہر
اور دیہات کی وجہ سے ہوئیں مثلاً ملک ہندوستان کو لو۔ یہاں ایک زبان تو وہ ہی جو
تقریباً تمام ہندوستان میں سمجھی جاتی ہی اور جس سے کاروبار میں، لین دین میں، تبادلہ خیالات
میں کام لیا جاتا ہی۔ اُسے تھوڑی دیر کے لئے اُردو کہہ لیجئے لیکن جب اس کو باعتبار حصص
ملک یا شہر اور گاؤں کے آپ تقسیم کیا چاہیں گے تو بے شمار اُس کی قسمیں پیدا ہو جائینگی
کلکتہ کی اُردو کو دہلی کی اُردو سے کیا مناسبت اور بمبئی کی زبان کا لکھنؤ کی اُردو سے کیا علاقہ۔

اُردو زبان دہلی میں پیدا ہوئی اور یہی جگہ اُس نے نشو و نما پایا اپنے آخر عہد میں یہ لکھنؤ پُہنچی اس لئے یہ کہنے کا حق ہے کہ اُردو وہی ہے جو اِن دونوں شہروں میں بولی جائے لیکن اگر اُردو ایک نئی زبان نہ ہوتی تو کیا ملک کے مختلف گوشے کچھ اپنی خاص خصوصیت نہ رکھتے۔

یہ ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے بُعد مسافت سے کچھ کچھ متغیر ہوتی جاتی ہے۔ عربی زبان جو نہایت ہی کامل زبان ہے اُس کو دیکھئے یہی اختلاف آپ کو وہاں بھی نظر آئے گا۔ اہل عرب جہاں باعتبار قبائل آپ کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ملیں گے وہاں اُن کے محاورے الفاظ بلکہ حروف تہجّی کے اصوات و تلفظ میں بھی ایک علیحدہ شان ہوگی پس یہی حال ایران کے اقسام ہفت گانہ زبان کا ہے۔ عہدِ قدیم میں فارس کا علاقہ کنارۂ جیحون سے فرات تک اور باب الابواب سے کنارۂ عمّان تک پھیلا ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ملک کا علاقہ جب اس قدر وسیع ہوگا تو ہر وہ گوشۂ ملک جو دوسرے ملک کے ٹکرے سے پیوستہ یا قریب ہوگا یا جن غیر ممالک کے باشندوں سے معاشرتی کاروبار میں سابقہ رہتا ہوگا اُن کی زبان کا اثر اس گوشۂ ملک کی زبان پر ضرور پڑیگا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک ایسی عام زبان ملکی ہوگی جو ہر گوشۂ ملک میں سمجھی جا سکے یا بولی جا سکے۔ اب خیال فرمائیے۔

فارسی تو وہ زبان ہوئی جو تمام ملک میں بولی جاتی یا سمجھی جاتی تھی۔

پہلوی بیرون شہر کی زبان تھی اس میں قصبات و دیہہ و درۂ کوہ کے باشندے متفق اللسان تھے۔

دری دربار کی زبان تھی جس میں صفائی اور نزاکت حروف کو گھٹا بڑھا کر پیدا کی گئی تھی

زاؔولی قندھار و غزنی و زابلستان کی گفتگو کا نام ہی۔

سگزؔی ۔ یہ وہ زبان ہی جو سیستان میں بولی جاتی تھی۔ عہدِ قدیم میں سیستان کا نام سکزی تھا۔

سغدؔی ۔ سمرقند کے قرب و جوار میں سرسبز و شاداب قطعہ پر ایک نامور اور آباد شہر تھا یہ زبان اُس شہر کی طرف منسوب ہی۔

ہرؔوی ہرات و ماژندران کی زبان ہی۔

قدیم و جدید زبان | جسے عہدِ قدیم کی فارسی زبان دیکھنے کا شوق ہو وہ ژند و پاژند و دساتیر کو دیکھے۔ ان کتابوں کے جو فقرات یا کچھ حصص ملتے ہیں اُن کو جب عہدِ جدید کی فارسی سے مقابلہ کیا جاتا ہی تو صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہی کہ یہ لفظ کیوں کر کیا سے کیا ہوتے گئے محض تفننِ طبع کے طور پر ہم پانچ چار لفظ لکھے دیتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سخندان فارس

فارسی	پہلوی	ژند	پاژند
انبار	انبار	ہاں بار	انبار
شرم	شرم	فشارما	شرم
نکسپاس	اسفاکس	۔	ان سپاس
اکنوں	اکنی	۔	اکنین
خان	خوانو	۔	اخان

انھیں چند لفظوں کو دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم تہذیب تمدن و سوسائیٹی اس طرح

آہستہ آہستہ زبان میں تصرف کرتے رہتے ہیں کہ ایک صدی کے اولٹ پھیر کے بعد زبان کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے اہل شہر اور ارباب علم کی زبان صفائی اور لچک رکھتی ہے۔ قریہ و دیہہ کے باشندے اپنی زبان میں سختی اور لہجے میں درشتی رکھتے ہیں ان کی ضرورتیں تھوڑی ہوتی ہیں اور ضرورت کی پوری کرنے والی چیزیں ضرورت سے بھی کم خیالات محدود۔ واقفیت کا دائرہ بہت ہی چھوٹا اس لئے الفاظ کا ذخیرہ بھی ان کی زبانوں میں قلیل ہوتا ہے لیکن ان کی خالص ملکی زبان ہوتی ہے۔ اس لئے شعرائے ایران کبھی کبھی پھلوی زبان کی مدح کا راگ گاتے ہیں۔ چوں کہ وہ اصلیت پر قائم ہے شہر کے باشندے تمدن کے گھوارے میں زندگی بسر کرتے ہیں ناز پروردگی و تنعم ضروریات روز افزوں کرتی رہتی ہے تبادلۂ خیالات سے دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے علمی مضامین صیقل و جلا کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے الفاظ کا اکتنا رہتا ہے اور اُن میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ پس شعرا جب زبان کی لطافت و نزاکت کا خیال کرتے ہیں تو دری زبان کی ثنا میں رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں

نظامی کہ نظم دری کار اوست چنیں نظم کردن سزاوار اوست

اردو کی مثال | اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سرزمین میں جب اُردو پیدا ہوئی ہے اُس وقت کے الفاظ کو دیکھئے پھر جو اُن میں تغیر پیدا ہوا اُس کو دیکھئے مثلاً تسوں بجائے سے۔ ہمن کو بجائے ہم کو۔ نمن بجائے طرح یا مثل۔ بھیتر بجائے اندر اسی طرح جب انگریزی سلطنت مع اپنے تمدن و علوم کے ہند پر حکومت کرنے لگی تو کتنے لفظ نئے داخل ہو کر اُردو کے وسیع کرنے والے ہوئے اور کتنے الفاظ کے مفہوم و معنی

متغیر و متبدل ہو گئے مثلاً گلاس، لالٹین، فلالین، کوچبان وغیرہ یہ سب لوروپ سے آئے ہوئے ہیں جنہوں نے ہندی لباس پہن لیا ہی۔

تغیر معنی کی مثال کوٹھی پہلے مہاجنوں اور تاجروں کی کاروبار کی جگہ کو کہتے تھے اب اُس کے زیادہ مستعمل معنی ایسے مکان کے ہیں جس میں یورپ کی شان باعتبار ساخت و آرائش ہو صاحب ایک تعظیمی لفظ تھا معزز القاب کے ساتھ بولا جاتا۔ مولوی صاحب خانصاحب اُس کے معنی یوروپین یا ہندی یوروپین وضع و معاشرت رکھنے والا۔ اسی طرح تعلیم یافتہ کے اصلی معنی ظاہر ہیں لیکن اب اس کا اطلاق انگریزی داں پر ہوتا ہی بشرطیکہ کچھ مغربیت کی ڈوروں پر فرنگی رکھتا ہو۔

غرض جس طرح اردو زبان امتداد زمانہ و انقلاب حالات سے متغیر ہوتی رہی اسی طرح ایران کی زبان بھی موقع موقع متبدل ہوتی گئی۔ اگر تحقیق کی نظر سے اُن اوراق کا مطالعہ کیا جائے جو جابجا بکھرے ہوئے اب بھی پائے جاتے ہیں تو صاف طور پر یہ واضح ہوسکتا ہی کہ ایرانی زبان بھی ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ ایک طفل شیرخوار ہُوں ہاں غُوں غاں سے دیباچہ اپنی گویائی کا شروع کرتا ہی فارسی زبان بھی اپنے عہد طفلی کی منازل کو طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہی لیکن مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے شاعری کی محتاج ہی۔ یہ واقعہ ہی کہ زبان میں اصلی حسن و خوبی اور نزاکت شاعری سے پیدا ہوتی ہی۔ اور کلام شعر کے ہی سانچے میں ڈھل کر سچا اور صحیح فوٹو جذبات کا ہوتا ہی پس اس کے لئے زبان فارسی ہمہ تن عربوں کے مبارک قدم کی منتظر معلوم ہوتی ہی۔

فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر | اس میں شک نہیں کہ بعض محبانِ ایران کو یہ بات تلخ

گزرتی ہی کہ عرب کو شاعری میں ایران کا اوستاد کیوں کہا جاتا ہی۔ لیکن اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہی کہ واقعہ یوں ہی ہی۔ پس مجبوری ہی۔ بعضوں نے اس ثبوت میں جو متفرق اشعار یا بعض مصطلحات شعریہ پیش کیے ہیں وہ خود اُن کے رد دعوی کے دلائل ہیں یا شہادت میں ناقص۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہی کہ سب سے پہلے بہرام نے اور اُس کی معشوقہ نے مل کر ایک شعر برجستہ موزوں کیا تھا، اور یہی شعر سنگِ بنیاد ایران کی شاعری کا ہی۔ بہرام نے جب ایک شیر کو زندہ پکڑ لیا اور اُسے اس قدر زیر و مجبور کیا کہ دونوں کانوں کو اُس کے کھینچکر گرہ باندہ دی تو بہادری کے جوشِ فخر میں بے ساختہ اُس کے مُنھ سے یہ مصرع نکلا

منم آں پیلِ دمان و منم آں شیرِ یلہ

اُس کی معشوقہ جو بہت ہی حاضر جواب تھی اور جو ہمہ دم اُس کے ساتھ رہتی تھی اُس کی طرف بہرام نے ایک نگاہ تحسیں طلب ڈالی۔ اُس نے برجستہ یہ مصرع کہا

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

اگر اس واقعہ کو بعینہٖ اسی طرح مان لیا جائے تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ لفظِ بوجبلہ عرب کی اوستادی کا کیا ثبوت نہیں دے رہا ہی؟ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہی کہ بہرام نے دیارِ عرب میں پرورش پائی تھی اور مصرع یوں ہی نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ یوں ہی سہی۔ پھر بھی تو مجیب نے عرب کی اُستادی ہی ثابت کی۔

اس کے علاوہ چند اور متفرق اشعار ہیں۔ من جملہ اُن کے ایک یہ شعر ہی ؎

ہزبرا بگیہاں انوشہ بدے جہاں را بدیدار نوشہ بدے

اِس کے متعلق ہمدردانِ ایران یہ روایت کرتے ہیں کہ عضدالدولہ دیلمی کے عہد میں بعض جو عمارتیں قصرِ شیریں کی قائم تھیں اُن کے کسی دروازہ پر یہ شعر کندہ تھا۔ لیکن اس شعر کا انداز خود اپنی قدامت سے انکار کرتا ہے۔ یہ دعائیہ شعر اور عمارت کے در پر کندہ۔ یہ تو موزوں فقرات ہیں جو شعر کے قالب میں لائے گئے ہیں۔ اہل ایران حضور شاہ میں انھیں فقرات سے سلام و تحیتہ پیش کرتے تھے۔

اسی طرح خانِ آرزو کا یہ کہنا کہ "سلاطینِ قدیمہ میں سے فرہوش نام ایک عالی شان بادشاہ تھا اس کے دربار میں گروہِ کثیر اہل سخن کا حاضر رہتا تھا۔ ان میں سے شبدوش شاعر نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا ؎

زنِ شاہ ہست در داور گردا   گوز گرد دندارد بیم از کس

(زبانِ قدیم میں دراور بمعنی شجاعت۔ گردا بمعنی سمندر۔ گوز بمعنی ہرن) یعنی بادشاہ بیگم شجاعت میں سمندر ہے ہرن کی طرح پھرتی ہے اور کسی سے نہیں ڈرتی"۔ فارس جیسا ملک جس میں چار سلسلے سلاطین باآئین کے گزر گئے اور ایسے شان و شکوہ کے ساتھ سلطنت کر گئے جس کی باتیں آج افسانے ہیں علوم و فنون اس کے یونان و روما کا پہلو مارتے ہیں۔ گلزار زمین، خداداد حسن تفریح کے سامان اور عیش و طرب میں پرستان طبیعتیں زندہ اور شعر کی قوت یہ۔ شاہی دربار کا شاعر بادشاہ بیگم کی مدح سرائی کرے اور وہ مدح ایسی ہو اگر ایران جیسے ملک کے لئے ایسی شاعری مایۂ ناز و فخر ہے اور ملک کی سرسبزی و شادابی آب ہوا کی تازگی و ولولہ انگیزی نے اسلام سے قبل ایسے ہی شاعر دربار شاہی کے لئے

پیدا کئے تو کسی کو اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں کہ ایران ہمیشہ سے شاعر تھا۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھایئے تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا جو ایسے باکمال شاعر ہر وقت تعداد کثیر میں پیش نہ کردے۔ یا دش بخیر قوم افغان جو آج ہند کے مختلف گوشوں میں آباد ہے اُس میں رامپور کے بے پڑھے پٹھان چار بیتی کہتے ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ پھر ہر فریق جو کچھ کہتا ہے وہ ان اشعار سے کہیں زائد پر معنی ہوتا ہے۔

افسوس ایران کو عربوں کا شاعری میں شاگرد کہنا اُس کے پایۂ منزلت کو کچھ کم نہیں کرتا ہے۔ لیکن ایسے باکمالوں کا کلام ادھر شعرا کی فہرست میں اُن کے اسمار کا شمار بیشک اُن کی شان کے منافی ہے۔ یہ خان آرزو کی ذاتی آرزو ہے جس نے چند متروک لفظوں کے ساتھ شعر کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ دیکھئے ارباب یورپ کی جستجو نے پہلوی زبان کی متعدد کتابیں بہم پہنچائیں۔ جو علوم و فنون کہ ایران میں تھے اُن کا نہ صرف سُراغ ہی ملا بلکہ حکما و ارباب فن کے اقوال و اسمار تک معلومات کی رسائی ہوئی۔ لیکن نظم کے متعلق نہ تو ایک شعر مل سکا نہ کسی شاعر کا نام ہی معلوم ہو سکا۔ کیا زبان قدیم اور علوم و فنون تو اپنا نشان دینے کے لئے زندہ رہ گئے مگر فنِ ادب و انشار کا بہترین سرمایہ لٹریچر کا نادر الوجود گنجینہ (یعنی نظم) خود قوم کے گنج خانۂ دماغ اور اہل وطن کے حافظوں سے اس طرح محو و سہو ہو گیا کہ ایک دھندلا سا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس جس طرح ایران عربوں سے مفتوح ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اُسی طرح اُن کے اس احسان کو بھی مٹا نہیں سکتا کہ دینِ صحیح کی تلقین کے بعد شاعری بھی فاتح و جواد عرب کا ہی عطیہ ہے۔

دوسری بدیہی دلیل یہ ہے کہ شاعری زبان کو بہت جلد تراش خراش کر گھٹا بڑھا کر
مہذب و نازک بنا دیتی ہے ایران پر چار خاندانوں نے مسلسل صدیوں تک حکومت کی میدانِ کارزار
کی جو گرما گرمی رہی وہ شاہنامہ سے ظاہر ہے۔ شاہنامہ جہاں اُن کے طرزِ جنگ و فنِ سپاہگری
کو بتاتا ہے وہاں وہ ایران کا دائرۃ المعارف یعنی انسائکلوپیڈیا کہے جانے کا بھی مستحق ہے۔
اہل ایران کی معاشرت باہمی تعلقات ماکل و مشارب لباس و پوشاک ان سب کا حال
اُس سے سُراغ ملتا ہے وہاں شاعری کا نام و نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ جس عہد کی داستانیں
ہیں اُس وقت کے کسی شاعر کا ذکر بلکہ اسم تک نہیں پایا جاتا۔ پھر خود شاہنامہ کی زبان ایسی
ہے جس میں بہت کچھ سختی و سنگینی ہے جس کو فردوسی سے بعد آنے والوں نے بنا سنوار کر اُس
درجہ تک پہنچایا جہاں پہنچ کر وہ مسندِ کمال پر مستقر ہوگئی اور یہ ساری ترقی چوتھی صدی
سے شروع ہو کر پانچویں صدی پر ختم ہو جاتی ہے۔

دورِ اول کے شعرا کے کلام کو پڑھئے بندش ڈھیلی الفاظ پھس پھسے۔ بے ضرورت
حروف کا بڑھنا گھٹنا بے قاعدہ متحرک کو ساکن ساکن کو متحرک بنا دینا نہایت بے موقع
لفظ فارسی کو مشدد کر دینا آپ جا بجا پائیں گے۔ اُس پر الفاظ کا ثقل اور بھی غضب ڈھاتا
ہے اضافتِ تشبیہی کا نام نہیں استعارہ خال خال جس میں کوئی ندرت نہیں اگر وزن کو توڑ دیجئے
تو ڈھیلی عبارت نثر کی ہو جائے۔ شعر میں وہ چستی نہیں کہ الفاظ تھوڑے اور معنی وسیع کو
محیط۔ یعنی ایک شعر کا مضمون اگر نثر میں لایا جائے تو دو سطریں ہوں یہ سب اس امر کے
بین ثبوت ہیں کہ ابھی شاعری کی مشقِ اول ہے زبان ترقی پا کر شاعری تک آگئی لیکن شاعری

اپنے عہد طفولیت میں ہی۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ثبوت ہی کہ اس وقت جو کلام دور اول کے شعرا کا پایا جاتا ہی اُس میں اگر کوئی شعر اپنے معنی کی وجہ سے بلیغ ہی تو وہ بعینہٖ ترجمہ کسی عربی شعر کا ہی اس کثرت سے عربی اشعار کا ترجمہ قدیم شعرائے ایران کے کلام میں پایا جاتا ہی جس سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ ابتدائی مشق اس طرح شعر کی گئی ہی کہ عربی اشعار کو فارسی میں ترجمہ کیا ہی۔ پھر اُسے نظم میں لے آئے ہیں اگر شاعری ایران میں قبل از اسلام موجود ہوتی تو ناممکن تھا کہ جہاں عرب کے کلام کو منظوم کیا تھا وہاں اپنے شعرائے سلف کے کلام کو بھی موجودہ زبان کا لباس نہ پہناتے۔ دیکھئے کعب ابن زہیر جو عرب کے مشہور شعرا میں سے ہیں سبعہ معلقہ کے سات قصیدوں میں سے ایک ان کا قصیدہ بھی ہی وہ ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

مَا اَرَانَا نَقُوْلُ اِلَّا مُعَارًا ۔۔۔ اَوْ مُعَادًا مِنْ قَوْلِنَا مَکْرُوْرًا

یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ اگلوں سے مستعار لیا ہوا خیال ہوتا ہی یا اپنے ہی ایک بار کے کہے ہوئے کو پھر دہرا دیتے ہیں۔ جیسا کہ شراب کی مدح میں اعشیٰ کا ایک شعر ہی ؎

وَکَاسٍ شَرِبْتُ عَلٰی لَذَّةٍ ۔۔۔ وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْهَا بِهَا

یعنی پہلا ساغر تو میں نے لذت و سرور کے لئے پیا، لیکن دوسرے جام سے اُس درد کی دوا کی جو پہلے پیالے سے پیدا ہوگیا تھا۔ اسی مضمون کو بغداد کا مشہور شاعر ابو نواس عجب مستانہ طرز سے ادا کرتا ہی ؎

دَعْ عَنْكَ لَوْمِیْ فَاِنَّ اللَّوْمَ اِغْرَاءُ ۔۔۔ وَدَاوِنِیْ بِالَّتِیْ کَانَتْ هِیَ الدَّاءُ

یعنی ملامت کرنا چھوڑ اس لئے کہ ملامت شراب نوشی پر تو اور بھی برانگیختہ کرتی ہی۔ ہاں جو مرض ہو اُسی سے دوا کر (یعنی شراب لا) یہی ابو نواس کا دوسرا شعر وہ ہی جو اُس نے فضل بن ربیع کی شان میں کہا تھا جس میں بلا کا اچھوتا تخیل ہی ؎

لَیسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُستَنکَرٍ　　اَن یَّجمَعَ العَالَمَ فِی وَاحِدٍ

یعنی قدرت خداوندی کے نزدیک یہ کیا محال ہو کہ وہ ایک شخص واحد میں ایک عالم کو جمع کردے۔ بغداد کی گلی گلی میں اس شعر کا چرچا پھیل گیا۔ لوگوں نے ابو نواس سے پوچھا کہ یہ نادر خیال تمھاری قوتِ متخیلہ نے کیوں کر پیدا کیا۔ اُس نے کہا کہ جریر کے ایک شعر سے یہ مضمون ماخوذ ہی۔ اُس نے قبیلہ بنو تمیم کے مدح میں جو قصیدہ کہا ہو اُس کا ایک شعر یہ ہی ؎

اِذَا غَضِبَت عَلَیکَ بَنُو تَمِیمٍ　　حَسِبتَ النَّاسَ کُلَّھُمُ غِضَابَا

یعنی جب تم سے بنو تمیم غصہ ہو جائیں تو سمجھ لو کہ تمام بنی آدم تم سے غصہ ہو گئے۔ اب اسی مضمون کو عنصری کہتا ہی ؎

کس از خدائے ندارد عجب اگر دارد　　ہمہ جہان را اندر یکے تنِ تنہا

کیا یہ ابو نواس کے شعر کا ترجمہ نہیں کیا اس کی بندش ڈھیلی نہیں۔ پورے شعر میں ابو نواس کے جس قدر الفاظ ہیں اُس قدر یہاں ایک مصرع میں موجود ہیں پس اگر ایران میں شاعری پہلے سے ہوتی تو جس طرح ابو نواس نے جریر یا اعشیٰ کے شعر سے ایک مطلب لیکر اپنی چست بندش سے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اُسی طرح اہلِ ایران بھی اپنے اسلاف کے کلام کو بلند کر دکھاتے۔ لیکن جب کہ اسلاف کا خزانہ اس گنج سے خالی ہو تو یقیناً دوسروں

کی طرف دستِ تمنا دراز کرنا ہوگا۔ اسی بنا پر انوری نے اپنے محسن و معطی کی سپاس گزاری اور اُن کی تقلید و تلمذ کا نہایت فراخ حوصلگی سے اقرار کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود — اولِ شاں امرالقیس آخرِ شاں بونواس

اب صرف اس امر کو مقام دلیل میں لانا کہ اصنافِ سخن کے لئے اصطلاحیں خالص فارسی لغات میں موجود ہیں یہ اسلام کی بے تعصبی و نصفت پسندی سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کبھی کسی کے مذہب یا زبان سے تعرض نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو براہین و دلائل کا محتاج نہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لیکن اب اس کو کیا کیا جائے کہ خود ہی باطل صدق وحق میں آہستہ آہستہ جذب ہوتا گیا۔ اور اس طرح ایرانی مذہب نیست و نابود ہو کر تقریباً ایرانی مسلم کا مرادف ہوگیا۔ اسی طرح عربی زبان (جو بولتی زبان ہے) اپنی گویائی و نطق سے بے معنی صداؤں کو خاموش کرتی گئی۔ اُس وقت کہ اسلام کا مبارک قدم ایران میں آیا ہے اُن کی اپنی زبان پوری قوت کے ساتھ زندہ تھی۔

فارسی میں اصطلاحات شعریہ

اسلام کی بے تعصبی اور زبان کی زندگی دونوں نے مل کر اہلِ ایران سے اصطلاحات وضع کرائیں۔ فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایران فتح ہوا۔ اُس وقت سے لیکر ابتدائے عہد حجاج تک دفتر کی زبان فارسی رہی۔ دفاتر جب خلیفہ کے سامنے معائنہ کے لئے پیش ہوتے تو اُن کا ترجمہ عربی میں ہو کر ملاحظہ کے لئے آتا۔

خدا کی بے شمار رحمت اُن نفوسِ قدسیہ پر جنھوں نے براہ راست بارگاہ نبوت سے تزکیہ و تصفیہ حاصل کیا تھا جس کی بدولت ان میں اس قدر بے تعصبی و شفقت علی الخلق پیدا ہوگئی تھی۔ اُن کے حوصلے کی بلندی و دماغ کے وسعت نے کبھی اس طرح کی تنگ خیالی کا وہم بھی ہونے نہ دیا۔ یہ تو صرف عربی زبان کے ذاتی محاسن و کمال کا نتیجہ تھا جو فارسی زبان نے غریب الوطن بدیسی عربی مہمان کو اس فراخ دلی سے اپنے ہم وطن جیسا بنالیا۔ حکومت عربوں کی تھی عمال و گورنر عرب ہی ہوتے تھے۔ رعایا کو آئے دن جو ضرورتیں پیش آتی تھیں اُن کے انصرام کے لئے نیز حکام کے ساتھ تعلقات و روابط کو صحیح طور پر مستحکم بنانے کے لئے عربی سیکھنے کی اُنھیں ضرورت پیش آئی۔ جب عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس زبان سے اہل ایران مانوس ہوئے تو اُس کے ہر لفظ میں جو فلسفہ تھا اُس کی خوبی نے انھیں اپنا دلدادہ و شیدا بنالیا۔ اب جو دیکھا تو عربوں کے پاس اظہار جذبات کا فوٹو بھی تھا جسے وہ شاعری کہتے تھے۔ فارسیوں نے زبان عربی کے ساتھ اس نقاشی اور فوٹو گرافی کو بھی سیکھنا شروع کردیا۔ اہل ایران کے لئے شاعری ایک عجیب غریب شے تھی جس کی لذت سے قبل میں وہ قطعاً آشنا نہ تھے۔ پس ملک کے ہر فرد کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے تعلیم یافتہ اشخاص نے اُسی وقت فارسی زبان میں ہر صنفِ سخن کے لئے ایک علیحدہ اسم قرار دیا اور اس طرح اصطلاحاتِ شعریہ کا وجود عالم لغت میں آگیا۔ نظم کا نام "چامہ" نثر کا "چکامہ" غزل کا "پیوستہ" قصیدہ کا "پرگندہ" وزن شعر کا "پساوند" اسم و رسم قرار پایا۔ لیکن عربی زبان کا ایک ایک لفظ جو فلسفہ و حکمت سے لبریز تھا اور جس میں اپنی وسعت و حلاوت کے سبب یہ کمال تھا

کہ ہر طرح کے خیالات بلاتخصیص بہت سہولت سے پوری طرح ادا ہو جاتے تھے۔ اُس نے اپنی حلاوت و شیرینی سے بہت سے مواقع پر فارسی کے لب بند کر دیے اور بہت سے الفاظ فارسیہ اس کے وسیع دامن میں گم ہو گئے۔ جب میزبان و مہمان باہم شیر و شکر ہو کر مل گئے تب روزمرہ کی گفتگو میں بھی چاشنی الفاظ عربی کی ہوئی۔ وہ کلام بے نمک ہوتا، وہ تقریر بے مزہ ہوتی جس میں عرب و عجم کی آمیزش نہ ہوتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اپنی زبان کے الفاظ ایک معتد بہ مقدار میں اُن سے متروک ہو گئے اور اُن کی جگہ صرف عربی الفاظ رہ گئے۔ اب نہ نظم کا نام چامہ رہا نہ نثر کا چکامہ۔ ہاں ان مصطلحات کا وجود صرف لغات میں مثل دیگر متروک الفاظ کے رہ گیا۔ اب باوجود ان قرائنِ واضحہ کے پھر بھی یہ دعویٰ اور اس پر غلو کہ ایران میں شاعری پہلے سے تھی یہ تو محض خوش اعتقادی و وہم پرستی اور دورِ آخر کے تعصب کا نتیجہ ہے جس کے سامنے تمام دلائل بے سود ہیں۔

آب و ہوا کا اثر شاعری پر

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایران میں جب شاعری آئی تو اس نے یہاں پہنچکر نئی نئی حسین شکلیں پیدا کرلیں اور ملک کی آب و ہوا نے اپنی شادابی و تازگی سے بہت جلد فارسی شاعری کو ایک عروسِ دل آرا بنا دیا۔ لیکن پھر بھی بعض خصوصیاتِ عرب ایران میں نہ آسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری پر ملک کی آب و ہوا کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے جو چیزیں کہ نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور خصوصیات ملکی جس طرح کے جذبات و کیفیات قلوب میں پیدا کیا کرتی ہیں اُسی کو شاعری کا مایۂ خمیر سمجھنا چاہیے اس لئے ہر ملک کا باشندہ اپنے پسند کا معیار جداگانہ رکھتا ہے۔ ایک ہندی عاشق زلفِ معشوق کی

تشبیہ و توصیف میں بھونرے اُڑاتا ہی، برسات کی رات اور کالی گھٹا کو اُس کا عکس بتاتا
ہی۔ عرب زغال یعنی کوئلہ کو شرمندہ کرتا ہی۔ جی چاہتا ہی تو عنبر و مُشک سے بھی دماغ معطر کرلیتا
ہی۔ ایرانی سنبل سُنگھاتا ہی۔ اہل یورپ سونے کو مقابل میں لاتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ملک
کی خصوصیتیں ہیں قاعدہ ہی کہ جس چیز سے انسان کو راحت ملتی یا فرحت و انبساط حاصل
ہوتا ہی تو اُس چیز کے ساتھ ایک گونہ دل کا لگاؤ ہوجاتا ہی۔ پھر جب کہ وہ چیزیں اپنے ہی
ملک کی ہوں تو پھر دلی میلان کا کیا پوچھنا۔ دیکھئے عرب کا ملک ریگستان اور کوہستان ہی۔
پتھریلی خاکی، ہموار ناہموار نشیب و فراز متعدد اقسام کی زمین اُس میں تھی۔ پھول اور
پھل کے درخت کا وہاں نام تک نہ تھا۔ جو درخت پائے جاتے تھے وہ روکھے سوکھے
اور اکثر خاردار تھے۔ زراعت کے لئے نہ زمین قابل تھی، نہ پانی میسر تھا۔ عربوں کا اسی ملک
میں رات دن رہنا سہنا اور خانہ بدوش پھرنا کام تھا۔ قدرت نے ان کے زندہ رہنے
کے لئے دو چیزیں دے دی تھیں حیوانوں میں اونٹ اور نباتات میں کھجور۔ انھیں دو
چیزوں سے عربوں نے ہر طرح کے سامان عیش و حیات اپنے لئے پیدا کرلئے تھے۔
دشوار گزار کوہستانی و ریگستانی منازل کو اس عجیب الخلقت جانور کی مدد سے طے
کرتے تھے اس کی اُون سے کپڑے بناتے اس کی کھالوں کا خیمہ بنتا اس کے دودھ
سے پورا کنبہ پرورش پاتا۔ ذبح کرکے اس کے گوشت سے پورے قبیلہ کی دعوت کرتے
اور دادِ سخاوت لیتے۔ یہی حال کھجور کا تھا۔ اُس کو کھاتے اُس کے شیرے سے ہر طرح
کی شیرینی بناتے اُس کی شاخوں سے مکان چھاتے اُس کو کاٹ کر ستون بناتے

غرض یہ اونٹ اور کھجور چونکہ عربوں کی ہر طرح کی راحت کا سامان تھے اور ان کا کوئی جز ان کے لئے بےکار نہ تھا اس لئے اُن کے کلام میں ان دونوں کے لئے بکثرت لغات وضع ہوئے استعارے اور تشبیہ میں ان دونوں سے کام لیا گیا۔ ان دونوں کی مدح میں طرح طرح کے راگ گائے گئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان دونوں نے عربوں کو بہت ہی آرام پہنچایا تھا۔ اور خود انکے ملک کی چیزیں نہیں پھر کیا وجہ جو عربوں کو محبوب نہ ہوتیں۔ عرب کی آب و ہوا حسن کے جذبات دلوں میں پیدا کرتی ہے وہی شعرائے عرب کے گلزارِ کلام کا شگفتہ چمن ہے اب اگر کسی ملک کا باغ اس تختۂ چمن سے محروم ہو تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔

اقوام و امم کا مورخ جب عرب کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے تو اُسے عربی قوم کے خون کا نظام تمام اقوام عالم سے جدا اور غیرت و شرافت انسانی سے مالا مال دکھائی دیتا ہے۔ آزاد عرب حریت کے والہ و شیدا شجاعت و سخاوت کے دلدادہ جفاکشی و محنت کے عادی غیرت و حمیت کے فدائی کاہلی و بزدلی سے نفور بخل و دناءت سے بمراحل دور۔ غرض یہ کہ حکومت کے شکنجے سے مامون رہ کر آزاد زندگی بسر کرنے والے اور فضائے حریت میں جذباتِ فطری کو نشو و نما دینے کے عادی تھے۔ ہمت کی وہ پستی اور حوصلے کی وہ شکستگی جو مسلسل محکومیت سے قوم میں پیدا ہو جاتی ہے اُس سے قطعاً آشنا نہ تھے۔

اس لئے ایام جاہلیت کے قصائد دوسروں کی تعریف میں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں وہ ممدوح کے واقعی اوصاف کے مظاہر ہیں۔ حرص و آز عرب کی قوت بیانیہ کو جنبش دے نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ بنو تمیم نے جب کہ ایک شاعر جاہلیت سلامہ بن جندل کے سامنے یہ درخواست

پیش کی کہ مجّدنا بشعرک یعنی اپنے اشعار مدحیہ سے مجھے عزت بخش تو اُس نے نہایت صفائی سے یہ جواب دیا کہ اِفعلوا حتّٰی اَقُولَ یعنی کچھ کر دکھاؤ تو ہم بھی کچھ کہیں۔

عربی شاعری کی بنیاد کمالات ذاتی پر ہے

عرب کی شاعری ہمیشہ اس عیب سے پاک و صاف ہے کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور اُس کا جوشِ بیان سلاطین و امرا کے خوف و طمع سے مرعوب و مرہون نہ رہا۔ عربوں میں شاعری کی ابتدا رجز خوانی سے ہوئی اور یہ صنفِ کلام کمالاتِ ذاتی چاہتی ہے، نہ تنائے ملوک و اہل دول۔ اس لئے شعرائے عرب کے قصائد اُن کے محاسن و فضائل کے روشن آئینے ہیں جن میں جوہر ذاتی کے تمام خط و خال جھلک رہے ہیں اور اُن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

نے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام　　　عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

عربی شاعری اسی پیمانے پر اُس وقت تک رہی جب تک عرب کا تمدن ایران کی دل فریب معاشرت سے ہم آغوش نہ ہوا۔ دیکھئے عرب جب بے یار و مددگار رہ جاتا ہے اور حوادثِ دہر اُس سے خویش و اقارب احباب و اعزہ کو چھین لیتے ہیں تو وہ اپنی اُس بیکسی و تنہائی کو بھی اپنی اُسی شجاعت و خودداری عزم و استقلال کے لہجے میں بیان کرتا ہے ؎

ذَهَبَ الَّذِينَ اُحِبُّهُمُ　　　وَبَقِيتُ مِثْلَ السَّيْفِ فَرْدَا

(جن لوگوں کو میں دوست رکھتا تھا۔ وہ سب کے سب چل بسے اور میں مثل تلوار کے تنہا رہ گیا)

اسی طرح مصیبت کے وقت دوسروں کا دست نگر ہونا یا مضطر و بے قرار ہو کر اپنے پائے استقامت کو متزلزل کرنا عرب کی غیور طبیعت گوارا کر نہیں سکتی وہ شرافتِ نفس کو بدرجہ غایت عزیز

رکھتا ہے اور حریت جیسے گراں مایہ جوہر کو سنگِ مصائب و اضطرار سے چکنا چور ہونے نہیں دیتا وہ کہتا ہے ؎

فَلَوْ كَانَ يُغْنِي أَنْ يُرَى الْمَرْءُ جَازِعاً ... بِحَادِثَةٍ أَوْ كَانَ يُغْنِي التَّذَلُّلُ

لَكَانَ التَّعَزِّي عِنْدَ كُلِّ مُصِيبَةٍ ... وَنَائِبَةٍ بِالْحُرِّ أَوْلَى وَأَجْمَلُ

(اگر نزول حادثہ کے وقت مرد کا مضطر ہونا یا لوگوں کے روبرو ذلیل ہونا مفید معلوم ہو۔ تب بھی آزاد مرد کے لئے مصیبت میں صبر ہی زیبا تر و لائق تر ہے)

جنگ کی گرما گرمی میں جب کہ تلوار اور نیزوں کی چمک تیروں کی بارش لڑنے والوں کو فرار کی راہ بتا رہی ہو اُس وقت عرب کا شاعر یوں کہتا ہے ؎

فَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمَى كُلُومُنَا ... وَلَكِنْ عَلَى أَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَاءُ

(یعنی ہم وہ نہیں ہیں جن کی ایڑیوں پر خون بہے۔ بلکہ ہمارے خون کے قطرے بہہ کر قدم پر گرتے ہیں)

عرب جس طرح کہ تذلیل نفس اور جبن و بزدلی کو اپنی شان کے خلاف جانتا ہے اُسی طرح بخل و مال اندوزی اُس کے علو ہمتی و شرافت عربی کے خلاف ہے۔ اُس کو مالکِ گنج و خزانہ کہنا اُس کی سخت توہین کرنی اور کھلی گالی دینی ہے ؎

أَعَيَّرْتَنَا أَلْبَانَهَا وَلُحُومَهَا ... وَذَلِكَ عَارٌ يَا ابْنَ رَيْطَةَ ظَاهِرُ

(ہم پر اونٹوں اور اُن کے دودھ و گوشت کے بکثرت ہونے کا تو نے عیب لگایا ہے۔ اے ابن ریطہ اُس کا معرف جب ہم بیان کرینگے تو تیرا یہ الزام جاتا رہے گا)

نُحَابِي بِهَا أَكْفَاءَنَا وَنُهِينُهَا ... وَنَشْرَبُ فِي أَثْمَانِهَا وَنُقَامِرُ

(اونٹوں کو ذبح کر کے اعزہ و اقارب فقرا و مساکین کو کھلاتے ہیں اور ان کی قیمتوں سے ہم شراب پیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں)

ایک دوسرا شاعر اپنے اور اپنے قبیلہ کی نفرت و بریت بخل سے یوں بیان کرتا ہے

وَاللُّومُ دَاءٌ لِوَبْرٍ يُقْتَلُونَ بِهٖ وَلَا يُقْتَلُونَ بِدَاءٍ غَيْرِهٖ أَبَدًا

(یعنی بنی وبر کے لئے بخل ہی ایک قاتل مرض ہے۔ اور بجز اس درد کے کسی اور مرض سے کبھی نہیں مرتے)

ایک تیسرا شاعر اپنے عزم بالجزم کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح قسم کھاتا ہے

بَقِيتُ وَفْرِي وَانْحَرَفْتُ عَنِ الْعُلَى وَلَقِيتُ أَضْيَافِي بِوَجْهِ عَبُوسٍ

(میں بہت مال چھوڑ کر مروں اور بلندی مراتب کی طلب سے انحراف کروں اور اپنے مہمانوں کا استقبال ناگواری ترش روئی سے کروں)

اسی طرح وہ شرافتِ نسب کو اپنے اخلاق و شریفانہ خدبات سخاوت و شجاعت کا محافظ جانتے تھے نسب کی بربادی کو اپنے اپنے قبیلہ و خاندان کے لئے ایک مصیبتِ عظمیٰ جانتے اگر کہیں سلسلہ نسب میں کچھ بھی نقص نکل آتا تو ساری عزت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اخلاق و سیرت میں نسب کا دخل و اثر وہ یہاں تک تسلیم کرتے تھے کہ گھوڑے اور اونٹ کا نسب نامہ بھی اُن کے پاس ہوتا۔ اور حیوانوں میں بھی شریف و اعلیٰ نسب کو خراب و تباہ نہ ہونے دیتے۔ عرب کہتا ہے

لَعَمْرُكَ مَا أَخْزَى إِذَا مَا نَسَبْتَنِي إِذَا لَمْ تَقُلْ بُطْلًا عَلَيَّ وَمَيْنًا

(تیری جان کی قسم میں رسوا نہ ہوں گا جب کہ تو میرا نسب صحیح صحیح ٹھیک بلا دروغ و افترا بیان کرے گا)

مضامین کے اعتبار سے یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو ایرانی شاعر اپنے آپ میں پا نہیں سکتا صدیوں تک پیہم جو اُن پر زبردست حکومت رہی اس نے اُن کے اُن جذبات کو فنا کر دیا جو عرب میں بدرجۂ کمال موجود تھے اور جس کا تلاطم اُن کے سینوں میں جب موجیں مارتا تو ایسے اشعار بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکلتے اور طرفہ یہ کہ اُن کے افعال اُن کے اقوال سے بھی بڑھکر آزاد و غیور رہتے۔

آب و ہوا کا ایک اور اثر

ملکی آب و ہوا کا ایک یہ بھی اثر تھا جو عرب اپنے اسلوب بیان کا انداز خاص رکھتا ہی۔ عموماً جب قصیدہ شروع کرتا ہی تو سامع کی دلچسپی اور اپنے مقصد کی دل آویزی کے لئے پہلے دیارِ یار کا ذکر کرتا ہی۔ وہاں کے کھنڈروں اور آثار کو اپنی شاعرانہ نگاہ سے دیکھتا ہی۔ خود روتا ہی دوسروں کو رولاتا ہی۔ شکستہ در و دیوار کو کبھی خطاب کرتا ہی اور کبھی اُن پتھروں کو دیکھکر جن سے چولھے کا کام لیا جاتا تھا ایک نالۂ جگر دوز کرتا ہی۔ وہاں کی ہودج نشین مستورات کا تذکرہ تصویر درد و غم ہو کر کرتا ہی۔ مصیبت کی داستان جب کہ ایسے دل گداز پیرایہ میں بیان کی جائے تو سامع کی ہمدردی قائل کے ساتھ ہو ہی جاتی ہی۔ اب وہ یہاں سے مضامین عشقیہ کی طرف رجوع کرتا ہی جسے اصطلاح شعرا میں نسیب کہتے ہیں اس میں اپنے عشق کے ولولے اور محبت کے جوش کو ظاہر کرتا ہی۔ فراق کے درد سے آہ سرد بھرتا ہی۔ یہ عشق و حُسن کی داستان اُن غم خوار سامعین کو اور بھی متوجہ و مائل بنا دیتی ہے۔ وہ کونسا دل ہی جو حُسن کا خواہاں نہیں اور کس کا قلب ہی جس میں عشق کی چاشنی نہیں۔ اس قدر کلام کا حصہ جب سامع کو ہمہ تن گوش بنا دیتا ہی تو وہ

اپنے شعر میں سفر کرتا ہی۔ راتوں کی بیداری، تمازت آفتاب کی گرمی، لو کی لپٹ تند و تیز ہواؤں کے ہوش رُبا جھونکے، راستے کی ناہمواری، اونٹ کی مضبوطی و تیز روی اُس کی بعد مسافت و شدائد سفر سے اُس کی لاغری۔ غرض ایسی ایسی باتیں کہتا ہی جن سے اُس کی جفاکشی استقلال ہمت و مردانگی ظاہر ہوتی ہی۔ اب وہ اپنے قصیدے میں گریز کرتا ہی اور کہتا ہی جو کچھ کہنا چاہتا ہی۔ چاہے میدانِ جنگ کے اپنے شجاعانہ حملوں کا بیان کرے یا اپنی شرافتِ نسب و حریت کا خطبۂ بلیغ پڑھے یا اپنے ممدوح کو اپنے کلام سے عزت بخشے

عربی قصائد کے چند اور لوازم

عربی قصائد میں علاوہ ان باتوں اور اپنے ذاتی فخر و مباہات کے (جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں) چند اور چیزیں ہیں ایک تو اُن کا وہی محبوب جانور اونٹ جس کا بیان ہزاروں طرح سے عرب کرتا ہی اور پھر بھی اُس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی دوسرے بیاباں اور ریگستان اور ان مقامات کے لوازم یہ وہ چیزیں ہیں جن کو وہ خوب کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب چیزیں عرب کے پیشِ نظر ہیں اور ان کا ملک ان چیزوں کے سوا اور کچھ اُن کے سامنے پیش نہیں کرتا اس لئے کلام بھی اور چیزوں کے ذکر سے مستغنی ہی۔

مناظر قدرت

ہاں کبھی کبھی بارش اور موسلادھار پانی کی روانی بھی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہی۔ اگرچہ وہاں بھی اونٹ اپنی ہیولانی صورت کے ساتھ پانی کا بند بنا ہوا معلوم ہوتا ہی۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر ابن مطیر جب کہ والی مدینہ کے پاس پہنچا تو اُس روز وہاں پانی خوب برستا تھا۔ والی نے فرمائش کی کہ آج کی بارش کے متعلق کچھ کہو۔ ابن مطیر نے کہا کہ پہلے منظر اور سماں دیکھ لوں پھر کچھ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک بلند مقام

پر چڑھا اور ہر طرف نگاہ ڈال کر کیفیت ملاحظہ کی۔ پھر جو والی کے پاس آیا تو ایک قصیدہ تیار تھا۔ لیکن بادل کی تشبیہ اونٹ سے دی گئی اور پورے قصیدے میں اسی کا تلازمہ رہا اسی ذیل میں جو اشعار کہ گھنگھور گھٹا اور موسلا دھار پانی اور بجلی کے چمک میں کہہ گیا ہے وہ عجب بلاغت کا نمونہ ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

مُسْتَضْحِكٌ بِلَوَامِعٍ مُسْتَعْبِرٌ ‏ ‏ بِمَدَامِعٍ لَمْ تُمْرِهَا الْأَقْذَاءُ

فَلَهُ بِلَا حُزْنٍ وَلَا بِمَسَرَّةٍ ‏ ‏ ضَحِكٌ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ وَبُكَاءُ

(بادل بجلیوں کی چمک کے ساتھ ہنستا ہے اور لگاتار بارش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خس و خاشاک میل کچیل سے صاف و شفاف آنکھیں ہیں جو آنسوؤں سے رو رہی ہیں بلا خوشی کے ہنستا ہے اور بلا غم کے روتا ہے اس کی ہنسی رونے سے ملی ہوئی ہے)

ذَابَ السَّحَابُ فَهُوَ بَحْرٌ كُلُّهُ ‏ ‏ وَعَلَى الْبُحُورِ مِنَ السَّحَابِ سَمَاءُ

(سارے بادل پگھل کر دریا کے دریا ہو گئے اور دریا پر بادل کا آسمان چھا گیا)

سُحُمٌ فَهُنَّ إِذَا كَظَمْنَ فَوَاحِمٌ ‏ ‏ سُودٌ وَهُنَّ إِذَا ضَحِكْنَ وِضَاءُ

(وہ بادل بہت ہی سیاہ ہیں مگر جب پانی بھر لیتے ہیں تو اس وقت کوئلہ ہو جاتے ہیں سیاہ ہیں مگر جب ہنس دیتے ہیں تو روشن ہو جاتے ہیں)

لَوْ كَانَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاؤُهُ ‏ ‏ لَمْ يَبْقَ فِي لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاءُ

(اگر سواحل کے عمق سے ان دریاؤں میں پانی آیا ہوتا تو سواحل خشک ہو جاتے اور ایک قطرہ بھی پانی کا ان میں باقی نہ رہتا)

وہ اشعار جن میں بارش و باران ابر و سحاب کی تشبیہ اونٹنی اور اس کے شیر و حمل وغیرہ سے دی گئی ہے اُن کو پیش کرنا فضول سمجھا۔ ہند کی سرزمین میں اُس کا بیان کیا لطف پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں مقصود صرف اسی قدر ہے کہ شاعر جن چیزوں کو دیکھتا ہے اور جو اس جس طرح کے جذبات پیدا کرتے ہیں شاعر انھیں کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے عربوں کے کلام میں قصائد میں ادرمراثی ہیں اور یہ دونوں صنفیں نظم کی بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے مقصود اپنے خصائص و فضائل کو زندہ رکھنا اور آیندہ نسلوں کو رغبت دلانا تھا۔ غزل اُن کے کلام میں اپنی مستقل حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ چاہیے تو تشبیب کو غزل کہہ لیجئے۔ اسی طرح مثنوی کے صنف سے بھی اُن کا کلام خالی ہے۔ حالانکہ اس کا مواد جس اکثار و فراوانی کے ساتھ عرب کے پاس تھا اُس کا اقتضا یہ تھا کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ آج ایام جاہلیت کی مثنویوں سے مزین و آراستہ ہوتا بہت سی باتیں عربی شاعری میں اسی وجہ سے نہ آسکیں کہ اُن کا بیان صنفِ مثنوی کا خواہاں تھا ے

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم   چناں کہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندرطو

فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی

اب فارسی شاعری کی تاریخ اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُن خصوصیات پر نظر ڈالنے کی حاجت ہے جو اس میں باعتبار مضمون اور انداز بیان کے پائی جاتی ہیں تاکہ استاد اور شاگرد کی خصوصیت خاصہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔ محققینِ السنۂ مشرقیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ فارسی زبان اپنے حسن و دل آویزی یعنی مرتبۂ شاعری تک پہنچنے کے لئے عربوں کی سراپا انتظار تھی۔ عرب استاد نے شعر کی حقیقت اور اس کی

قوت و کیفیت سے اپنے تلامذہ کو آگاہ کیا اور کچھ ایسے خوش آیند لہجے میں دعوت شعر کی نغمہ سرائی
کی کہ ایران کے تمام گوشے لبیک کی صدا سے گونج اُٹھے۔ یہ امر تو مسلّم ہو چکا کہ ایران میں
شاعری کی ابتدا اکتسابی طور سے ہوئی۔ اب غور طلب یہ امر ہی کہ تعلیم یافتہ ایرانیوں نے
پہلے پہل جو شاعری کے لئے زبان کھولی، وہ کلام کس زبان میں تھا۔ اگر معان نظر سے کام
لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ پہلی مشق شاعری کی عربی ہی زبان میں کی گئی تاکہ
اُستاد کی اصلاح سے کلام مرصع ہو جائے اور نکاتِ شعریہ کے دقیق مسائل اچھی طرح حل ہو کر
سمجھ میں آ جائیں۔ جب عربی میں شعر کی مشق ہو گئی اور شعر گوئی کا طریقہ اور صحت کی راہ معلوم
ہو گئی تو اپنی ملکی اور مادری زبان کی طرف فوراً متوجہ ہو گئے۔ اس لئے کہ علم ہو یا فن
جب تک اُس پر غیر زبان کا قفل چڑھا ہوا ہی اُس میں کمال بہم پہنچانا اگر محال عقلی نہیں تو
محالِ عادی ضرور ہی۔ اس لئے اہلِ ایران نے اپنی بحور بھی علٰحدہ قرار دیں اور انھیں جدید
مقرر کردہ بحروں میں انھوں نے شاعری کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن ابتدائی اشعار کی یہ
حالت تھی کہ جس طرح ایک بھولا آدمی سیدھی سیدھی باتیں کرتا جاتا ہی اُسی طرح فارسی
کے وہ اشعار تھے جن میں بہت جلد رنگینی و چستی پیدا ہو گئی۔ اس کو واضح طور پر سمجھنے
کے لئے اس طرح خیال کرنا چاہیے کہ انسان کو کھانے کے لئے غذا، رہنے کے واسطے
مکان، بدن ڈھانکنے کو ستر، حملۂ اعدا سے محفوظ رہنے کے لئے سپر اور حملہ آور ہونے کے
لئے آلات درکار ہیں۔ اب انسان اپنی ان ضرورتوں کو جن چیزوں سے پورا کرتا ہی
وہ دو قسم کی ہیں؛ ایک تو وہ جو اپنی موجودہ سادی اور خلقی صورت میں انسان کی

خدمت کے لئے زبانِ حال سے لبیک کی صدا بلند کر رہی ہیں جیسے غار و خندق سکونت کے لئے جنگلی برگ و بار غذا کے لئے، درختوں کے لمبے چوڑے پتے ستر پوشی کے لئے، پتھر کے ٹکڑے اور درختوں کی خشک و تر شاخیں اسلحہ بننے کے لئے ہر وقت طیار ہیں اور یہ وہ ادنی مرتبہ انسان کے زندگی بسر کرنے کا ہے جسے خالق نے خود اُس کے لئے مہیا کر دیا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ان کی خلقی حالت پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ ان چیزوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے اس میں تغیر و تبدل، ترکیب و تحلیل کو عمل میں لائیں اور اس طرح مایحتاج فی الحیات میں ایک نئی شان پیدا کریں۔ جس قدر نازپروردگی بڑھتی جائیگی اور عیش و تنعم کا سامان بہم پہنچتا جائیگا اور محفوظ رہنے کے وسائل قوی ہوتے جائینگے اُسی قدر تمدن کا پلہ گراں ہوتا جائیگا وہی قوم جو اشیاء کا استعمال ابتدا میں اس طرح کرتی تھی کہ صنعتِ عبد کا اُس میں کوئی حصہ نہ ہوتا تھا انتہا میں اگر اُن کے طریقِ استعمال کو دیکھا جائے تو صنعتِ عبد نے اس کی حقیقت بالکل گم کر دی ہوگی۔ اگر متمدن و غیر متمدن قوم کے مآکل و مشارب ملابس و مساکن کو دیکھا جائے تو بہت اچھی طرح یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال ایران کی شاعری کا سمجھنا چاہئے۔

حقیقت یوں ہے کہ پہلے پہل جس زبان میں شاعری کا آغاز ہوتا ہے اُس میں ابتدائی رفتار ہی آہستگی و سادگی سے ہوتی ہے۔ ورنہ نظم کمالِ سخن کی جگہ اہمال و لغویت کا دفتر بے معنی ہو جائے۔ ابتداءً شعراء کلام کو موزوں کرنے کی مشق کرتے ہیں پھر بہ تدریج ترقی کرتے جاتے ہیں ورنہ اگر آغاز ہی میں بلند پروازی کی جائے تو یہ بجائے ملاءِ اعلیٰ پر پہنچانے

کے تحت الثریٰ تک لے جانے والی ہو۔

اُردو شاعری کی حالت بطور مثال کے | مثال کے لئے اُردو شاعری کی ابتدا اور پھر مرتبہ کمال تک پہنچنے پر غور کرنا کافی ہے۔ شاعری نے جب ہندوستان کی اُس زبان میں جو اَب یہاں پیدا ہوگئی تھی اپنی جلوہ آرائی کی اُس وقت اُردو میں شعر کہنے والے وہ باکمال حضرات تھے جن کی نگاہوں میں دونوں شاعریاں عرب و عجم کی موجود تھیں۔ لیکن اُردو میں چوں کہ کوئی نمونہ موجود نہ تھا اس لئے سادگی ہی کا جامہ اُس کے لئے مستحسن سمجھا گیا۔

اُردو میں وَلی کا وہی مرتبہ ہے جو رودکی کا فارسی میں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ولی نے فارسی و عربی شاعری کا کافی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر جو ولی کے کلام میں سادگی ہے اور الفاظ بغیر تراش و خراش کے ادا ہوتے ہیں دور کے استعارات اور تشبیہات بھی نہیں پائی جاتیں وہ بجز اس کے اور کس کا نتیجہ ہے کہ اُردو میں شاعری اپنی طفولیت کا عہد بسر کر رہی ہے گویا بچوں کی طرح گھٹنوں گھٹنوں چل رہی ہے جس طرح کوئی راہ رو اُس راستے کو طے کرے جو قبل سے قدموں کے نیچے نہ آیا ہو یا کوئی اجنبی ایسے مکان میں داخل ہو جس میں پہلے گیا نہ ہو تو وہ قدم سنبھل سنبھل کر رکھے گا تیز روی و سرعت اس کے لئے بجائے منزل رساں ثابت ہونے کے سنگِ راہ ہو جائیگی۔

اسی وجہ سے ابتدا میں ایران کی شاعری محض موزوں فقرات سے شروع ہو کر بہت جلد اس قابل ہوگئی کہ اُس کو بزم شعرا میں پیش کیا جا سکے۔ فارسی شاعری پر یہ رودکی کا احسان ہے جس کی دایۂ فکر نے اس طفلِ شیرخوار کو اپنی جودتِ طبع اور حدت

ذہن سے پرورش کر کے عالمِ تمیز تک پہنچایا لیکن ابھی اس کو جوان اور جوانی کے ساتھ سنجیدہ و متین ہونا باقی ہے۔

سادگی کی تاثیر

طبقہ اوّل کے وہ شعرا جو دورِ اوّل میں گزرے اُن سب کا کلام ایک ہی انداز رکھتا ہے۔ بندش کی چستی نہیں مضمون کی بلند پردازی نہیں۔ ان کی نظم میں صرف محسوسات اور ان کے اصلی حالات ہیں۔ سادہ الفاظ میں سیدھی باتیں جو آپس میں بولتے ہیں اکثر و بیشتر اُسی کو نظم کر دیتے ہیں۔ استعارہ و تکلفات سے بہت کم کلام کو آراستہ کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی جب کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور اُس کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں۔ ضعیفی اعضا پر چھا جاتی ہے۔ اُس وقت جوانی کی یاد میں ایک قصیدہ کہتا ہے۔ عمر کے آخر حصے میں جو کچھ کہتا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ سیدھی سادی باتیں ہیں جو نہایت سادگی سے وزن و قافیہ کے محاصرہ میں لے آئی گئی ہیں۔ مثال کے لئے تین پہلے شعر اس قصیدے سے حاضر ہیں۔

مرا بسود فرو ریخت ہر چہ دندان بود	نبود دندان لا بل چراغِ تابان بود
یکے نماند کنون زان ہمہ بسود و بریخت	چہ نحس بود ہمانا کہ نحسِ کیوان بود
نہ نحسِ کیوان بود و نہ روزگارِ دراز	چہ بود منت بگویم قضائے یزدان بود

وزن و قافیہ کے ساتھ عہدِ شباب کا مرثیہ ہے اس لئے اسے شعر کہئے مگر جو شعر کی حقیقت ہے اُس کا نام و نشان تک نہیں۔ اگر آج کوئی اس طرح کا شعر کہے تو ہمارے شعرا اُس کی طرف بھول کر بھی ایک نگاہ غلط انداز نہ ڈالیں۔ مگر چونکہ یہ رودکی کا کلام ہے جس نے شاعری کو بزمِ شعرا تک آنے کے قابل بنایا ہے۔ اس لئے یہ اشعار کتابوں میں اربابِ ذوق کی زبانوں

پر جاری و مکتوب ہیں۔ رودکی کے کلام میں سب سے مشہور اور بہترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو شاہ بخارا کو ہرات سے مضطربانہ بخارا لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن اشعار میں لذت ہی اور لطف و ذوق سے بھی خالی نہیں لیکن شبنم سے ایک پیاسے کی کیا تسکین ہو سکتی ہی۔ واقعہ اُن اشعار کا یوں ہی کہ شاہِ بخارا ہرات پہنچتا ہی اُن اطراف کی نزہت فزا آب و ہوا اُس کے دامن گیر ہو جاتی ہی۔ ایک خوش گوار و روح پرور موسم جب گزر جاتا ہی تو دوسرے موسم کا اشتیاق پاؤں کا زنجیر ہو جاتا ہی۔ ہرات کے سرسبز و شاداب خطّے اور سیستان و مازندران کے لذیذ و خوش بو میوے چار برس تک بادشاہ کی مہماں نوازی کرتے رہے۔ اس مدت دراز میں اعیانِ دولت و وابستگانِ سلطنت وطن کی دوری اور سفر کی زندگی سے چیخ اُٹھے رعبِ شاہی سے کسی کو لب ہلانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ رودکی دربارِ شاہی کا شاعر تھا او گانے میں بھی بدرجۂ کمال ماہر تھا۔ سبھوں نے مل کر پانچ ہزار اشرفیوں کا وعدہ رودکی سے اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی نظمِ دل گداز اور نغمۂ داؤدی سے بادشاہ کو وطن کی یاد دلائے۔ رودکی بادشاہ کی مجلس میں اُس وقت جب کہ وہ جام و صراحی سے داد انبساط دے رہا تھا حاضر ہوا اور اپنے درد بھرے لحن میں اپنا برجستہ کلام یادِ وطن میں گانا شروع کیا۔ یہ سحرِ حلال بادشاہ پر چل گیا۔ اُس کی بے چینی بڑھی اور ایسا مضطربانہ گھوڑے پر سوار ہوا کہ موزہ بھی پہن نہ سکا۔ رہوارِ تیز رفتار کو خیز کیا اور جب تک ایک منزل طے نہ ہوئی گھوڑے کی باگ نہ روکی۔ وہ اشعار بہت تھے لیکن افسوس کہ اب بجز چند اشعار کے جو تذکروں میں منقول ہیں یاد نہیں ملتے ؎

بوے جوے مولیاں آید ہمی — یادِ یارِ مہرباں آید ہمے

ریگِ آموں با درشتی ہاے او — زیر پایم پرنیاں آید ہمے

آبِ جیحوں با ہمہ پہناوری — خنگِ ما را تامیاں آید ہمے

اے بخارا شاد باش شاد زی — شاہ سویت میہماں آید ہمے

شاہ سرو ست و بخارا بوستاں — سرو سوئے بوستاں آید ہمے

شاہ ماہ ست و بخارا آسماں — ماہ سوئے آسماں آید ہمے

یہ دلکش قصیدہ ایک مدت تک مقناطیس کی طرح لوگوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچتا رہا۔ بعض شعرا نے اس پر طبع آزمائی بھی کرنی چاہی لیکن اس کے مقابل میں نہ آسکے۔ وجہ اس کی صاف ہے شاعر خود چار برس تک وطن سے دور رہا، یادِ وطن جس جس طرح دل میں چٹکیاں لیتی ہوگی اس درد کی لذت کسی غریب الوطن سے پوچھنی چاہیے۔ اس پر پایۂ اثر فنون کا عمدہ

طمع زر کا اثر جذبات پر

حطیہ جو عرب کا مشہور شاعر ہے اس سے کسی نے سوال کیا کہ سب میں بڑا شاعر کون ہوتا ہے، تو اس نے اپنی زبان باریک مثل سانپ کے نکال کر کہا کہ یہ جس وقت طمع سے لذت آشنا ہو جائے۔ اسی طرح احمد بن یوسف نے ابو یعقوب شاعر سے کہا کہ کاتب برمکہ محمد بن منصور بن زیاد کی شان میں تیرے مدائح بھی ہیں اور مراثی بھی۔ لیکن جو جودت اور شاعرانہ تخیل کہ مدح میں ہے مراثی اس سے بالکل خالی ہیں۔ ابو یعقوب نے کہا کنا یومئذ نعمل علی الرجاء ونحن الیوم نعمل علی الوفاء وبینہما بون بعید (یعنی اس وقت جو ہم مدح کہتے تھے تو امیدیں وابستہ تھیں اور اب جو مرثیہ کہتے ہیں یہ تو محض وفاداری ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے)

پھر پانچ ہزار اشرفیوں کی جھنکار نے اگر رودکی کے شاعرانہ جذبات و احساسات کو تیز کر دیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ وطن کی یاد پردیس کی تکلیف اور اشرفیوں کی اُمید نے تڑپ تڑپ کر ان اشعار کی صورت اختیار کی۔ اس لئے ان میں اُس وقت بھی لذت و لطافت تھی اور آج بھی ذوق سے خالی نہیں۔ ہرچہ از دل خیزد بردل ریزد۔

لیکن اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو دور اوّل کے پہلے شاعر کی خصوصیت یہاں بھی نمایاں ہے۔ رودکی نابینا ہے وہ پانی کی لہروں اور موج کے تلاطم کو دیکھ نہیں سکتا اُس کی حس باصرہ لب دریا کے سبزہ زار اور وہاں کی شادابی سے خنک نہیں ہوتی پس اُس کا دماغ اُس تخیل سے بالکل صاف ہے۔ قوت شامہ موجود ہے وہ اپنا کام کرتی ہے پانی کی مہک سونگھتا ہے لیکن اُس کی روانی و سیلاب کا پتہ بھی نہیں۔ دریا کے ریگ پر گزرتا ہے لیکن یہاں بھی آنکھ کا کام وہ اپنے قدم سے لیتا ہے۔ موٹے موٹے ریت کے دانے نہ سخت معلوم ہوتے ہیں نہ پاؤں جلاتے ہیں نہ تلووں میں چبھتے ہیں بلکہ نرم ہو کر قدموں کے نیچے پرنیاں کے فرش ہو جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ حب وطن کا ہے دیگر اشعار کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے لیکن کیا اگر طبقۂ ثانی کے شعرا ہوتے تو اپنے وطن کا راگ اسی سادے لحن میں گاتے، نہیں کبھی نہیں۔ وہ کم از کم ریگ کے ایک ایک ذرہ کو آفتاب اور ہر ایک سبزہ کو گلستانِ ارم و باغ جناں بنا دیتے۔ موج و حباب کو جب بیان کرتے تو ایک دریا بہا دیتے رودکی بڑا پر گو شاعر گزرا ہے۔ اُس پر بادشاہوں کی قدردانی و عزت افزائی، درہم و دنیار کی بارش نے کبھی اس کو خاموش بیٹھنے نہ دیا۔ ایک لاکھ تک اُس کے اشعار کا شمار بعضوں

نے کیا ہی۔ یہ ظاہر ہی کہ جب اشعار کی تعداد اس قدر ہو تو پھر اُس میں سب طرح کے مضامین ہونگے۔ تذکروں میں جو رودکی کا کلام منقول ہی اُس میں ہر جنس موجود ہی۔ جا بجا مضمون آفرینی بھی ہی۔ کہیں کہیں تشبیہ و استعارے کا بھی لطف ہی۔ اخلاق و موعظت کے پاک و شیریں مضامین بھی موجود ہیں۔ کہنہ مشق دیرینہ سال شاعر کا جب جی چاہتا ہی تو عشق و حسن کے ناز و نیاز بھی کر لیتا ہی۔ قصیدے کی تشبیب میں غزل کا لطف آجاتا ہی۔ اور گریز میں بھی اس کی قوت و قابلیت نمایاں ہی لیکن با ایں ہمہ شاعری کو ابھی بہت کچھ ہونا ہی اس لئے وہ اپنا قدم نہایت سرعت و تیزی سے آگے بڑھائے جاتی ہی۔

فردوسی اور اسدی طوسی | اس دور کا آخر شاعر فردوسی ہی۔ اُس نے شاہنامہ کیا لکھا اپنی اُس قوتِ دماغی اور جودتِ ذہن کا جو بشر میں ایک عطیۂ الٰہی ہی کامل ثبوت دیا ہی۔ اس نے یہ مثنوی لکھکر ثابت کر دیا کہ انسان کی دماغی قوت اعلیٰ نمونہ صانع بیچوں کے صنعت کا ہی۔ میدانِ جنگ کی تصویر تو ایسی کھینچتا ہی کہ ہو بہو فوٹو ہوتا ہی۔ اس کا کلام و کمال کسی کی تحسین اور روشناسی کا محتاج نہیں۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را

یہ کہنا ایک امر واقعی کا بیان کرنا ہوگا کہ فردوسی کی بدولت معانی کی کمی انتہائے کمال پر پہنچکر اپنی شان کا جلوہ دکھانے لگی لیکن الفاظ اپنے بناؤ سنوار کے لئے ہنوز مضطر ہیں۔ گو بہت سے الفاظ متروک ہو چکے محاورات بھی بدل گئے لیکن پھر بھی شعر کی نزاکت و لطافت ان ثقیل الفاظ کے بوجھ سے دبی جاتی ہی۔ مثلاً فردوسی کہتا ہی ؎

برستم دہم تخت و گنج و کلاہ — نشانمش برجاے کاوس شاہ

یہاں متحرک کا ساکن ہونا فصاحت پر کس قدر ناگوار ہے۔

سیامک برآمد برہنہ تنا — ولہ — بیا و یخت با پور اہرمنا

الف کی زیادتی قافیہ میں کیسی بدنما ہے۔

ایک موقع پر چاند سے خطاب کرکے بہت سے شعر لکھے ہیں اُن میں کا ایک شعر یہ ہے

بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا — ولہ — دو روز و دو شب روے ننمایدا

یہاں فعل میں الف کی زیادتی اُسی طرح بھدی ہے۔

کہ درمان این کار یزدان کند — ولہ — مگر کین غمان بر تو آسان کند

اگر عمر باشد مرا سالیان — بہ خدمت بہ بندم کمر برمیان

جمع کا الف جہاں چاہتا ہے لگا دیتا ہے چاہے فصاحت اس زیادتی کو برداشت کرے یا نہ کرے اگرچہ ضرورتِ شعری ایک ایسی ضرورت ہے جس کے لئے ہزار روا ہے لیکن الفاظ کا یہی بھدا پن آخر دور میں قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ اسی دور اول کا شاعر اسدی طوسی ہے جس کے کمال نے یہ بے بنیاد روایت وضع کرائی کہ یہ فردوسی کا اُستاد ہے اور شاہنامہ کی تکمیل اسی کے زبردست قلم کا نتیجہ ہے۔ اسدی طوسی فردوسی کا اُستاد تھا یا نہ تھا اس وقت اسے جانے دیجئے لیکن یہ تو محقق ہے کہ شاہنامہ اُس کے زورِ قلم کا مرہون نہیں بہرحال دو چار شعر اُس کے بھی ملاحظہ ہوں۔ اسدی طوسی ؎

چو خورشید آں چادرِ قیر گوں — بدرید و از پردہ آمد بروں

ہوا ابر گشت از بخور عبیر　　　　بخندید بم و بنالید زیر

الفاظِ فارسیہ میں تشدید زبان پر کس طرح اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اسدی طوسی سبب تالیف کتاب میں کہتا ہے ؎

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت　　　　کہ خندد ز خوشی برارد بہشت

یہاں بھی وہی تشدید کی ثقالت فصاحت کو دبائے دیتی ہے۔

پہلا دور ختم ہوا۔ رودکی۔ اسدی طوسی۔ عنصری۔ فرخی۔ فردوسی اس دور کے باکمال شعرا تھے جن میں رودکی کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر ہے۔

دوسرا دور

اب شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے میں خاقانی۔ انوری۔ نظامی۔ حکیم سنائی۔ مولانا روم و عمر خیام وغیرہ گزرے۔ دونوں دور کے شعرا میں یہ فرق ہے کہ پہلے طبقے کے شعرا قدرتی طبیعت سے شعر کہتے تھے پاس کی چیزوں سے تشبیہ لاتے اور پیش نظر اشیا سے استعارہ لیتے لیکن دور ثانی میں انکاہوں نے زیادہ غور پیدا کیا۔ عرب کے علوم ملک میں عام ہو گئے تھے۔ بلاغت کی کتابیں فارسی میں لکھی جا چکی تھیں اس لئے عربی الفاظ کا قبضہ زیادہ ہوا پھر الفاظ و معانی کو صنائع و بدائع نے علمی رنگ دیا۔ دور اول میں سادگی سنگینی و استواری تھی۔ اب رنگینی لطافت اور ملائمت پیدا ہو گئی۔

خاقانی۔ خاقانی ابتدائی کیفیت اور خاتمۂ مطالب کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کرتا ہے قصائد اس کے لاجواب ہیں حسان العجم کا اس کو لقب حاصل تھا۔

نظامی۔ نظامی مثنوی کے بادشاہ ہیں ان کے کمال کی شاہد ان کی پانچ مثنویاں ہیں جو خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ اُنھوں نے نظم نگاری میں نیا رنگ پیدا کیا۔ تشبیہ و استعارے کو رنگینی و قوت کے ساتھ برتا۔ ان کے پیچ میں بھی بانکپن ہے ان کا کلام تمام لطافت و نزاکت سے لبریز ہے۔ فردوسی کے بعد رزمیہ مضمون کوئی دوسرا ان سے بہتر تو کیا برابر بھی نہ لکھ سکا۔

انوری۔ انوری نے کلام میں مضمون آفرینی پیدا کی استعارہ کو لیا اور خوش ادائی سے برتا۔ قصیدہ کہنے میں اُستاد ہے۔

حکیم سنائی۔ حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جنھوں نے تصوف کو مستقل طور پر نظم میں لکھا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ پختگی برجستگی اور صفائی میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔

مولانا رومی۔ مولنا رومی تصوف کے بادشاہ ہیں علم کلام و تصوف کے اہم ترین مسائل دل گیر و دل پذیر طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ مثنوی آپ کی چھ جلدوں میں شش جہات عالم میں فیض رساں ہے۔ عربی فارسی میں متعدد شرحیں لکھی گئیں ارباب سلوک آج تک اس کا درس دیتے ہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ مرد راہِ رفتہ کے سوا کوئی دوسرا اُسے سمجھ بھی نہیں سکتا۔

عمر خیام۔ عمر خیام علوم عقلیہ میں کمال رکھتا تھا اقسام شعر میں اس کی رباعیاں ہیں جنھوں نے اس کو زندہ رکھا ہے مسلمانوں سے بڑھکر اہل یورپ نے اس کے ساتھ اعتنا کیا

تیسرا دور۔ دوسرا دور بھی ختم ہوتا ہے معانی والفاظ دونوں ترقی پاکر اس دور میں کامل ہو چکے ہیں اب تیسرا دور شاعری کا شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے کے بہترین نمونہ سعدی۔ امیر خسرو اور حافظ ہیں۔ اس عہد میں غزل خوانی کی بڑی دھوم مچی سلاطین و امرا کی خوشامد وں میں خوب خوب قصیدے لکھے جانے لگے عاشقانہ مثنویوں کا رنگ گھرا ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چنگیز خاں کے مشہور حملہ نے جو ۶۱۶ھ میں واقع ہوا دلوں کو ایسا سرد کر دیا تھا کہ بہادری و شجاعت کا خیال سروں سے جاتا رہا۔ شعرا غزل و قصائد سے دلوں کو خوش کرنے لگے۔ مردانہ خیالات اس وقت سے جو مٹنے لگے تو آخر نیست ہو کر ہی رہے۔

پانچویں صدی کی شاعری۔ پانچویں صدی میں حسینوں کی بزم ہر طرح کے سامان اسلحہ سے آراستہ پائی جاتی تھی۔ ابرو کمان تھے جن سے یہ تیر مژگاں چل کر دلوں میں ترازو ہو جاتے تیوری بدلی اور ابرو خنجر ہو گئے مژگاں نیزے بن گئے غرض معشوقوں کی بزم میں عشاق کے کھنچنے کی دیر تھی۔ یہ پہنچے اور رستم اور اسفندیار کے میدان جنگ گرد برد لیکن چھٹی صدی میں رنگینی و نزاکت بڑھی۔ مزاجوں میں تغیر پیدا ہوا طبیعت میں چستی و شجاعت نہ رہی راحت پسندی غالب آئی۔ آخر اس کا اثر کلام پر بھی پڑا رفتہ رفتہ ایک وہ وقت پہنچا کہ رزمیہ کلام میں بھی ساغر و مینا کے دور چلنے لگے تشبیہیں بدل گئیں۔ اب سپاہی میدان کارزار میں بھی جو پہنچتا ہے تو عشق کے نشہ میں چور جاتا ہے۔ قدسی۔ ابو طالب۔ کلیم۔ علی قلی

سلیم کی رزمیہ مثنویاں اس پر گواہ ہیں۔ بہرکیف یہ دور بھی ترقی سے خالی نہ رہا۔ زبان زیادہ صاف ہوگئی اور مضمون آفرینی نے بہت ترقی کی۔ خاقانی و انوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے زبان کو زیر بار کرتے تھے یہ بات جاتی رہی۔

سعدی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ اس طبقے کے نہایت شیریں کلام شاعر ہیں ان کا مضمون آج تک پھیکا نہوا نظم ہو یا نثر اصنافِ سخن پر قدرت رکھتے ہیں ان کے کلام میں سعاری بھی ہیں لیکن پیچیدہ نہیں۔ صفائی دکھاتے ہیں اور لطف بڑھاتے ہیں مبالغہ و استغراق سے کام نہیں لیتے۔ ان کا کلام دین و دنیا کی سود مند نصائح سے پُر ہے۔ اخلاقی مضامین کو ان کے مثل کسی نے نہیں ادا کیا۔ مخلوق کی دردمندی ان کے ہر رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تجربہ کامل تھا اور سیاحت وسیع اس لیے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ دل میں جا بیٹھتا ہے گلستان بوستان دیوان و قصائد ان کی مشہور تصانیف ہیں لیکن غزل کا رنگ بدلنے والے اور سوز و گداز کے ساتھ وقوعہ گوئی کی بنیاد ڈالنے والے بھی شیخ سعدی ہی ہیں اس لیے من حیث شاعر انھیں غزل کا استاد تسلیم کیا گیا ہے۔

امیر خسرو۔ امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین ترکستان سے آئے تھے۔ امیر خسرو نے گو ہندوستان میں ولادت اور تربیت پائی تھی مگر دماغ ید قدرت سے وہ ودیعت ہوا تھا کہ ایجاد مضامین کا طلسم خانہ تھا۔ اُنھوں نے صنائع لفظی و معنوی کا عجائب خانہ کھول دیا۔ تصانیف کی یہ کثرت ہے کہ ہمیشہ اُن کا سمیٹنا دشوار رہا اور آج دشوار تر ہے۔

حافظ۔ خواجہ حافظ کا دیوان مشہور ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ چند قصیدے

برلے نام ہیں مگر غزل ایسی لکھ گئے کہ آج تک ان کا جواب نہیں۔ نہ تصنع ہے نہ تکلف جیسی گزری ہے ویسا لکھا ہے۔ عرفان و حقائق کا ایک بے بہا گنجینہ ہے جس پر نقوش حروف کے قفل چڑھے ہوئے ہیں! ارباب بصیرت عینک کی طرح اپنی نگاہوں پر لگائے پھرتے ہیں۔

جامی۔ جامی علیہ الرحمہ کا زمانہ ۹۰۰ھ ہجری ہے۔ ناظم ہروی نے امیر خسرو کے بعد شاعری کو ان پر ختم کر دیا ہے جیسا کہ اس کے ایک شعر سے ظاہر ہے ؎

زخسرو چو نوبت بجامی رسید — زجامی سخن را تمامی رسید

علاوہ عام شاعری کے صوفیانہ طرز میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ نقشبندیہ طریق کی تعلیم و مراقبات کی طرف عجب لطف سے اپنے کلام میں اشارہ کرتے ہیں۔

چوتھا دور — اب تیسرا دور بھی ختم ہوا اور شاعری کے لئے گرانمایہ متاع چھوڑ گیا۔ ۹۰۰ھ کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابو طالب کلیم، مرزا صائب اس دور کے ممتاز ارکین ہیں۔ اگرچہ اس دور میں قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی ان تمام اصناف کا بڑا ذخیرہ پیدا ہو گیا لیکن فی الحقیقت یہ عہد ترقی غزل کا انتہائی اور آخری زینہ تھا اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بات کہتے ہیں وہ پیچ دیگر کہتے ہیں دور کی راہ سے سامعین کی فہم کو مطالب تک لاتے ہیں۔ ورد ادیتے ہیں استعارہ کو استعارہ در استعارہ اور مجاز کو مجاز اندر مجاز کر کے معنوں میں نزاکت اور باریکی پیدا کرتے ہیں اس لئے بہت سے اشعار کی باریکی معشوقوں کی کمر کو بھی بار نزاکت سے خم کر دیتی ہے۔ اور کبھی گم بھی ہو جاتی ہے مثال کے لئے کسی شاعر کا ایک شعر کفایت کرتا ہے ؎

تا کے از عکسِ تو آئینہ گلستاں گردد   سوئے عاشق نگہے تا ہمہ تن جاں گردد

اس شعر کے سمجھنے کے لئے پہلے ان باتوں کو ذہن میں مجتمع کر لیجئے۔ معشوق کا قد سرو شمشاد ہے، آنکھیں نرگس کے پھول ہیں، رخسار گلاب شگفتہ ہے، زنخداں سیب ہے، خط سبزہ ہے، زلف تختۂ سنبل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب جو معشوق آئینہ دیکھتا ہے اور اس کا عکس شیشے پر آتا ہے تو گویا آئینہ گلستان ہو جاتا ہے یہ تو پہلے مصرع کا حال ہوا۔ دوسرا تو اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

اسی طرح اس دور میں مضامین کی بنیاد محالات اور دور از قیاس ایہام پر ہے۔ الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہو رہی ہیں حقیقت و واقعیت سے بیگانگی اور بے بنیاد خیالات سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے مثلاً پہلے مے کدہ و آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے اب نشتہ کدہ و مریم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں۔ پہلے یک گلشنِ گل کہتے تھے اب یک آغوشِ گل کہنے لگے۔ اس طرح کی ترکیبیں فیضی اور عرفی نے کثرت سے پیدا کیں مثلاً

مصرع   شکن بروے شکن خم بروے خم چیند

مصرع   موج بر موج شکستم چو بہ عماں رفتم

مصرع   روے بروے حسن کن دست بدستِ نازدہ

اس دور میں عرفی کی قصیدہ خوانی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ غزلیں بھی اس کی باسوز و گداز ہیں لیکن صائب کا کلام پھیکا اور میٹھا ہے۔ اس نے شاعری کیا کی ہے خشک علمی مباحث ردیف و قافیہ میں بیان کئے ہیں۔ یہ دور بھی ختم ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایران میں شاعری

بھی ختم ہوئی۔ اب ہند کی سرزمین میں حافظ وسعدی کا انداز آ گیا تھا۔ لیکن الفاظ ایک ہی طرح میں گردش کرتے کرتے اپاہج ہو گئے تھے کسی طرح کی کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ ہندیوں نے ایرانی انداز کو زندہ رکھا مگر زندگی کے آثار اس میں نہ پیدا کر سکے۔ پھر بھی فارسی شاعری اہل ہند کی ایرانیوں سے زیادہ مرہونِ منت رہی۔ دہلی، بلگرام، پٹنہ وغیرہ میں ایسے باکمال شعرا اُٹھے جن کا کلام اپنے اپنے وقت میں سکۂ رائج الوقت سمجھا گیا۔ مرزا عبدالقادر بیدل، میر غلام علی آزاد بلگرامی اور یادش بخیر خاتم الشعرا غالب دہلوی کیا کچھ احسان فارسی زبان پر نہ کر گئے۔ مدتوں بعد ایران میں قاآنی پیدا ہوا اور اس نے شاعری کی کایا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی۔ وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔ اس نے قصیدے خوب خوب کہے۔ شوکت الفاظ کا بادشاہ ہے۔ بہاریہ مضمون خوب ہی کہتا ہے۔ بہر حال ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند　　تہی خم خانہا کردند و رفتند

فارسی شاعری کی لفظی و معنوی خصوصیات

اس کے بعد کہ نظم فارسی کی آفرینش اور عہد بعہد ترقی و کمال اور پھر اس کے زوال کی تاریخ معلوم ہو چکی اب ایک اجمالی نظر اُن خصوصیات پر ڈالنی چاہیے جو فارسی شاعری میں باعتبار معانی و الفاظ پائی جاتی ہیں۔ ایران میں شاعری نے جب آنکھیں کھولیں تو اس وقت عرب کی شاعری بالکل متبدل و متغیر ہو چکی تھی اس کی یہ وجہ تھی کہ مقدس اسلام جب سرزمین عرب پر بارانِ رحمت ہو کر برسا تو کلام مجید کی فصاحت و بلاغت شیرینی و لطافت دل آویزی و روح پروری کے سیلاب نے شاعری کو

خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر لبید بن ربیعۃ العامری جو سبعہ سیارگان معلقات میں مثل آفتاب کے درخشاں ہے مشرف باسلام ہو کر نظم قرآنی کا ایسا دالہ و شیفتہ ہوا کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب کہ اُس شاعر غرا کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کچھ تازہ کلام اپنا بھیجو تو اُس نے جواب دیا کہ جاہلیت کے رزمیہ و بزمیہ ہر طرح کے کلام موجود ہیں جس قدر آپ فرمائیں بھیجدوں لیکن اب کہ قرآن میرے سامنے ہے اس کے آگے تمام شاعری عرب کی بے مزہ اور پھیکی ہے۔ اُس کی تلاوت میں وہ حلاوت ہے کہ شعر گوئی سے طبیعت سیر ہے۔ اس واقعہ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کی برکتوں نے حکمت نظریہ و عملیہ کی طرف عربوں کو ایسا مصروف کر لیا کہ شاعری کے بازار سرد ہو گئے لیکن بوقت ضرورت جب کوئی کچھ کہتا تو اُس میں وہی عربی شان ہوتی۔ بنو اُمیہ کے عہد میں خلافت نے صورت سلطنت کی اختیار کی۔ اس کا بہت ہی بُرا اثر ملک اور اہل ملک کے جذبات پر پڑا لیکن پھر بھی سلف کا ایک دھندلا سا نشان ہنوز باقی تھا۔ مگر جب کہ خلفاے عباسیہ کا دورہ آیا اور ان کے عہد میں عجمی معاشرت اور اہل عجم کی ہمہ گیری تمام دربار پر چھا گئی مسلمانوں کا امیر عجمی سلاطین کے نقش قدم پر گام فرسا ہونے لگا تو پھر اُس وقت شاعر شاعر نہ رہا۔ بلکہ بھانٹ بن گیا اور یہی وہ عرب تھے جو اہل ایران کو شاعری کا سبق دیتے تھے۔

جوہر ذاتی کا فقدان | فارسی شاعری جب اپنے قدموں پر کھڑے ہونیکے قابل ہوئی تو اُس نے نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو اپنے ہی عجمی اخلاق و سیرت کو عربی لباس پہنے ہوئے نظموں میں

سے چلتے پھرتے پایا۔ اساتذہ کو اُنہوں نے دولت و سلطنت قوت و طاقت کے آگے شرافت انسانی و کرامتِ ذاتی کو نہایت فیاضی سے نثار کرتے ہوئے پایا۔ پھر اہل ایران تو صدیوں سے محکوم رہکر فضائلِ انسانی کو نہایت بے جگری سے تصدق کرنے کے عادی ہی ہورہے تھے اور اس میں ان کی مشق پشتہا پشت سے بڑھی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے سلاطین و اُمرا کی شان میں قصیدے کہے اور بے ضغطۂ زبان جو چاہا وہ کہہ گزرے اور جس حد تک قوتِ بشری نے اُن کی یاوری کی قصائد میں اپنی پستی و تذلل کا اظہار کیا۔ اس لئے فارسی شاعری میں جوہر ذاتی کا بیان آپکو خال خال بھی نہ ملے گا۔ کوئی نظم ایسی نہوگی جس نے ملک کے حق میں یا قوم کے حق میں شریف و باوقار انقلاب پیدا کیا ہو۔ کسی شاعر کا کلام باوجود جستجو کے بھی ایسا نظر سے نہیں گزرے گا جس سے خودداری غیرت حمیت اور انس زندگی کے صحیح آثار پائے جائیں۔ غرض کہ عربی شاعری کی وہ خصوصیات معنوی جو اوپر گزر چکیں اُس کا نام و نشان بھی ایران کی شاعری میں نہیں۔ درحق تو یوں ہے کہ ہو بھی کیوں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ محکوم و مفتوح قوم اپنے لئے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے وجود اور کمال کا صرف یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ وہ سلطنت اور اُس کے ارکان و اعیان کی گردشِ چشم و ابرو کو دیکھا کرے۔ اُس کو اپنی ذات سے نہ کسی سے جنگ ہے نہ صلح اُس کے کمالاتِ اکتسابیہ نہ ملک کے لئے ہیں نہ قوم کے لئے۔ بادشاہ کا حکم اس کو میدانِ قتال میں پہنچاتا ہے اور اُس کا قہر و غضب اُسے شجیع و بہادر بناتا ہے۔ پھر اُسی کا حکم اُس کو صلح پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال کا تعدیہ اور نفع اُسی جگہ اور اُسی مقدار میں پہنچتا ہے جس قدر

اور جس جگہ منشا سلطانی ہو پس ایران کی شاعری اگر ایسے مضامین عالیہ سے خالی وعاری رہی تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔ صدیوں کی مسلسل محکومیت اسی کی مقتضی تھی کہ اُن کی زبانیں ثنائے ملوک و اہل دول و ارباب سطوت کے لئے وقف ہوں حکومت کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ اپنے نفس کو ذلت و پستی میں دیکھکر خوش ہوں۔

(۱) پند و موعظت

ایرانی شاعری کی خصوصیات ایجابی

ہاں بعض مضامین فارسی میں ایسے بھی ہیں جن سے نظم عربی کا سلک خالی ہے۔ اور یہی فارسی نظم کی ایجابی خصوصیت ہے اور بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اور وہ تاریخ، موعظت و اخلاق اور صوفیانہ کلام ہے۔ فارسی شعرا میں کثرت سے ایسے باکمال آپکو ملیں گے جنہوں نے اپنی شاعری کی قوت انھیں مواعظ حسنہ پر خرچ کی۔ اور ان پاکیزہ مضامین کو کچھ ایسے اخلاص اور درد بھری آواز سے کہہ گئے ہیں کہ نفوسِ قدسیہ اُس کو پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ نظم میں تاریخیں لکھ گئے جن سے واقعات اور اُس کے ساتھ بہت سے جزئیات معاشرت تمدن و طرز جنگ کے متعلق حیاتِ جاوید پا گئے۔ ایسے مضامین کا بیان مثنوی کا مقتضے تھا اور یہ صنف عرب کی شاعری میں نہ تھی۔ اس لئے عربی شاعری ایسے مضامین سے محروم رہی۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے کلام پاک کے مجموعے یا ابن الفارض و محی الدین عربی و ابن الوردی کے کلام سے ہم ناآشنا نہیں۔ لیکن فیما نحن فیہ سے اُس کا کیا علاقہ۔

قصائد عربیہ بہت کچھ وضع لباس معاشرت ملکی جغرافیہ صلح وجنگ پر روشنی ڈالتے

ہیں مگر تاریخ کا منصب اُنھیں کسی طرح نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو۔ لیکن یہ کہنا کہ مثنوی کی ایجاد اہل ایران کی خصوصیات میں سے ہی ایک امر واقعی کا اظہار ہو گا۔

(۲) غزل

دوسری خصوصیت نظم فارسی کی غزل سرائی ہے۔ اس کے ایجاد و ایزاد کا سہرہ بھی اہل فارس ہی کے سر بندھا۔ عربی زبان میں غزل تو اُس راز و نیاز کی گفتگو کو کہتے ہیں جو خود عورتوں سے کی جائے یا اُن کے متعلق کی جائے لیکن فارسی میں نظم کی ایک صنفِ مستقل کا نام ہے جس میں واقعات و کیفیات و جذبات عشق و عاشقی کو سوز و گداز سے بیان کرتے ہیں۔ عربی میں قصائد کی تشبیب و نسیب کو چاہے غزل کہدیا جائے لیکن حق تو یوں ہے کہ وہ غزل نہیں ہے۔ یہ اہل ایران کی ایجاد ہے۔ اور وہی اس کو کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کو غزل میں لاتے ہیں اور اہل دل صوفی اپنی واردات قلبیہ کو اسی عشق و حسن وصل و فراق کے استعارے میں کہہ گزرتا ہے۔ عارف کو اُن اشعار سے راہ ملجاتی ہے اور نا آشنا خط و خال میں اُلجھ کر اُس سے بے خبر رہ جاتا ہے۔ سچ فرمایا مولنا روم علیہ الرحمہ نے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

مدارج محل محبت مختلف ممالک میں | یوں تو عشق کی عالمگیری و ہمہ گیری ظاہر ہی ہے۔ لیکن اس نے جو وسعت کہ ایران میں آکر پائی وہ اسے کسی دیار میں نصیب نہ ہوئی۔ ہند کی سرزمین میں عورت مرد پر عاشق ہے۔ اور اکثر وہ مرد اُس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ اس سرزمین کا خاصہ

ہے کہ عورت میں وفاداری واطاعت شعاری بے انتہا ہو جب تک شوہر زندہ ہے اُس کی راحت و خدمت میں وقف ہے۔ جب وہ مرا تو اُس کے ساتھ جل کر اپنی وفا و عشق کا ثبوت دیا۔ پس یہاں کی شاعری میں قبل اسلام جو عورت مرد پر عاشق ہوتی ہے وہ یہاں کی عورت و مرد کے تعلقات اور اس کے لوازم کی روشن برہان ہے۔

عرب میں مرد عورت پر عاشق ہے جو بالکل فطرتی و خلقی ہے لیکن ایران کا عشق فطرت پر کب قناعت کرنے والا تھا یہاں اُس نے یہ سب مراحل و منازل طے کرتے ہوئے مرد کو مرد پر عاشق کیا اور اس طرح عشق و لوازمات عشق کے لئے گوناگوں رنگینیاں پیدا ہوئیں جن کا قبل میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر کیا تھا ؎

یہ عشق کی بیباکی سب تجھکو سکھا دیگی　　　اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

کمالِ عشق تو یہ ہے کہ لڑکا ابھی مکتب میں ہے حرف شناسی بھی اُسے نہیں آتی لیکن عشاق ہیں کہ پروانوں کی طرح گرے پڑتے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو ؎

تعلیم جفا کردہ و فا ہیچ نیاموخت　　　زین درسِ غلط بحث براوستادِ تو دارم

دوسرا شعر ؎

بمکتب میرود طفلِ پری زاد　　　مبارک باد مرگِ نو باُستاد

اب معشوق کے عہد طفلی سے متعلق انواع و اقسام کے مضامین پیدا ہو گئے۔

خدا خدا کر کے وہ لڑکا جسے شعور سے پہلے معشوق بننا پڑا تھا اور علم شروع کرنے سے بہت قبل اُسے سند معشوقیت بارگاہِ عشاق سے دی گئی تھی جوان ہوتا ہے۔ مسیں بھیگتی ہیں

خط نمودار ہوتا ہی اُس وقت عشاق آتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کہتے ہیں

گفتم ز غمت وا رہم از سبزہ دمیدن — دردا کہ ز خط حسن رخت گشت دو بالا

دیگر

حسنِ سبزِ بخطِ سبز مرا کرد اسیر — دام ہم رنگ زمیں بود گرفتار شدم

خط و سبزہ کے مضامین

اسی خط اور سبزہ سے شعرانے گوناگوں مضامین پیدا کئے۔ عرب غریب ان باتوں کو کیا جانے یہ تو خصوصیات ایران ہیں۔ اب اس سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو بچہ بدو شعور سے پہلے معشوق بنا ہوا ور جوانی تک معشوق رہا ہو وہ جب عاشق بن کر شعر و سخن کے میدان میں اُترے گا تو بالیقین اُس کے کلام میں نزاکت و لطافت اور ایک طرح کی لچک و شیرینی ہوگی۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ایک غزل کی آرایش ہوتی ہی یہ ظاہر ہی کہ ایسے شاعر کے منہ سے جو بات نکلے گی وہ نازک و لطیف ہی بن کر نکلے گی عشق اور اُس کے معاملات و واقعات کو اس سے بہتر کون جان سکتا ہی مصرع

باشیر اندروں شد باجاں بدر برآید

انہا اکبر من نفعہا

یوں تو عاشق و معشوق کے ناز و نیاز کو ہر دل جانتا ہی۔ مگر اس جاننے اور اُس جاننے میں آسمان و زمین کا فرق ہی۔ یہاں خود حدیثے نقد حال ماست آں کا قصہ ہی وہاں دوسروں کی سُنی سُنائی باتوں پر اکتفا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کی ایجاد اور وقوعہ گوئی کی ایزادنے فارسی شاعری میں چار چاند لگا دیے زبان سے الفاظ کیا نکلتے ہیں فصاحتِ شیراز کا شیرہ بہتا ہی۔ شہد و شیر کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہی۔ لطیف سے لطیف تر محاورات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن دستوا انصاف شرط ہی۔ اسی شاعری د

عشقبازی نے اخلاق کا آخریں خاتمہ کر دیا۔ بوالہوسوں کی آتش ہوس اس سے بھڑک اُٹھی تمام دفاتر اخلاق و موعظت کی کتابوں میں یادرس میں رہ گئے۔ رفتہ رفتہ عملی زندگی پر تو اُسی شاعری کا قبضہ ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ ملک کی بے رونقی علم کا فقدان تمدن کا فنا ہونا لازمی تھا۔ وہ ایران کے لئے نوشتۂ تقدیر ہو کر اسی شاعری کی بدولت سامنے آیا۔ خیر یہ ایک اور ہی بحث ہے جس کا یہ محل نہیں۔

رقیب رقابت کے مضامین

یہاں تو یہ بیان کرنا ہے کہ عشق کے لئے سرزمین ایران کی آب و ہوا بہت ہی موافق آئی اگر مرد مرد پر عاشق نہوتے تو یہ مضامین کہاں سے شعر کی صورت میں آج دکھائی دیتے۔ شعرا کو مردوں کے معشوق ہونے سے ایک رقیب ملا۔ عربی میں رقیب کے معنی نگہبان کے ہیں۔ خیام و اہل خیام کی محافظت پر جو مقرر ہوتے اُنھیں رقیب کہتے تھے۔ لیکن فارسی میں اس کا استعمال جن معنوں میں ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس تبدیل معنی نے آفرینش مضامین کے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ رقیب رقابت سے ایسے ایسے تخیل پیدا ہوئے کہ اُن کی داد نہیں دی جاسکتی۔ فارسی اشعار کے مطالعہ کرنے والوں سے اُس کا لطف مخفی نہیں۔ عرب جاہلیت کی شاعری اس وسیع مضمون سے بھی خالی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وہ چند اشعار خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں جو اس نے قاصد کو مخاطب بنا کر کہے ہیں۔ لیکن اہل ایران کے اشعار سے اُن اشعار کو کیا نسبت مرد معشوق ہے بازاروں میں نکلے گا۔ محفل و مجلس میں پہنچے گا مجامع میں اُس کا گزر ہوگا پھر رقیبوں کی کثرت ہوگی اور رقابت میں تنوعات ہونگے۔ وہاں یعنی عرب میں باوجود

آمیزش ایران بہت جدت کی تو قاصد کی قسمت پر رشک آ گیا۔ مامون الرشید کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

بَعَثْتُكَ مُشْتَاقاً فَفُزْتَ بِنَظْرَةٍ ۔۔۔ وَاَغْفَلْتَنِي حَتّٰى اَسَاْتُ بِكَ الظَّنَّا

(میں نے تجھے کس اشتیاق سے قاصد بنا کر بھیجا پس تیری نظریں تو اس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوگئیں اور میری جانب سے تو ایسا غافل ہوگیا کہ اپنے بارے میں تو نے میرا خیال برا کر دیا)

وَنَاجَيْتَ مَنْ اَهْوٰى وَكُنْتَ مُقَرَّباً ۔۔۔ فَيَالَيْتَ شِعْرِي عَنْ دُنُوِّكَ مَا اَغْنٰى

(تو نے اس سے سرگوشیاں کیں جسے دل چاہتا ہے اور اس سے نزدیکی حاصل کی۔ اے کاش تیری اس نزدیکی کی مجھے خبر ہوتی اور میں اس سے بے پروا نہ ہوتا)

وَرَدَّدْتَ طَرْفاً فِي مَحَاسِنِ وَجْهِهَا ۔۔۔ وَمَتَّعْتَ بِاسْتِمَاعِ نَغْمَتِهَا اُذْناً

(تو نے بار بار اپنی نگاہ اس کے چہرے کی خوبصورتیوں کی طرف ڈالی اور تو نے اپنے کان کو اس کے خوش آیند نغمات سے لذت گیر بنایا)

اَرٰى اَثَراً مِنْهَا بِعَيْنَيْكَ لَمْ يَكُنْ ۔۔۔ لَقَدْ سَرَقَتْ عَيْنَاكَ مِنْ وَجْهِهَا حُسْناً

(تیری آنکھوں میں ایسی علامت میں دیکھتا ہوں جو پیشتر نہ تھی البتہ تیری آنکھوں نے اس کے زیبا چہرے سے حسن چرایا ہے)

خلاصہ یہ کہ عرب کی شاعری جب مٹ گئی اور عجم کی تقلید اس میں آ گئی اس وقت بھی عشق کو وہ رتبہ نہ ملا جو اسے ایران میں حاصل تھا۔ یہ ایرانی ہی شاعر میں کمال ہے کہ وہ اداے معشوقانہ کو بیان کرتا ہے بیان کرتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے تو ضیق بیان کو اس طرز میں کھہ جاتا

ہی کہ ہزاروں وسعتِ بیان اُس پر قربان ہیں مثلاً ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست　　بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اب ہم بھی اس بیان سے تھک گئے ؎

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش　　حسن این قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

(۲) باغ و راغ

اب مضمون کی دوسری قسم لیجئے جسے خصوصیت ملکی نے اہل ایران کے ساتھ مخصوص کردیا ہی وہ باغ و بہار کا مضمون ہی۔ ایران کا خطہ ہرا بھرا لہلہاتا مہکتا چمن ہی۔ بہار کا موسم وہاں عجب مستی و حسن و جمال کے ساتھ آتا ہی۔ اس وقت وہاں کا ایک ایک چپہ سو سو چمن پر خندہ زن ہوتا ہی دلوں پر موسم کی کیفیت سے سرور و مستی چھا جاتی ہی۔ خوشنوا چڑیوں کا چہچہانا بلبل کا چہکنا درختوں کا سرسبز و شاداب ہونا اور پھولوں کی شگفتگی پھر اُن کی شامہ نواز لپٹ صل و جل اُس وقت اُن کی تازگی و رنگا رنگی سے دلوں میں سُرور دماغ میں راحت آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہی۔ ایرانی شاعر اپنے گرد و پیش باغ جناں کا نقشہ دیکھتا ہی۔ اپنے ملک اپنے وطن کو جب ایک عروس زیبا کی طرح بنا سنورا پاتا ہی تو بے اختیار مست و سرشار ہوجاتا ہی۔ پھر اسی کیف میں جو اُن چیزوں کا بیان شروع کرتا ہی تو اس قوت و قدرت سے الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہی کہ سننے والا بھی تھوڑی دیر کے لئے مدہوش و بے ہوش ہوجاتا ہی۔

عرب ریگستانی و کوہستانی ملک کے رہنے والے باغ و بہار کا نام و نشان تک نہیں جانتے۔ اس لئے وہاں آپ نہ تو سنبل سونگھیں گے، نہ نرگس کی مستی دیکھیں گے نہ لالہ کا ساغر آپ کو ملے گا۔ چوں کہ اُن کا جزیرہ نما ملک ان چیزوں کے پیش کرنے سے قاصر ہے اس لئے عربی شاعری میں نہ تو ان چیزوں کا بیان ہے نہ ان سے تشبیہ اور استعارے کا نشان۔ بہاریہ مضمون ایران کا حصہ ہے۔

بہار کا نمونہ خزاں میں

اس دور آخر میں جب کہ ایران ایران نہ رہا، نہ ملک کی طرف توجہ رہی نہ اس کی آبادی و شادابی کا خیال رہا سلطنت غافل اہل ملک کاہل [illegible] اس پر بھی قاآنی نے جو بہاریہ قصائد لکھے ہیں اُس سے سمجھنا چاہیئے کہ ایران جب زندہ ہوگا تو شعرا کیسے کیسے مضامین کا چمن کھلاتے ہونگے۔ ہم چند شعر قاآنی کے محض لطفِ ناظرین کی غرض سے پیش کرتے ہیں ؎

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید | بہ ساعت خروشِ مرغِ زار از مرغزار آید
تو گوئی ارغنوں بستند بر ہر شاخ و ہر برگے | زبس بانگ تدرو و صلصل و دراج سار آید
بجوشد مغزِ جاں چوں بوئے گل از گلستاں خیزد | بپرد مرغ دل چوں بانگِ مرغ از شاخسار آید
یکے گیرد بکف لالہ کہ ترکیبِ قدح دارد | یکے بر گل کند تحسیں کز و بوئے نگار آید
یکے با دلبرِ سادہ بطرفِ بوستاں گردد | یکے با ساغرِ بادہ بطرفِ جوئبار آید
یکے [illegible] | [illegible]

یکے اینجا گسار دمی یکے آنجا نواز دنے | صدائے ہائے و ہوئے ہی زہر سوئے ہزار آید
زہر سوئے صدائے ارغنون و چنگ و نے خیزد | زہر سوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید
یکے بر لالہ می غلطد، یکے در سبزہ می رقصد | یکے گاہے ر و د از ہوش یک گہ ہوشیار آید
الا یا ساقیا مے دہ بجان من بیا پے دہ | دما دم ہی خورد ہی دہ کہ می ترسم خمار آید

یہ ہیں خصوصیات فارسی شاعری کی جنھیں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اس مختصر تحریر میں بیان کیا اب دو ایک باتیں الفاظ کے متعلق بھی گزارش کر دوں تو یہ تمہید ختم ہو اور آغاز مقصد ہو جائے۔

فارسی الفاظ | فارسی زبان میں لفظ کم ہیں اور مصادر بہت ہی کم۔ اس لیے انھوں نے اپنے الفاظ کی کمی مرکبات سے پوری کی ہے۔ ایک ہی اسم کو مختلف مصادر سے ترکیب دے کر طرح طرح کے دل فریب مطالب یا ایک اسم کو دوسرے سے ملا کر معانی مختلفہ پیدا کیے ہیں۔ مثلاً ان کا ملک رنگین ہے۔ طبیعتیں بھی رنگین پائی ہیں اس پر تعلیم و تمدن نے اور بھی رنگ گہرا کر دیا ہے۔ اب جو بات منہ سے نکلتی ہے رنگین ہو کر نکلتی ہے۔ رنگ انھیں بہت مرغوب و محبوب ہے۔ اس لفظ کو مختلف مصادر سے ترکیب دینگے اور رنگا رنگ معنی پیدا کرتے جائیں گے۔ مثلاً رنگ ریختن، رنگ بردن رنگ برخاستن وغیرہ۔ اسی طرح ان کا ملک سرد ہے۔ گرمی اور آگ انھیں محبوب اور راحت رساں ہیں۔ دو مہینے سرما کے ایسے بسر ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان چرند و پرند کا کہیں نشان تک نہیں ملتا ہے۔ کار و بار بند آمد و رفت مسدود۔ اہل صنعت و حرفت کے پیشے

اُن کے ہاتھوں سے سوا ٹھنڈے۔ اُس وقت یہی آگ انھیں راحت پہنچاتی ہی۔ اور حیات کو
خوشگوار رکھتی ہی۔ اب لفظ آتش کو وہ مختلف اسما سے ترکیب دینگے اور ایسے معانی پیدا
کرینگے جن سے چستی رونق و قدر وغیرہ کے مفہوم سمجھے جائیں مثلاً آتش بیان آتش لبا
آتشِ بے دود وغیرہ۔ اس گرمی کی ضد سردی ہی۔ وہ انھیں نامرغوب ہی۔ تو اس سے جس قدر
مرکب بنائیں گے اُن میں بے رونقی و سستی و کاہلی کا مفہوم ہوگا۔ مثلاً سرد مہر۔ سرد نفس
سرد رو وغیرہ۔ یہ الفاظ کی ترکیب اہل فارس سے مخصوص ہی۔ عربوں کو اس طرح ترکیب دے کر
الفاظ میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اولاً اُن کے پاس اس قدر اکثر الفاظ ہی
جو انھیں ایسی ضرورتوں سے محفوظ رکھتا ہی پھر اُن کی زبان ایک بولتی زبان ہی۔ لفظ
اپنا مفہوم اور فلسفہ اس طرح بیان کرتا ہی کہ آج حیرت ہوتی ہی کہ خداوند وہ بھی آخر بشر ہی تھے
جنھوں نے ایسی زبان وضع کی۔ ثانیاً ایک ہی مادّے کو مختلف ابواب میں لے جاکر عجیب
معانی پیدا کرتے ہیں۔ ثالثاً اسم ظرف و اسم آلہ وغیرہ مشتقات اپنا وسیع دامن رکھتے
ہیں۔ انھیں وجوہ سے عربوں نے دیگر السنہ کو عجم کہا اور سچ کہا۔ عربی الفاظ کی بحث بہت ہی
نادر و لطیف بحث ہی لیکن یہاں جس قدر بیان کرنا ضروری سمجھا گیا اُس قدر عرض کر دیا۔
تفصیل کے لئے دوسری ملاقات چاہئے ؎

مل رہینگے تیرے کوچے میں کبھی ڈال کے ہم ۔۔۔ یہ رہی ہو تو صحبت ہی دل آرا باقی

حضرت امیر خسرو کی شاعری

فارسی شاعری اور اُس کے عروج و نزول کی تاریخی بحث اور اُس کے ہر دَور کی خصوصیات وغیرہ ایک مختصر طریقے پر جب کہ معلوم ہو چکیں تو اب اصل مدعا یعنی امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی چاہیئے۔

خسرو اور انواع کمال

خسرو علیہ الرحمہ کو جو جامعیت کہ مبدءِ فیاض سے عطا ہوئی ہے اس طرح کی شخصیتیں صفحات تاریخ میں بہت ہی کم یاب و نادر ہیں۔ خصوصاً سرزمین ہند کے لئے تو ان کی ذات ایک بے مثل مایۂ ناز و فخر ہے مختلف پہلوؤں سے ان کی ذات باکمالوں کی صف میں صدرنشین پائی جاتی ہے۔

اگر صوفی کی حیثیت سے دیکھو تو فانی فی اللہ۔ ندیم کی حیثیت سے دیکھو تو ارسطوئے زمانہ۔ عالم کی حیثیت سے دیکھو تو متبحر علامہ۔ موسیقی کی حیثیت سے دیکھو تو امام المجتہد۔ مورّخ کی حیثیت سے دیکھو تو بے نظیر محقق۔ شاعر کی حیثیت سے دیکھو تو ملک الشعرا۔ ان کے ہر کمال کا دامن نہایت وسیع ہے اور اپنے بیان میں نہایت طوالت پذیر۔ سچ ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(قدرت خداوندی سے کیا بعید ہے اگر وہ ایک عالم ایک ہی شخص میں جمع کردے)

اب ہر حیثیت اور کمال کے ہر پہلو سے بحث تو ان کے سوانح نگار کا فرض ہوگا۔ مجھے تو صرف ان کے ایک کمال یعنی شاعری کا ایک ایسا نمونہ پیش کردینا ہے جس سے خسرو علیہ الرحمۃ

کی خسروی تمام صنائعِ نظم پر من وجہ ظاہر ہوجائے۔

ارباب فن نے کلام منظوم کی جو قسمیں کی ہیں ان میں پانچ قسمیں اصل ہیں۔ غزل، قصیدہ مثنوی، رباعی اور قطعہ پھر ان میں بھی باعتبار مضامین تنوعات گوناگوں پائے جاتے ہیں۔ جن کا بیان اپنے اپنے موقع پر آیندہ آئے گا لیکن ناصحانہ، حکیمانہ، عشقیہ، رزمیہ اخلاقی جذبات کی مصوری اور مناظر کی نقاشی یہ وہ اقسام ہیں جہاں شاعر کی طبیعت کا اصل جوہر کھلتا ہے۔

کلام خسرو اور ہر دور کے محاسن

خسرو علیہ الرحمتہ میں یہ کمال ہے کہ نظم کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس میں ان کے قلم کی روانی دریا کی موجوں کی طرح لہریں نہ مارتی ہو۔ اگرچہ ان کا وجود دورِ ثالث کے شعرا میں پایا جاتا ہے لیکن ان کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر دور کے محاسن ان کے کلام میں موجود ہیں۔ سادگی سنگینی بےتواری جو دورِ اول کی ممتاز خصوصیت ہے ان کے کلام میں بکثرت اس کے نمونے پاؤ گے رنگینی لطافت اور ملائمت جو دورِ ثانی کا کمالِ ہنر ہے اس آرایش سے بھی کلام خسرو بہ تمام و کمال مزین و مرصع ہے۔ ہر طرح کے اساس مضامین فراوانی و اکثار کے ساتھ خزانۂ خسروی میں پائے جاتے ہیں۔

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ خسرو کا دور ایسے زمانے میں آتا ہے جب کہ نظم پوری آرایش سے آراستہ و پیراستہ ہوچکی ہے۔ اسلاف نے ہر طرح کے مضامین کا احاطہ کرلیا ہے زبان بھی

صنائع و بدائع سے مرصع ہوچکی ہی۔ شاعری کی بحث میں ابھی تم پڑھ چکے ہو کہ معانی کی کمی
فردوسی نے پوری کردی۔ الفاظ میں تراش وخراش اور رنگینی دَورِ ثانی کے شعرا کر چکے
اب اس تیسرے دَور کے لئے کیا رہ جاتا ہی۔ بقول خود امیر خسرو ؎

در مغل وصالت دریا کشند مستاں — چوں دورِ خسرو آمد مے در سبو نماند

باوجود اس تنگی وکشاکش کے یہ صرف خسرو ہی کا کمال ہی کہ نہایت قادر الکلامی سے
ایسا سدا بہار چمن کھلا گئے جس کے پھول آج تک نہ کملائے اور اس کی شامہ نواز
لپٹ عطر مجموعے کی طرح گوناگوں خوشبو سے اربابِ ذوق کے دماغ کو معطر
کرتی رہی۔

خسرو شاعر گر تھے

اگر خسرو علیہ الرحمہ کی صرف شاعرانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بحث و نقد
کا سلسلہ چھیڑا جائے تو اچھی ضخیم اور پُر مغز و مفید کتاب طیار ہوسکتی ہی اس لئے کہ کل انواع
شاعری پر صرف انھیں کا قلم ہی جس نے حسن و لطافت زور و توسع کے ساتھ سیر کی ہی۔ ان کی
اسی ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے ایک سخن شناس جب ان کے مجموعۂ کلام کا امعان نظر سے
مطالعہ کرتا ہی تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہی کہ خسرو صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ شاعر گر۔ گو یہ
اپنی تصانیف کے ہر پڑھنے والے کو شاعر نہ بناتے ہوں تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو
شخص فطرتاً شاعری کا مادہ رکھتا ہی اس کے اس مادے میں یہ ایک تحریک سی ضرور
پیدا کر [illegible] موجود ہی اور طرح طرح

کے اسلوب سے بیان ہوئی ہی اس لئے جس کی طبیعت جس سے مناسبت رکھتی ہوگی اُس میں ایک جنبش کا پیدا ہوجانا ایک لازمی امر ہی اس حساب سے ان کو شاعر کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا ؎

فیض پُہنچاتا ہی ہر اسلیم کو اُس کا قلم　　　نفع بخشِ خلق ہی جو کچھ کیا اُس نے رقم

اب ہم بعض نمونے کلام خسروی کے نمونتہً پیش کرتے ہیں تاکہ اس اجمال کی تفصیل ہوجائے اگرچہ ان کا سارا کلام بجائے خود نمونہ ہی جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھ لو، کچھ انتخاب کرنے کی حاجت نہیں لیکن چوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کی سہولت اور خسرو کی شاعری سے اُس کی ایک عام واقفیت مقصود ہی اس لئے جا بجا سے مختلف نمونے لے کر یکجا جمع کر دیے جاتے ہیں۔

کلام خسرو کا ناصحانہ پہلو

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہی کہ نصیحت گری بادی النظر میں جس قدر سہل و آسان معلوم ہوتی ہی فی الحقیقت اُسی قدر اہم و معرکتہ الآرا ہی۔ ناصح اگر ان نکات سے آگاہ نہیں ہی جس سے نصیحت کی تلخی و ناگواری دُور ہو کر گوارا بلکہ خوش گوار ہوجاتی ہی تو ہمیشہ اُس کی نصیحت مقبولیت سے محروم رہیگی بلکہ بعض اوقات اُس کا سننا بھی گراں گزرے گا۔

خسرو علیہ الرحمہ کے ناصحانہ اشعار میں قطع نظر شاعرانہ صنائع بدائع کے یہ بھی بڑا کمال ہی کہ ہر نصیحت ایسی دل گیر و دل پذیر طرز میں پیش کرتے ہیں کہ بے اختیار دل لبیک کہہ اُٹھتا

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکیمانہ آنکھ سے ہر جزوِ عالم پر نظر رکھتے ہیں اور ہر ڈھیپ سنکتے کا تُتا اثر لیتے ہیں ان کی طبع رسا عجائب عجائب باتیں گھڑتی رہتی ہے۔ یہ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں سے بھی اخلاقی سبق لیتے ہیں اور پھر ان کو نہایت قبول صورت میں اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ تعلیم اخلاق کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا اور پند و نصائح کا دروازہ اُن کے ہاں برابر کھلا رہتا ہے۔ قدم قدم پر پند و نصائح کے موتی رولتے جاتے اور سلکِ نظم میں اُسے پروتے جاتے ہیں۔

مثال اوّل تواضع و خاکساری

مثلاً اُنھیں یہ کہنا ہے کہ انسان کو فرائضِ انسانیت سے غفلت نہ چاہیے باوجود بے شمار دولت کے بھی متواضع و خاکسار ہی رہنا زیورِ انسانیت ہے کام وہی کرنا چاہیے جس میں صلاح و فلاح ہو۔ ان مضامین کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

سرمایۂ مردمی مکن کم | کز مردمی ست نوہ مردم
گرچہ زرت از عدد بود بیش | درویش نواز باش درویش
در ہرچہ ترا اشمار باشد | آن کن کہ صلاحِ کار باشد
بینائیِ عقل پیش می دار | بینا شو و پاسِ خویش میدار

مثال دوم ہنر کی رغبت و کاہلی کی برائی

یا مثلاً اُنھیں ہنر کی طرف مائل کرنا ہے تو اعضا عملیہ کو بے کار و معطل رکھنے سے منع کرنا ہے تو اُس کو اس طرح کہتے ہیں ؎

آں کو بہ ہنر نہ شد طلب کار | چوں بے ہنراں بود قفا خوار
آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش | کاہل ترا ز دست آرز دیش

جاں کن کہ غرض بہ جنگ یابی — کاں کن کہ گہر بہ سنگ یابی

زاندیشہ دقیقہ نغز خیزد — وز بیختن آرد مغز ریزد

یک شاخ کہ میوہ دہد تر — بہتر ز ہزار باغِ بے بر

مثال سوم۔ بلندی ہمت و پستی حرص

یا مثلاً انہیں ہمت کی بلندی اور حرص و پست ہمتی کی مذمت مقصود ہی تو اُسے اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

ہیچ کسے رہ سوئے بالا نیافت — تا قدم از ہمتِ والا نیافت

پرِّ دل سوئے بلندی کشد — پستیِ ہمت بہ نژندی کشد

تشنگیِ آب رود ز آب جو — تشنگیِ چشم برد آبرو

دیکھو یہ پیش پا افتادہ مضامین ہیں۔ شعرائے سلف انہیں طرح طرح سے بیان بھی کر چکے ہیں پھر اب اس انداز سے بیان کرنا کہ طبائع متوجہ ہوجائیں اور سامع اسے فرسودہ سمجھ کر غفلت نہ کرنے پائے بیان کا کمال نہیں ہی تو کیا ہی؟ ہر شخص جانتا ہی کہ کاہلی اچھی چیز نہیں مگر خسرو نے جس شان سے اس کی برائی دکھائی ہی وہ ایک بے نظیر فلسفہ ہی ؎

آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش — کاہل تر از دست آرزو ویش

یعنی قوائے عالیہ کے تعطل کا اثر جذبات پر پڑتا ہی انسان جب سست و کاہل ہوجاتا ہی تو یہی نہیں کہ کام نہیں کرتا ہی بلکہ آرزو و تمنا حوصلے و ولولے یہ سب فنا ہو جاتے ہیں نہ دل میں اُمنگ باقی رہتی ہی نہ حوصلہ۔ جس قدر اس شعر پر زیادہ غور کیا جائے

اُسی قدر اُس کا لطف زیادہ آئے گا۔ دیگر مضامین کا بھی یہی حال ہے کہ باتیں وہی معمولی ہیں جنھیں ہر شخص جانتا ہے مگر اُن سے جو نتائج نکالے ہیں یا جو اُن کی مثالیں دی ہیں یا جس انداز سے الفاظ باہم ترکیب و ترتیب دئے ہیں اور بیان کا جو اعجوبہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے ان باتوں نے قدیم خیالات کو ایک نیا جامہ پہنا دیا ہے۔ اور یہی شاعر کا اصل کمال ہے۔

مثال چہارم شرافت انسانی اور ایک جاں نواز نصیحت

دیکھو ایک جگہ اسی بات کو کہ انسان کو منہیات شرعیہ سے بچنا چاہیئے اس کے عبادات و معاملات میں فتور نہ آنا چاہیے کس دردمندی سے سمجھاتے ہیں۔ پہلے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کو جتاتے ہیں عالم علوی سے عالم سفلی تک لی اشیار کو اُس کا خدمت گزار و مطیع ثابت کرتے ہیں پھر اُس دولت کی جو بارگاہ خداوندی سے خاص اُس کے لئے مخصوص ہوئی ہے یاد دلاتے ہیں۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد اب نصیحت کرتے ہیں اور صرف ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر کہہ جاتے ہیں۔ اس مضمون کے اشعار التقاط کرکے یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

اے ز ازل گوہر پاک آمدہ	گوہر تو زیورِ خاک آمدہ
چینہٴ نہ چرخ بسے بجنت خاک	تا تو بروں آمدی اے دُرِّ پاک
آں خلفے تو کہ زر دز نخست	کون بہ مہمانیِ شش روزہ تست
خود ز پدر گرچہ کنوں آمدی	با پدر از جملہ بروں آمدی
دفترِ معنی نہ زبر خواندہٴ	تختہٴ اسمار ز پدر خواندہٴ

عرصۂ عالم بہ مساحت ترا ست	دولتِ عالم بہ خلافت ترا ست
حبلِ ورید تو فگندہ بلند	در شرفِ کنگرۂ اللہ کمند
نورِ تو ہنگامۂ انجم شکست	دستِ تو تسبیحِ ملائک گسست
جانِ جہانِ ہمہ عالم توئی	وانچہ نگنجد بجہاں ہم توئی
توشۂ اقلیمِ تو ہر دو سرائے	تو ملکے تختِ تو شد چار پائے
گنجِ خدا را تو کلید آمدی	نہ ازپے بازیچہ پدید آمدی
چرخ کہ از گوہرِ احسانِ تست	آئینۂ صورتِ رحمانِ تست
آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ چنگ	آہ بہ زار آہ کہ داری بہ زنگ

اشعارِ مذکورۂ بالا میں جو صنائع عجیبہ و تلمیحات لطیفہ ہیں اُس کے بیان کا کہاں موقع۔ شعر و سخن سے اگر کچھ بھی مذاق آشنا ہی تو خود ہی سمجھ لو۔ کرامتِ انسانی کا جو فلسفہ بیان کیا ہی وہ شاعر کے خواص سخن و شناور فن ہونے کی دلیل ہی۔ اس حکیمانہ انداز سے اس بیان کی داد نہایت کی گئی ہو کہ جس کی داد دی نہیں جا سکتی۔ صرف اسی ایک پہلو کو لو کہ جس طرز سے اس نصیحت میں مرصع کاری کی گئی ہی اس سے فلسفہ نفسیات پر نہ صرف دکا کیسا ملکہ ظاہر ہوتا ہی۔ علم فلسفہ نفسیات سے یہ امر مخفی نہیں کہ جب کسی کے ساتھ حقارت آمیز برتاؤ و رسوا کن انداز سے گفتگو کی جاتی ہی تو اُس سے مخاطب میں قطع نظر نفرت کے ایک طرح کی پست ہمتی اور پست ہنی سے شریف جذبات کا فنا اور اُس کے فنا سے کمینہ عادتوں کا نشو و نما شروع ہو جاتا ہی۔

برخلاف اس کے اگر کسی کی عادات رذیل بھی ہوں لیکن جماعت اور اُس کے احباب اگر اُس سے اس طرح ملنا شروع کریں کہ کسی کے انداز میں یہ نہ پایا جائے کہ وہ اُسے رذائل سے آلودہ جانتا ہی اور اخلاقی حیثیت سے اُسے حقیر سمجھتا ہی تو یہ طریقہ اُسے شریف عادات کی طرف مائل کر دے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات بہت ملیں گے جن سے فلسفۂ نفس کے اس اہم مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہی۔ اس مقام پر خسرو علیہ الرحمہ کی اس طرز خاص سے نصیحت گری بھی اسی نکتہ کو مشعر ہی۔

پہلے فرزند آدم کی کرامتوں کا ایسا پُر جلال و جمال مرقع کھینچا ہی کہ بے ساختہ دل اُسے دیکھ کر کھنچ جاتا ہی۔ پھر آخر کے دو شعر عجب کمال کے نمونے ہیں ؎

چرخ کہ از کوہر احسانت ساخت — آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت

آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ چنگ — آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

پہلے شعر کا مدعا یہ ہی کہ حقیقتاً انسان تو وہی ہی جس کے دیکھنے سے غافل کو بھی خدا یاد آجائے انسان کا مجسمہ ایک آئینہ ہی جس میں رحمان کی صورت دکھائی دیتی ہو۔ اب اگر ایسا آئینہ کسی کے پاس ہو اور اُس کی غفلتوں سے وہ زنگ آلود ہو جائے تو یہ کیسی مصیبت عظمیٰ ہی

ع آہ ہزار آہ کہ داری بزنگ

صرف اس ایک مصرع کے زور بیان اور اسلوب ادا کو دیکھو بلاغت و جوش کا ایک اعلیٰ نمونہ ہی۔

مثال پنجم۔ جوہر ذاتی چاہئے نہ آبائی | ایسے ایسے مضامین کو کہ صرف تمنا پستی سے بلندی تک نہیں پہنچا سکتی دوسرے کے بھروسے کام نہیں چلتا استخوان فروشی دوں ہمتی ہی کچھ ایسے دل میں گھر کر جانے والی ادا اور روانی سے بیان کر جاتے ہیں کہ بے خواستہ واہ واہ نکل آتی ہی ؎

پست نہ گردد بہ تمنا بلند | گرچہ بہ انگشت کند پا بلند
تکیہ چہ آری بعصائے کساں | زندہ نشد کس بہ بقائے کساں
چند زباد پدر و جد پری | باد بود ہرچہ نہ از خود بری

خسرو کا تصوف | تصوف کے اہم و معرکۃ الآرا مسائل کو جس صفائی و روانی سے اُنہوں نے نظم میں بیان کیا ہی اُس سے قطع نظر کمال شاعری زور کلام اور حسن ادا کے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس راہ کا منزل شناس کہہ رہا ہی۔

اکثر و بیشتر شعرا نے یہ سمجھا کہ مثل گل و بلبل اور معاملات ناز و نیاز کے مسائل تصوف بھی صرف زبان و بیان چاہتے ہیں حالانکہ بقول سعدی شیرازی ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم | کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

ایسے شعرا جو خود مقامات تصوف کے طے کرنے والے نہیں ہیں صرف الفاظ و مصطلحات صوفیہ لیکر اشعار میں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ اہل دل گروہ اُسے خوب پہچانتا ہی کہ یہ قال ہی حال نہیں۔ مولنا رومی علیہ الرحمہ ایسے ہی شعرا کے متعلق مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

لفظِ درویشاں بدزدد مردِ دوں | تا بخواند بر سلیمے ایں فسوں

خسرو علیہ الرحمہ جہاں کہیں مسائل تصوف بیان کرتے ہیں وہ اُن کی حالت کا آئینہ ہوتا ہے
اُس پر بیان کا ایک خاص زور وضاحت کلام کا ایک لطیف انداز ایسا ہوتا ہے کہ حسن بیان
پر بلاغت، بلاغت پر فصاحت اور فصاحت پر ہزار شیرینی قربان ہے۔

تصوف کا پہلا شعبہ یعنی الہیات

مسائل تصوف میں الہیات کا حصہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ خواجہ فریدالدین عطار، حکیم سنائی، مولانا رومی، نظامی گنجوی ان سے قبل اور سعدی ان کی حیات میں اس طرح ان مسائل کو بیان کر چکے تھے کہ عقل حیران تھی کہ اب ان مسائل کے بیان کا کون سا جدید عنوان ہوگا۔ لیکن خسرو علیہ الرحمہ نے جب انھیں مسائل کو بیان کیا ہے تو معلوم ہوا کہ بیان کا یہ پہلو خسرو کا منتظر تھا۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ انسان جو عالم امکان میں سب سے افضل ہے اور اس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں یہ اگر اس کی کوشش کرے کہ حقیقت الٰہ سے آگاہ ہو جائے تو یہ ناممکن و محال ہے۔ علم ممکن حقیقت واجبہ کا احاطہ تو کہاں کر سکتا ہے وہاں تک اس کی رسائی بھی محال ہے۔ اسی مضمون کو سعدی نے کہا ہے

نہ در کنہ بیچون سبحاں رسید ۔۔۔ تواں در بلاغت بسبحاں رسید

لیکن اب خسرو کو دیکھو کہ کس نئے انداز سے بیان کرتے ہیں ۔

آں من بوم و تو زاں بروںی ۔۔۔ ہر چہ از تو گماں برم بہ چونی

انسان کی عقل جد و جہد کرتی ہے مقدمات ترتیب دیتی ہے۔ حقائق اشیائے سے بحث کرتی ہے صفات و خواص سے آگاہ ہوتی ہے۔ قدم و حدوث کا مسئلہ تحقیق کرتی ہے۔ ان سب مراحل کے بعد ایک نتیجے پر پہنچتی ہے اور چاہتی ہے کہ اُسے حقیقۃ الٰہ قرار دے لیکن جب

اُسے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ساری گردش گردشِ پرکار تھی دائرہ امکان سے ذرّہ برابر بھی قدم آگے نہ بڑھا تو بیساختہ کہہ اُٹھتا ہی سبحان ربک رب العزت عما یصفون ۔ اب اس ایک شعر کو دیکھو چند سادے الفاظ میں کس وضاحت سے آیۃ کریمہ کی معنی خیز تفسیر کی ہی کس طرح دریا کو کوزہ میں بند کیا ہی۔ یہ ہی زورِ کلام اور حسنِ بیان

دوسری مثال اور دوسرا مسئلہ

اس عقیدے کو کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہی اور جو کچھ عالم کون میں ظاہر ہوتا ہی وہی مقتضائے مصلحت ہی۔ وجود و عدم دونوں اُس کے تحت حکم ہیں نیستی و ہستی کوئی بھی حکمت سے خالی نہیں، کس صفائی و روانی سے نظم کا جامہ پہنایا ہی ؎

دانندۂ توئی ہرچہ راز ست　　　سازندۂ توئی ہرچہ ساز ست
از بودنی ہرچہ بود دارد　　　از تو قسم وجود دارد
وانچہ از عدم ست نام او نیز　　　از حکمتِ تست ماندہ ناچیز
بود ہمہ گشتہ از تو موجود　　　حکمِ تو رواں بہ بود و نابود

تیسری مثال اور تیسرا مسئلہ

صرف عقل علّۃ معرفت باری تعالیٰ ہی یا نہیں اس کا یوں جواب دیتے ہیں ؎

لوامع صفتش ہست چشم پوشِ عقول　　　چو آفتاب کہ نورش حجابِ ابصار ست
حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را　　　زہے کمالِ حماقت و ایں چہ گفتار ست

کنہِ باری تعالیٰ تک عرفا کی رسائی ہی یا نہیں اس کا کیسا خوبصورت جواب دیا ہی ؎

بکنہِ حق نرسد عارف ارچہ دانندہ ست — برآسماں نہ پرد جعفر ارچہ طیار ست

چوتھی مثال اور چوتھا مسئلہ اس مسئلہ کو کہ دنیا کی ہر شئے سے معرفتِ حق حاصل ہے یوں بیان کرتے ہیں ؎

ہر صحیفہ برگ ہست زِ حکمتِ او — نوشتہ چوں لقبِ شہ بروے دینار ست

اسی مضمون کا شعر سعدی علیہ الرحمہ کا بھی نہایت مشہور ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

تصوف کا دوسرا شعبہ تصوف میں الٰہیات کے بعد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق سالک کی ذات سے ہوتا ہے۔ مثلاً رضا و تسلیم، ریاضت و مجاہدہ، عشق و محبت، ذکرِ قلب و حیاتِ دل وغیرہ وغیرہ۔ چند نمونے اس شعبہ تصوف کے بھی ملاحظہ ہوں۔

مثال اول انسان کو راضی برضا رہنا چاہیئے اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ ان باتوں کو یوں سمجھاتے ہیں ؎

آنچہ مقدر شدہ ہست چوں نبود بیش و کم — گر برسد خرمیم ور نہ رسد باک نیست

حرص بجا کت کشد شارعِ دیں گیر زانکہ — بے روشِ مصطفٰے راہ بر افلاک نیست

مثال دوم ریاضت کی تصوف میں کتنی ضرورت ہے بغیر مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا قدم قدم پر ایثار و قربانی کرنا چاہیئے۔ اسے عمدہ مثالیں دے کر نہایت خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں ؎

گاہِ وغا در صفِ مردانِ مرد — نام نبرد آں کہ خدنگے نخورد

طبل کہ سوراخ کنندش بہ پوست ‏ ‏ ‏ ‏ بہرِ برون رفتنِ آوازِ اوست

تا نشود خستہ بصد جا دلت ‏ ‏ ‏ ‏ نورِ حقائق نشود حاصلت

چہرۂ سنگ ار نہ کنی گو بگو ‏ ‏ ‏ ‏ دانہ کجا سود شود جو بجو

مثال سوم | دل کیا ہے۔ اس کی کیا قدر ہے۔ اس کی زندگی کیا ہے۔ اس کی موت کیا ہے
ان امور کو جس شاعرانہ پیرایہ میں اور جس محققانہ طریقے سے اُنہوں نے بیان کیا ہے
اُنھیں کا حصہ ہے کہتے ہیں ؎

چوں تنِ آدم بگِل آراستند ‏ ‏ ‏ ‏ خانۂ جاں بہرِ دل آراستند

آدمی آن ست کہ دروے دل ست ‏ ‏ ‏ ‏ ورنہ علف خانۂ آب و گل ست

دل نہ ہماں قطرۂ خون ست و بس ‏ ‏ ‏ ‏ کز خور و آشام برآرد نفس

دل اگر ایں مہرۂ آب و گل ست ‏ ‏ ‏ ‏ خر ہم از اقبالِ تو صاحب دل ست

لیک دل آں شد کہ ہوائے درو ست ‏ ‏ ‏ ‏ وز طرفے بوے وفائے درو ست

زندہ بجاں خود ہمہ حیواں بود ‏ ‏ ‏ ‏ زندہ بدل باش کہ عمر آں بود

زندگیِ دل چہ بود سوز و چاک ‏ ‏ ‏ ‏ زندگیِ کالبدی چیست خاک

غمزدہ بہ جاں کہ غم اندوز نیست ‏ ‏ ‏ ‏ سوختہ بہ دل کہ درو سوز نیست

سردیِ دل مردگیِ دل بود ‏ ‏ ‏ ‏ خوں چو بہ تن سرد شود گل بود

مثال چہارم | عشق کی کیا شان ہے عشاق کی کیا روش ہے۔ عشق کا کیا درجہ ہے ان
باتوں کو اس وجد وکیف میں بیان کرتے ہیں کہ اگر ذرا غور کرو تو دل روحانی سرور سے

یکیف ہو جائے ؎

عشقِ زبانی زہر افسردہ پرس | سوزش آں از دلِ آزردہ پرس
ذوقِ نمک گرچہ زباں را خوش ست | چوں بجراحت فگنی آتش ست
موم بود دل کہ ز عشق ست زار | کو بگدازاد فتد از یک شرار
شعلۂ عشق چو شد خانگی | سوختہ شد عقل بہ پروانگی
زندہ نہ آنست کہ جانے دروست | اوست کہ از عشق نشانے دروست
جاں کہ نہ عشقش بود آں بازی ست | عشق نہ بازی ست کہ جاں بازی ست
چند بری عشق بہ بازی پسر | عشق دگر باشد و بازی دگر
مرد کہ در عشق ز جاں فرد نیست | گر صفِ کافر شکند مرد نیست
چوں تو فغاں از سرِ خارے کنی | بہ کہ جز از عشق شمارے کنی

مثال پنجم | مرد وہی ہے جو مصائب میں گھبرا نہ جائے۔ ابتلا و امتحان کے میدان میں جرأت و استقامت سے مقابلہ کرے اور آخر میں کامیاب ہو کر رہے ؎

مرد نہ ترسد ز فقر شیر نہ ترسد ز زخم | مذہبِ عیار نیست بیمِ عسس داشتن
عذرِ عروساں بود دعوئ مردی و بس | گاہ وغا پیشِ خصم روے بہ پس داشتن

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں ؎

شیر شو و صید را در تہِ چنگال کش | مرد شو و خصم را بر سرِ میداں طلب

تصوف کا تیسرا شعبہ | سب سے وسیع ترین تصوف کا وہ حصہ ہے جس میں عشقیہ روش کی

آمیزش ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد سعدی علیہ الرحمۃ نے ڈالی تھی جس پر ایک قصرِ عالی شان خسرو اقلیم سخن نے تعمیر کر دیا۔

تخیل کا کمال اور کلام میں درد | بیان کی اس صنف میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تخیل بہت ہی بلند پایہ رکھتا ہے۔ اپنے تخیل کو یہ جسمانی جامہ پہنا کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا تخیل تخیل باقی نہیں رہتا بلکہ وہ گوشت و پوست و استخواں سے درست ملکوتی روح پھونکی ہوئی مورتیں ہوتی ہیں۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار دیکھو ؎

مثال اول |
گُل اندر خوابگاہِ نرگس افتد چوں زد بوے ولیکن عشق بازاں را خسک در خوابگاہ افتد
زحیثمت کاروانِ صبرِ من تاراج کافر شد مسلماناں کسے دیدست کاندر شہرراہ افتد

مثال دوم |
فصلِ نوروز کہ آورد طرب برہمہ خلق چشم بد دور مرا موسمِ باراں آورد
ہر سحر باد کہ بر سینۂ من کرد گذر درچمن بوے کباب از پےِ مستاں آورد

انھیں اشعار کو دیکھو تخیل کیسا اعلیٰ ہے اور پھر کلام میں کس طرح درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ دل تڑپ کر رہ جاتا ہے یہ شاعرانہ حیثیت سے بھی اعلیٰ مظہر ملکوتی عالم میں حسن و عشق حقیقی کے خیالات میں محو اور دوسرے نازک تر جذبات و لطائف میں غرق زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے لئے بقول انہیں کے ؎

(یک بلبلِ خوش نوائے و دل کش بہتر ز دو صد کلاغِ ناخوش) ہے۔

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ اوائل میں جب امیر خسرو شعر کہتے تو اس کو اپنے شیخ طریقت حضرت سلطان المشائخ (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کو دکھایا کرتے تھے۔ ایک

روز حضرت نے فرمایا کہ "طرزِ صفاہانیاں بگو یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔ اُسی روز سے خسرو زلف و خال کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تمام ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو گئے اور آج تک اُن کا عاشقانہ کلام مردہ دلوں کے لئے آبِ حیات کا کام کر رہا ہی۔ ثبوت کے لئے ان کے کلام کا دفتر بھرا پڑا ہی۔ جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھو ایک چھوڑ ہزار ثبوت پاؤ گے۔ یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ؎

مثال سوم

برد اے یار پیشِ دیگراں دہ جلوہ بستاں را
مرا بگزار تا می بینم آں سروِ خراماں را
گرفتارِ خیالاتِ لبش گشتم یقیں باشد
اثر ہر کہ مگس در خواب بیند شکرستاں را
مپرس از من کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست کز یادش فرامش کردہ ام جاں را

مثال چہارم

تنِ پاکت کہ زیرِ پیرہن ست — وحدہ لا شریک لہ چہ تن ست
اندر آ۔ در میانِ جاں بنشیں — کہ تو جانی و جانِ من بدن ست
تا زیم در غمِ تو جامہ درم — وز پسِ مرگ نوبتِ کفن ست
دلِ خسرو خوش ست با تنگی — کہ مرا یادگار زاں دہن ست

کلام میں دردآگینی کی وجہ

اس دردآگینی کی وجہ صاف ہی۔ آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ ان کو اہلِ دل گروہ سے واسطہ تھا۔ ناسوت و ملکوت جبروت و لاہوت اور

ان چاروں سے ماورا جو عالم ہیں ان کی سیر سے ان کی چشم بینا بصارت حاصل کئے ہوئے تھی اور انھیں عالموں کی آب و ہوا میں ان کے قوائے باطنی نے پرورش پائی تھی۔ دل خستہ تھا اور آتش عشق سے برشتہ زبان صرف دل کی ترجمان تھی اور بس خسرو دل کی برشتگی و سوختگی کچھ ازل سے ہی لیکر آئے تھے جس کو چشتی نسبت نے اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ اُس پر شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین اولیا سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کی توجہ ظاہری و باطنی جب پڑتی تو اُس آتش کی شعلہ فشانی افسردہ دلوں کو اور بھی جلا کر خاکستر کر دیتی۔

لطائفِ اشرفی، سفینۃ الاولیا، سیر الاولیا، سبع سنابل، نفحات الانس وغیرہ میں خسرو علیہ الرحمہ کے شرر افشاں دل کے متعلق حضرت سلطان المشائخ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:-

ایک بار آپ نے فرمایا کہ "کل قیامت میں جب خداوند عالم پوچھے گا کہ میرے دربار کے لئے کیا تحفہ لائے تو میں خسرو کو پیش کر دونگا" پھر کسی وقت ارشاد ہوا کہ "کل قیامت میں ہر ایک شخص کسی شے پر ناز کریگا اور اے ترک میں تیرے سوزِ سینہ پر ناز کرونگا" اکثر دعا میں یوں فرماتے کہ "الٰہی بسوزِ سینہ ایں ترک مرا ببخش" اور ایں کا اشارہ حضرت خسرو کی طرف فرماتے۔ اللہ اللہ وہ کیا دل تھا اور دولت عشق سے کیسا مالا مال تھا۔

اسی سوز و گداز نے خسرو کو حضرت سلطان المشائخ کا ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ

آپ اکثر فرماتے کہ "اے ترک میں سب سے تنگ آجاتا ہوں یہاں تک کہ کبھی خود اپنے آپ سے بھی تنگ آتا ہوں لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں آتا" کبھی یوں اظہارِ محبت فرماتے کہ "اگر ایک قبر میں دو شخص مدفون ہوسکتے تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا"

حضرت سلطان المشائخ کا یہ شعر ؎

گر برائے ترکِ ترکم آرہ بر تارک نہند ترکِ تارک گیرم و امّا نہ گیرم ترکِ ترک

اسی محبت کو شعر ہے۔ ایک اور آپ کی رباعی کلام خسرو کے مدح میں ہے جس سے ان کے کلام کی مقبولیت معلوم ہوتی ہے وہو ہذا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست

آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

دربارِ شیخ سے خسرو کو ترک اللہ کا لقب عطا ہوا تھا۔ اور اکثر صرف لفظ ترک سے خطاب ہوتا خسرو علیہ الرحمہ کو اس خطاب پر ناز تھا۔ چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

بر زبانت چوں خطابِ بندہ ترک اللہ رفت دستِ ترک اللہ بگیر و ہم باللّٰہش سپار

یہ چند کلماتِ طیبات جو حضرت سلطان المشائخ کے نقل کئے گئے ہیں ان سے مدعا یہ ہے کہ ایک وہ شخص جو فطرتاً آتشِ عشق دل میں دبی رکھتا ہو جب اُسے کامل و مکمل شیخ طریقت ملجائے اور پھر شیخ کی محبت و عنایت اُس پر ایسی ہو کہ مرید کے مرتبے سے مراد کے مرتبے میں پہنچ جائے تو اُس کے مقاماتِ سلوک و تصوّف کا کیا پوچھنا اور اُس کے کلام کی تاثیر کا کیا کہنا۔

تاثیر کلام | اہل دل جو کچھ کہتا ہی اُسے ایک اہل دل ہی سمجھ سکتا ہی۔ تزک جہانگیری و دیگر تذکرہ
مثل داغستانی وغیرہ میں یہ روایت معتبر موجود ہی کہ جہانگیر نے صوفیہ کی دعوت سماع کی
مجلس گرم ہوئی۔ قوال نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے　　　من قبلہ راست کردم برسمتِ کج کلاہے

مولٰنا علی احمد مہرکن نشانی تخلص اُس وقت وجد و رقص میں آئے۔ جہانگیر نے اس شعر کا
مطلب پوچھا مولٰنا اُسی طرح رقص کرتے ہوئے جہانگیر کے سامنے گئے اور فرمایا کہ ہنود
اپنی کسی عید میں عورت مرد سب کے سب جوق درجوق نہایت شان و شوکت سے دریا کنارے
جمع ہو رہے تھے اور بموجب اعتقاد غسل کرکے ثواب حاصل کر رہے تھے حضرت سلطان المشائخ
بھی اُس وقت سیر کرتے ہوئے اُس طرف گزرے۔ اُن کے اس شغف مذہبی و انہماک کو
دیکھ کر آپ نے خسرو علیہ الرحمہ کی طرف جو ہمرکاب تھے اشارہ کرکے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُس وقت ٹوپی حضرت سلطان المشائخ کے سرِ مبارک پر اتفاقاً کج تھی۔ خسرو علیہ الرحمہ نے
فوراً دوسرا مصرع

من قبلہ راست کردم برسمتِ کج کلاہے

عرض کرکے پورا شعر کر دیا۔ مولٰنا علی احمد روایت ختم کرکے چاہتے تھے کہ اپنے سر پر ہاتھ
لے جائیں تاکہ ٹوپی اپنی اُسی طرح کج کرکے جہانگیر کو دکھائیں کہ اس شان سے کلاہ مبارک
حضرت سلطان المشائخ کی کج تھی لیکن ہاتھ کا اُٹھانا تھا کہ وجد کا وہ عالم طاری ہوا کہ یک

نعرہ کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سیر الاولیا جس کے جامع امیر خُرد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اُس میں ایک نقل لکھی ہی کہ ایک دن حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے حضور میں امیر خسرو کے صاحبزادہ نے امیر کی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے کہ ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں زدہ است

حضرت سلطان المشائخ کی روتے روتے یہ حالت ہوئی کہ آپے سے گزر گئے۔

اسی سیر الاولیا میں ایک وقت کی اور نقل لکھی ہی کہ امیر خسرو خود سلطان جی کے حضور میں اپنی ایک غزل پڑھنے لگے جونہیں اُنھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

رخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبیں زیں ذوق مست و بیخبرم کیں سخن چہ بود

حضرت سلطان المشائخ نے گوشۂ چشم سے (کہ چشمۂ محبت تھا) خسرو کی جانب دیکھا اور بیخود ہو گئے۔

الغرض ایسی بہت سی معتبر روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ اہل دل گروہ میں خسرو کا کلام کیا مرتبہ رکھتا ہی۔

خسرو کی غزل سرائی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ غزلیات کے اُن انقلابات و ایجادات کے سبب سے جو سعدی نے شاعری کی اس صنف میں کئے تھے خسرو بہت کچھ سعدی کے مقلد و متبع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ سعدی سے قبل نظم کے لئے بہت سے کام تھے۔ صرف اوقات فرصت میں عشق و عاشقی اور اُس کے لوازم سے تفریح کر لی جاتی تھی اور باقی اوقات دوسرے کاموں کے لئے تھے۔ قدما میں تو غزل کوئی نظم کی قسم ہی نہ تھی۔ تشبیب میں کچھ عاشقانہ مضمون

ادا ہو جاتے تھے۔ آخر دورِ قدما میں غزل نے اپنا مستقل وجود اختیار کیا لیکن اُن غزلوں کا یہ رنگ تھا کہ چمن سے گزرے ایک نگاہ پھولوں کے خوش رنگ تختے پر بھی ڈالی اور بڑھ گئے۔ اچھی صورت سامنے آگئی۔ آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ کبھی کبھی دل میں ایک گدگدی سی ہوگئی اور بس۔ جام وصراحی محفل میں رکھی گئی تو شاعری نے دو ایک گھونٹ سے تبدیلِ ذائقہ کرلیا یہی انداز دوسرے دور تک رہا۔

لیکن تیسرے دور میں نظم محض تفریح کے لئے رہ گئی۔ جوش اور ولولے ٹھنڈے ہوچکے تھے۔ اصل مردی مٹ رہی تھی۔ اس لئے اس دور میں نظم اور کاموں سے فارغ تھی۔ صرف ایک غزل سرائی تھی جس سے بزمِ سخن کی گرمی تھی۔ زبان زیادہ منجھ کر صاف ہوگئی تھی۔ سعدی اسی تیسرے دور کے رنگین بیان شاعر تھے لیکن یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک عالم و ولی کامل بھی تھے۔ اُنھوں نے غزل میں تصوف کی آمیزش کی اور نہایت لطف سے حقائق و واردات قلبیہ کو غزل میں کہنا شروع کیا۔ عشق و حسن کے راز و نیاز اور اُس پر تصوف کی چاشنی پھر زبان کی صفائی و شیرینی۔ کلام میں پختگی و گھلاوٹ ان چیزوں نے سعدی کو غزل کا امام بنا دیا۔

خسرو بھی اسی دور میں مسند شاعری پر جلوہ افروز ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی ناظم یا ناثر کا طرز اہل زمانہ کے مذاق و خیال کے مطابق ہو تو پھر وہی طرز رائج الوقت و عام پسند ہو جاتا ہے اور خواہی نخواہی اُس زمانے کے ناظم یا ناثر کی نظم و تحریر کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بلا آورد ویسی ہی عبارات مضامین و خیالات ہر ایک فن کی جوہر کے

قلم سے نکلنے لگتے ہیں۔ خاصتہً جب کہ اُس ایجاد میں واقعی پاکیزگی اور لطف بیان بھی ہو تو پھر اُس کی ہمہ گیری کا کیا پوچھنا۔

سعدی جن کے عہدِ پیری میں خسرو کی شاعری جوان ہوئی ہے کچھ اس شیرینی و حلاوت سے شیراز میں بیٹھے ہوئے غزل کی نغمہ سرائی کر رہے تھے کہ ان کی اس تازہ روش نے اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ عام مذاق کی پسندیدگی گرویدگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ جو جو انقلاب و ایجاد کہ اس صنف میں اُنھوں نے کئے وہ مثل عناصر کے ضروری مان لئے گئے تھے۔ اور حق تو یوں ہے کہ سعدی کی غزل گوئی اسی کی مستحق تھی اور ہے۔ پس خسرو جیسا صحیح مذاق رکھنے والا خلقی شاعر کیوں اُسے نمونہ نہ بناتا۔ لیکن اسی کے ساتھ جہاں سعدی کی تبعیت ضروری مان لی وہاں اپنے اختراعات و اضافات کا بھی ایک کافی ذخیرہ فارسی داں عالم کے لئے چھوڑ گئے۔

صنف غزل میں خسرو کے اضافے

غزل کی صنف میں کس طرح کے اضافے ہیں جو خاص دماغ خسرو کے مرہون ہیں اُن کی مجمل فہرست یہ ہے۔ بحروں کی موزونی، تشبیہ و محاورات کی جدت، بیان کا عجوبہ اسلوب۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے غزل میں جان پڑ جاتی ہے۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ درد، سوز و گداز، شکستگی و نیاز، عشق کی ہنگامہ آرائی، حسن کی دلکشی و دلربائی، اس طرح عام محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا ہو جس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔ ہاں اسلوب بیان ایسا ہو جس سے دل شگفتہ ہو جائے۔ تشبیہ ایسی لطیف ہو کہ جذبات میں ہلچل پڑ جائے۔ واقعات عشق اس طرح کہے جائیں کہ سننے والے کو بھی عاشق

پر رحم آجائے۔ غزل میں شاعر کا بس یہی کمال ہی۔ اس جگہ چند اشعار لکھے جاتے ہیں تاکہ ہر ایک کی مثال ناظرین کے سامنے ہو۔ مثلاً:

ایک وہ شخص جس کے مسلمہ فضل و کمال نے اُسے محسود خلایق بنا رکھا تھا عاشق ہو کر سب کچھ کھو بیٹھتا ہی اب وہ حاسدوں سے کہتا ہی خوش ہو کہ تمہاری مرادیں پوری ہوئیں دیکھو میں وہی یکتائے زمانہ ہوں لیکن اب نہ فضل مجھ میں رہا نہ کمال۔ اس مضمون کو خسرو اس درد سے ادا کرتے ہیں کہ سُننے والے کا دل بھر آتا ہی ؎

حسد می بردی اے دشمن بعقل و دانش خسرو بیا تا برمراد خاطر خود بینی اکنونش

معشوق جن کو اپنے بناؤ سنوار کے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اُن کے اس استغنا اور خودآرائی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گل چہ داند کہ حال بلبل چیست او ہمیں کار رنگ و بو داند

معشوق سامنے سے گزرتا ہی عاشق کے دل پر ایک بجلی گرتی ہی اب طبیعت پر قابو ہی نہ دل پر اختیار استغاثہ کرتا ہی تو دار القضا و دار الافتا کوئی بھی اس مظلوم کی داد رسی نہیں کرتا اس مضمون کو دیکھو ؎

کافرے رفت و دلم غارت کرد شہر اسلام و مرا داد نہ بود

معشوق کی ہر ہر ادا ہی کہ دل چھینے لیتی ہی۔ عاشق کا ایک دل کس کس کا مقابلہ کرے۔ بھاگنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ آخر گھبرا کر اسی سے تدبیر پوچھتا ہی ؎

لب و دہان و رخت ہر یکے بلائے دل اند یکے دلم چہ کند جانب کدام شود

بخت بیدار معشوق کو عاشق پر مہربان کرتا ہے۔ معشوق حالت پوچھتا ہے۔ عاشق جس کی تباہی و بربادی شرح و بیان سے مستغنی ہے وہ کہے تو کیا کہے۔ اپنا دل جو معشوق کے پیچھے کھو چکا ہے اور اب وہ معشوق کا ہے نہ عاشق کا اُس کا گلہ کیوں کر کرے۔ اُسے معشوق سے کیوں کر مانگے ان پُرکیف معاملات کو دیکھو ؎

دراغمے ست کہ پیدائی توانم کرد | شکایتِ دلِ شیدائی توانم کرد
توحالِ من خود ازیں روے زردمی دریاب | کہ من بروے تو پیدائی توانم کرد
مگر تو خود بکرم باز بخشیم دلِ ریش | کہ من زشرم تقاضائی توانم کرد

عشاق کے آنسو کبھی دریا ہیں اور کبھی سمندر۔ ان کے جوش و طغیانی کا یہ عالم ہے کہ کبھی سکون آنے ہی نہیں پاتا لیکن خسرو نے جس انداز سے اس مضمون کو ادا کیا ہے وہ اپنی جدّت میں آج تک نیا ہے ؎

میروی و گریہ می آید مرا | صبر کن چنداں کہ باراں بگزرد

اس شعر کی جدت و جامعیت قابل لحاظ ہے۔ معشوق جانا چاہتا ہے اس لئے کہ لازمۂ معشوقیت ہی یہ ہے۔ عاشق کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلتے ہیں اب وہ معشوق سے کہتا ہے کہ گو میرے پاس بیٹھنا ناگوار سہی۔ لیکن ذرا صبر کر پانی تھم جائے تو چلے جانا لطف یہ کہ اس پانی کی علت معشوق کا جانا ہی ہے۔ دیکھو صرف ایک چھوٹے سے شعر میں کتنے مضامین ہیں۔ معشوق کے جانے سے جو صدمہ کہ عاشق پر گزرتا ہے اُس کا بیان ہے۔ معشوق کو عاشق کے پاس بیٹھنا جبر ہے جس کے لئے تلقینِ صبر ہے۔ آنسو بارش کی طرح آنکھوں سے

جاری ہیں جب تک یہ بارش نہ تھمے اُس وقت تک کے لئے معشوق سے التماس توقف ہی طول قیام کی آرزو کس لطف سے پیش کی گئی ہی۔ افسوس ہم سطریں کی سطریں لکھ گئے لیکن وہ مزہ کہاں جو خسرو کے ایک شعر میں ہی۔

اسی اشک کے مضمون کو ایک دوسرے شعر میں نظم کرتے ہیں اور ایک عجیب خیال کا اظہار کرتے ہیں ؎

اشکم بروں می افگند رازِ درونِ پردہ را آرے تنکا تنہا بود مہمانِ بیروں کردہ را

شعرا نے معشوق کے قامت کو کیا کیا کچھ نہیں کہا ہی لیکن زرا اندازِ خسرو دیکھنا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس طرح کہتے ہیں ؎

یارب آں بالا مگر از آب حیواں ریختند یا مگر جان کساں بگداختند آں ریختند
شیرہ جانہائے شیریں برکشید ند از نہاں ویں تن شیریں از اں شیرینی جاں ریختند

آتشِ عشق سے سوختہ و برشتہ عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھتا ہی تو اس میں ایک حیاتِ تازہ آجاتی ہی۔ اب وہ اس اثر سے متعجب ہی۔ حیات بخشی کی وجہ پوچھے تو کس سے پوچھے خالقِ عالم کو پکارتا ہی۔ اور پوچھتا ہی کہ تو ہی بتا۔ اس کا خمیر آبِ حیات سے ہی جس کی تاثیر سے مجھ میں جان پڑجاتی ہی یا بہت سی جانوں کو پگھلا کر یہ ایک جسم بنا ہی یا شیریں جانوں کا شیرہ و روح کھینچکر یہ ایک جسم شیریں بنا ہی۔ دیکھو کیسا لطیف و شیریں خیال ہی۔

نظم کے پرکھنے والے اربابِ بصیرت کا یہ فیصلہ ہی کہ بعض بعض اشعار خسرو کے ایسا بلند پایہ رکھتے ہیں کہ ہر شعر ایک دیوان کی قوت رکھتا ہی۔ مثلاً ؎

زلفت ز ہر دو جانب خوں ریز عاشقان ست | چیزے نمی تواں گفت روئے تو در میان ست

رخ خود بپوش ورنہ رقم منجماں را | بحساب ہشتم آخر بشمار خواہی آمد

خلاصہ یہ کہ غزلوں میں ان کا مستانہ وار نعرہ دل ہلا دیتا ہی اور یہاں ان کا تیر بے خطا ثابت ہوتا ہی کہیں کہیں ان کی نمکینی سعدی کی شیرینی پر چشمک زن ہی۔ اپنی تمنا، اپنی مایوسی، اپنا انتظار، اپنی ناکامی، اپنی بیقراری، اپنی پریشانی کی جو تصویریں اپنی غزلوں میں اُنھوں نے کھینچی ہیں وہ گویا جیتی جاگتی بولتی چالتی چڑیاں ہیں جو اپنی درد انگیز آواز سے دل ہلائے دیتی ہیں چند غزلوں کے مسلسل اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

از جانِ من آرام رفت آرام جانِ من کجا | ہجرم نشانِ فتنہ شد فتنہ نشانِ من کجا

آمد بہار مشک دم سنبل دمید و لالہ ہم | سبزہ بصحرا زد قدم سرو روانِ من کجا

در کارِ غم شد سوریم بے پردہ شد مستوریم | تلخ ست عیشِ از دوریم شکر فشانِ من کجا

ہر دم جگر در سوز و تاب از دیدہ ریزم خونِ ناب | اینک مَی و اینک کباب آں میہمانِ من کجا



گل نو رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد | چہ کنم نسیم گل را چو زیارِ من نیامد

دلِ من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا | کہ صبا رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد

اگر اے حریف داری نظرے بروئے یارے | تو بہارِ خویش خوش کن کہ بہارِ من نیامد

بہ شبِ نشاط یارا چہ خبر ترا ز خسرو | کہ بہ جانبِ تو روزے شبِ تارِ من نیامد

زندگی کی بے ثباتی، دنیا کی بے وفائی، زمانہ کا جور، یارانِ رفتہ کی جدائی کا گلہ

اکثر شعرا نے کہا ہی مگر جس درد انگیز لہجہ میں یہ راگ خسرو الاپ گئے ہیں انھیں کا حصہ ہی ؎

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند | یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند
گر نوبہار آید و پرسد ز دوستاں | گو اے صبا کہ آں ہمہ گلہا گیا شدند
اے گل چو آمدی ز زمیں گو چہ گونہ اند | آں رو بہا کہ در تہِ گردِ فنا شدند
آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند | اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک | آں ذرہ ہا کہ سر ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچہ ایست طفل فریب متاعِ دہر | بے عقل مردماں کہ بریں مبتلا شدند

غزل میں خسرو کی قادر الکلامی احاطۂ انضباط و تحسین سے باہر ہی۔ ان کی عبارت میں الفاظ کو اپنے مضمون کے ساتھ غضب کا تناسب پایا جاتا ہی۔ جو لفظ جہاں کے لئے مناسب ہوتا ہی وہی یہ استعمال کرتے ہیں بحروں و قافیوں کے یہ بادشاہ ہیں چاہیے کہ بحر و قوافی انکی روانی طبع کے سدراہ ہوتے ہوں ہرگز نہیں بلکہ یہ اور بھی ان کی طبیعت میں جولانی پیدا کر دیتے ہیں مثلاً ذیل کی غزل پڑھو۔ کیسا سر توڑ قافیہ ہی۔ مگر ہوار قلم اس روانی سے جاتا ہی کہ زمین ہموار و مسطح معلوم ہوتی ہی ؎

سروے چو تو در اُچہ و در ختہ نباشد | گل شکلِ رخِ خوبِ تو البتہ نباشد
دوزند قبا بہرِ قدت از گلِ سوری | تا خلعتِ زیبائے تو از لتہ نباشد
در جنتِ فردوس کسے را نہ گزارند | تا داغِ غلامیِ تو اش پتہ نباشد
نعمانی مسکیں نکند میل بہ جنت | در صحنِ بہشت ار طبقِ بتہ نباشد

ایں حسن و لطافت کہ تو کافر بچہ داری — در چین و خطا و ختن و خستہ نہ باشد

اب ایک دو نمونے عام عاشقانہ جن میں معشوق سے خطاب عشق کی واردات مستی و بیخودی کی باتیں ہیں درج کرتا ہوں ؎

ساقیا مے دہ کہ امروزم سرِ نو وا گیست — دور برگرداں کہ م گم از تہی پیمانگیست
من برغبت جاں دہم تو رحمت آری بر تنم — ایں عنایت در میانِ دوستاں بیگانگیست
شمع تنہا نیست چندیست ار بسوزد باک نیست — لذت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگیست

بہر تو خلقے می کشد ہر سو منِ بدنام را — بس می بنایم چوں کنم و ایں دلِ خود کام را
یکشب بیا مے دید مت آنگہ بیادِ پائے تو — رنگیں بساطے می کشم از خونِ چشم آں بام را
خواہم کہ خونِ خود دمے در گردنِ جانت کنم — دانی چہ دولت میدہی ہر ساعت از لب جام را
تا چند بر ہم از صبا در جنبش آید زلفِ تو — آخر دمے آرام دہ دلہائے بے آرام را
گر کشتہ شد خسرو ز غم تہمت چہ بر خوباں نہم — چوں چرخ خنجر میدہم در کشتنم بہرام را

شمعِ فلک بر آمد با آتشیں زبانہ — ساقی نا مسلماں در دہ مے مغانہ
کشتیِ ما رواں کن ما تا کنارہ یابم — دریائے غم ندارد چوں ہیچ جا کرانہ
نے نے کہ از رخِ خود کن بیخودیم کہ بارے — یک دم خلاص یابم از محنتِ زمانہ
رو تا رویم بیروں دستے بگردنِ تو — تو بیخودِ سبوئے من بیخودِ شبانہ
اے من غلامِ مستی کت چوں ز خمار باشی — در روئے خوابِ بستہ نے موئے کردہ شانہ
مطرب تو خود بدستے چوں ابر بارا — ویں زہد خشکِ ما را تر کن بیک ترانہ

من نیم خوردہ خوردم وز بادہ نربخی　　دل بر لبِ تو دارم می خواستن بہانہ
خسرو کہ ہست مطرب واں مست ناز خوابش　　ہاں در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

آتش کشید عشق و دلم ترکِ جاں گرفت　　صبر گریز پاے سر اندر جہاں گرفت
گفتی کہ ترک من کن و آزاد شو ز غم　　آساں بہ ترک ہمچو توئی چہ تواں گرفت
اے آشنا کہ گریہ کناں پند میدہی　　آب از بروں مریز کہ آتش بجاں گرفت
نظارہ ہم نہ کرد گہِ سوختن مرا　　آنکس کہ آتشم زد و از من کراں گرفت
در طوقِ بندگیش رود جاں بعافیت　　ہر فاختہ کہ خدمتِ سروِ رواں گرفت

کج کلہا ستمگرا تنگ قباے کیستی　　ما بہ گدا دلبرا عشوہ نماے کیستی
زیر کلاہ جعد تر تا کمرت کشیدہ سر　　بستہ بچابکی کمر چیست قباے کیستی
مرکبِ ناز کردہ زیں داد بغمزہ تیغ کیں　　ساختہ آمدہ چنیں تا ز براے کیستی
سینہ بند جاے تو دیدہ بزیر پاے تو　　با ہمہ رہ ہواے تو تو بہ ہواے کیستی
خسرو خستہ را سخن بستہ شد از تو در دہن　　طوطیِ شکریں من نغمہ سراے کیستی

اگرچہ غزل میں مسلسل کلام نہیں ہوتا اُس کا ہر شعر ایک الگ مضمون ہوتا ہی (اور اسی لئے شعرا نے غزل ایجاد کی) لیکن یہ عاشق کی گفتگو ہی کبھی کبھی وہ ایک مسلسل کلام بھی کرتا ہی۔ اس لئے اساتذۂ غزل کے دیوانوں میں ایسی غزلیں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا مضمون مسلسل ہی خسرو کی آخری غزل جو میں نے درج کی ہی وہ تسلسل ہی کا نمونہ ہی۔

شوخی و ظرافت پر جب آتے ہیں تو ایک ایک جملے میں سو سو چمن کھلا جاتے ہیں

طبیعت اس بلا کی چلبلی پائی ہی کہ خود حسن بیان منہ چومنے دوڑتا ہی مثلاً ؎

تو شبانہ می نمائی بہ برکہ بودی امشب | کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد
ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ | نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
مست آمدہ باز مہمان کہ بودی | دانم ستمگری در ستمگرستان کہ بودی
اے یار جدا ماندہ دل تنگ کہ جستی | اے یوسف گم گشتہ بہ زندان کہ بودی
دیوانۂ من بر سر کوئے کہ گزشتی | تشویش دہ حالِ پریشان کہ بودی
می دوش کجا خوردی ساغر بہ کہ دادی | در ظلمت شب چشمۂ حیوان کہ بودی
بعد ت کہ کشید ست ولبت را کہ گزید ست | پیش کہ نشستی شب و مہمان کہ بودی
آراستہ و مست در آغوش کہ خفتی | ایں بخت کرا بود بفرمان کہ بودی

چھوٹی بحروں میں یہ جب کہتے ہیں تو آبِ حیات کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہی۔ مثلاً اس غزل کو دیکھو ؎

دیوانہ شدم در آرزویت | اے چشم ہمہ جہاں بسویت
مائیم و تحیر و خموشی | و آفاق ہمہ بہ گفتگویت
وے روے تو دیدم و نمردم | شرمندہ بماندہ ام ز رویت
پرسی کہ چگونۂ ز من دور | دور از تو چہ پرسیم چو مویت
خسرو بکمندِ تو اسیر ست | بیچارہ کجا رود ز کویت

اگر غزل گو شعرا کی فہرست طیار کی جائے تو صرف اُن کے اسمار سے ایک ضخیم جلد طیار ہو سکتی

ہی۔ لیکن غزل کا حق جس نے ادا کیا ہو اگر اس نقطۂ نظر سے فہرست طیار کیا چاہو تو بجز چند ناموں کے اور کچھ نہ پاؤ گے جن میں اُستادِ غزل سعدی ہیں اور ان کے بعد خسرو و حسن دہلوی۔ سعدی نے جن اصول و مضامین پر غزل کی بنیاد رکھی وہ محض شاعری نہ تھی بلکہ حقائق و معارف کی چاشنی بھی اُن میں تھی اس لئے خسرو و حسن دہلوی کے سوا کوئی شاعر سعدی کے تتبع میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ان دونوں میں بھی خسرو کو مرتبۂ اوّلیت حاصل ہی خسرو کی غزلوں پر اگر ایک مختصر و جامع تنقید چاہتے ہو تو صرف اس قدر کہنا کافی ہی کہ وہ بادۂ شیراز ہی جو دوبارہ کھینچ کر دو آتشہ ہو گئی ہی۔

غزل کا دوسرا دور | اس کے بعد ایک دوسرا دورِ غزل کا آیا جس میں خواجو کرمانی و حافظ شیرازی ہیں اگرچہ یہ کوئی نیا دور نہ تھا لیکن بعض مضامین مثلاً ساقی و صراحی بادہ و جام میخانہ و پیر مغاں رند و خراباتی کی مدح زاہد و واعظ کی ہجو۔ دنیا کی بے ثباتی انکا نہایت ہی جوش و بلند آہنگی سے ترانہ گایا گیا تھا۔ یہ باتیں سعدی کی غزلوں میں اُسی انداز خاص سے جو اُنکا طرز تھا موجود تھیں لیکن ان کا مرتبہ بنیاد کا تھا۔ خواجو کرمانی نے اُنھیں بنیادوں کو ذرا نمایاں کیا اور حافظ نے اُسے آسمان تک پہنچا دیا۔ اُنھوں نے اپنی سُریلی آواز سے فارسی دان دنیا میں ایک مستی و مدہوشی کا عالم پیدا کر دیا جس کا نشہ آج تک باقی ہی خواجہ حافظ نے جس وقت شاعری شروع کی ہی اُس وقت سلمان ساوجی و خواجو کرمانی کا رنگ چھایا ہوا تھا خود ان کی طبیعت میں بھی فطری جوش و مستی بھری ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اپنے کلام کی بنیاد انھیں دونوں کی داغ بیل پر ڈالی جیسا کہ اُن کے بعض اشعار سے ظاہر ہی ؎

شہنشہِ فضلا بادشاہِ ملکِ سخن　　جمالِ ملت و دیں خواجۂ جہاں سلمان

چہ جائے گفتۂ خواجو و شعرِ سلمان ست　　کہ شعرِ حافظِ شیراز بہ ز شعرِ ظہیر

اوستادِ غزل سعدی ست پیشِ ہمہ کس اما　　دارد غزلِ حافظ طرز و روشِ خواجو

لیکن ان کی طبیعت کے اصلی جوہر نے اُسے ایسا چمکایا جس کے سامنے سلمان و خواجو دونوں کے گوہرِ فکر بے آب معلوم ہونے لگے سلمان کی غزلوں میں تو کچھ نہیں۔ ہاں ان کے قصائد ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قوت ظاہر ہے البتہ خواجو کے دیوان میں ایسی بہت سی غزلیں ہیں جو حافظ کی ہم ردیف و ہم قافیہ و ہم بحر ہیں۔ اسی کے ساتھ اکثر مضامین اور اسلوبِ ادا کا بھی اتحاد پایا جاتا ہے جس سے حافظ کا تتبع صحیح ثابت ہوتا ہے۔ خواجو کا دیوان نایاب ہے جس نے نہ دیکھا ہوگا اُس کو تعجب ہوگا کہ حافظ اور خواجو کا تتبع لیکن جس نے خواجو کا دیوان دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ وہی صہبائے مستی ہے جس کی تندی و تیزی بڑھا دی گئی ہے۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ خسرو کا مقابلہ غزل میں حافظ شیراز سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کا طرز ہی جداگانہ ہے۔ جہاں ایک دو سرو زلف و خال باغ و راغ کوہ و صحرا دشت و دریا میں شاہد معنی کے جمال جہان آرا سے مست ہو رہا ہے وہاں دوسرا میخانہ وحی کا دلدادہ بن کر مے کی لہروں میں معشوق حقیقی کے رخ و عارض کا جلوہ دیکھ کر مدہوش ہے اگرچہ دونوں یکساں عشق کے پھندے میں پھنسے ہیں مگر دو رنگ سے ؎

ہر دو شاعر ہم سبق بودند در دیوانِ عشق　　یک بصحرا رفت و دیگر با مغاں مستانہ شد

حافظ کا صحیح مقابلہ خواجو کرمانی سے جو ان کے عہد میں تھے اور حکیم سنائی و عمر خیام سے جو

ان سے بہت قبل تھے کیا جا سکتا ہی۔ اس لئے کہ ان تینوں کا ایک ہی رنگ ہی۔ ورنہ یوں تو دس بیس شعر متحد المعنی انتخاب کر کے لکھ دینا کچھ دشوار نہیں مگر یہ فی الحقیقت اپنی بد مذاقی کا ثبوت دینا ہوگا مثلاً خسرو کا ایک شعر ہی ؎

ازپسِ مرگ اگر بر سرِ خاکم گزری　　بانگِ پایت شنوم نعرہ زناں برخیزم

اسی مضمون کو اسی بحر و قافیہ میں حضرت حافظ و سلمان ساوجی نے کہا ہی۔

حافظ ؎

بر سرِ تربتِ من با مَی و مطرب بنشیں　　تا من از کنجِ لحد رقص کناں برخیزم

سلمان ؎

چوں شوم خاک بخاکم گزرے کن چو صبا　　تا بہ بوئے تو زمین رقص کناں برخیزم

خسرو نے جس سادگی اور صفائی کے ساتھ خوش نما پیرایہ میں مضمون بیان کیا ہی۔ مذاق سلیم رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہی۔ یہ امر مسلم ہی کہ عاشق جو فراق یار میں ہمہ تن انتظار ہی اس سے اتنا صبر نہیں ہو سکتا کہ معشوق کے پہونچنے کا انتظار کرے پاؤں کی آہٹ پاتا ہی اور استقبال کو کھڑا ہو جاتا ہی۔ چوں کہ یہ مضمون فطرت سے بہت نزدیک ہی۔ اس وجہ کلام نہایت بلیغ ہو گیا۔ "بانگ پا" اور "نعرہ زناں" نے شعر کے لطف کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔

حضرت خواجہ حافظ نے برخیزم کی کیفیت کو رقص سے اور بھی مکیف کر دیا۔ مگر ان کو لحد سے اٹھانے کے لئے ساز و سامان چاہئے۔ مے ہو مطرب ہو اور اس کے ساتھ یار کی

نشست ہو۔ صرف آمد کافی نہیں۔ ان تینوں کے مجموعۂ قوت کا یہ اثر ہو کہ لحد سے رقص کناں اُٹھیں۔

سلمان کا شعر ان دونوں کے مقابل ہیچ ہے۔ اگرچہ سادگی و صفائی ہے مگر کوئی لطف نہیں۔ جو ہوا کہ خاک کو رقص میں لاتی ہے اور بگولا بناتی ہے وہ صبا نہیں ہے۔ صبا لطیف پُروائی ہوا کو کہتے ہیں یہاں بو کی وجہ سے صبا کا ہونا ضرور تھا۔ اگر شاعر صبا کی جگہ کسی تند و تیز ہوا کو لاتا تو بو اُڑ کر غائب ہو جاتی۔ یہاں صبا سے بو پہنچانے کی خدمت لی گئی ہے رقص کناں برخیزم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض یہاں بحث خسرو کی تغزل سے ہے کہ یہ کس رنگ میں غزلیں کہتے ہیں اور ان کا پایہ غزل میں کیا ہے اور یہ بحث اس مختصر رسالے کے تحمل سے زیادہ ہو چکی اب ہمیں صرف ایک بات اور کہنی ہے کہ شاعری میں موسیقی کا بھی دخل بعضوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ سعدی و حافظ کی غزلوں میں جہاں اور لطافتیں بیان کی گئی ہیں وہاں بحور کی نغمہ و ترنم سے موزونی و مناسبت بھی بیان ہوئی ہے۔ اب میرا یہ کہنا کہ اگر شاعری کے محاسن میں موسیقی کا دخل ہے اور لطیف نظم کے الفاظ تال وسم سے مطابقت رکھتے ہیں تو اس باب میں خسرو علیہ الرحمہ کا کوئی بھی مقابل و مساوی نہیں ایک کھلے راز کا اظہار ہوگا

قصائد امیر خسرو سے قبل ظہیر رشید کمال اسمٰعیل الملقب بہ خلاق المعانی خاقانی الملقب بہ حسان العجم انوری وغیرہ مشہور قصائد نگار گزر چکے تھے۔ لیکن جس طرح کہ غزل میں یہ شیخ سعدی کے قدم بقدم رہے اور بہت سی غزلوں میں اپنی شان خسروی بھی

ظاہر کر گئے۔ اسی طرح قصائد میں بھی ان باکمالوں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور جب ان کا خاص میدان آتا ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتے ہیں۔

یہ ایک زمانہ دراز تک چونکہ شاہزادوں اور بادشاہوں کے دربار کے زیور رہے ہیں اس لئے قصائد نویسی کا موقع ان کو بہت ملا جس نے ان کی طبیعت پر اور بھی جلا کردی۔ قصیدہ میں شاعر کا جوہر دو جگہ کھلتا ہے۔ ایک تو مخلص یعنی گریز جہاں سے مقصد شروع ہوتا ہے دوسری تشبیب و مقصد میں توازن و لطف کا اس طرح قائم رکھنا کہ دونوں حصوں میں سے کوئی بھی بدمزہ نہونے پائے۔

نصر بن سیار جو بنی امیہ کی طرف سے خراسان کا والی تھا اُس کے سامنے کسی نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس میں سو شعر تو تشبیب کے تھے اور صرف دس شعر میں پوری مدح تھی۔ نصر نے جو کہ خود سخن فہم تھا قصیدہ سن کر کہا ما بقیت کلمۃ عذبۃ ولا معنی لطیفاً الا وقد شغلتہ عن مدیحی بتشبیبک یعنی الفاظ شیریں اور معنی لطیف تو سب تشبیب میں ختم ہو گئے اب مدح کے لئے کیا رہ گیا تب اُس نے دوبارہ قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا۔

هل تعرف الدار لام العمر   دع ذا وحبّر مدحۃ فی نصر

یعنی کیا تو ام عمر کے مکان کو پہچانتا ہے اس ذکر کو چھوڑ اور نصر کی مدح لکھ۔ اسے سن کر نصر نے کہا۔ لا ذالک ولا ھذا ولکن بین الامرین۔ یعنی نہ وہ افراط نہ یہ تفریط۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین کلام ہونا چاہیئے۔

اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں گریز میں شاعر کی قوت دیکھی جاتی ہے کہ

سلسلہ کلام کو باقی رکھتے ہوئے کس طرح مطلب و مقصد کی طرف آتا ہے وہاں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لطف بیان اور زورِ کلام میں بھی توازن رہا یا نہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے قصائد سیکڑوں ہیں اور ان دونوں کمالوں سے آراستہ و پیراستہ ہاں اربابِ دنیا کی مدح میں اُن کا بیان پھیکا ہو جاتا ہے چوں کہ وہ دل کی صدا نہیں ہوتی اس لئے ایسے قصائد میں ساری قوت تشبیب میں صرف کر دیتے ہیں۔ گریز اچھی کرتے ہیں لیکن مدحِ اہلِ دول ان سے نہیں بن آتی پھر بھی اگر کہیں اس پر متوجہ ہو گئے ہیں تو مبالغہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے مثال کے طور پر دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

ظہیر فاریابی اپنے ایک قصیدہ میں قزل ارسلاں کی شان میں لکھتا ہے ؎

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پائے — تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اس پر یوں تعریض کرتے ہیں ؎

براہِ تکلف مرو سعدیا — اگر صدق داری بیار و بیا

تو منزل شناسی و شہ راہ رو — تو حق گوے و خسرو حقائق شنو

چہ حاجت کہ نہ کرسیِ آسماں — نہی زیر پائے قزل ارسلاں

مگو پائے عزت بر افلاک نہ — بگو روے اخلاص بر خاک نہ

خسرو نے سلطان جلال الدین کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں اُن میں سے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

ز آبِ حیات شست دہن را ہزار بار — تا بوسہ بر رکاب شہِ کامراں دہد

اندیشہ کے رسد کہ بہ بوسد رکابِ شاہ | گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوے کوں گر بپر د اندیشہ تاابد | نتواند آنکہ بوسہ براں آستاں دہد

اسی بحر و قافیہ میں سلمان ساوجی کا بھی ایک قصیدہ شیخ اویس کی شان میں ہی اُس میں وہ کہتے ہیں ؎

در بوستاں بیادِ دہانِ تو غنچہ را | ہر دم ہزار بوسہ صبا بر دہاں دہد
ہست آستانِ حضرتت اقبال را حرم | مقبل کسے کہ بوسہ براں آستاں دہد
گشتست پاے بازمشرف بدستِ تو | بر پاے خویش بوسہ پیاپے ازاں دہد

دیکھو ظہیر فاریابی امیر خسرو سلمان ساوجی تینوں ایک ہی مضمون کہہ رہے ہیں لیکن یہاں خسرو چونکہ مبالغہ کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ظہیر و سلمان دونوں سے ان کا مبالغہ بڑھ گیا۔

ماہ نو کی تشبیب مشاہیر قصائد نگاروں کی ایک موقع پر صاحب خزانہ عامرہ نے جمع کردی ہی ہم اُس میں سے بخوفِ طوالت صرف خاقانی و انوری و خسرو کی تشبیب درج کرتے ہیں۔ ظہیر کے ساتھ مقابلہ اوپر گزرچکا اب تکرار سے کیا حاصل۔

خاقانی ؎

دوش چوں خورشید را مصراعِ خاور ساختند | ماہِ نو را چوں حمائل حلقہ پیکر ساختند
محتسب گوئی بماہِ روزہ جامِ می شکست | آں شکستِ جام را رسواے خاور ساختند
چرخِ جادو پیشہ چوں زریں قواں کرد گم | دامن کحلیش را جیبِ مقور ساختند

درزبان چرخ راگوئی چہ سہوافتادہ بود — کاں زرہِ سیمیں بدیں دامن نہ درخورساختند
یاشبانگہ قصد کردند اختراں تپ زدہ — کاسماں طشتِ شفق چوں ماہ نشترساختند
نیمۂ قندیلِ عیسےٰ بودیا محراب روح — یامثالِ طوقِ اسپِ شاہ صفدر ساختند

انوری ؎

دوشش سلطانِ چرخِ آئینہ فام — آنکہ دستور شاہ راست غلام
ازکنارِ نبردگاہِ اُفق — چوں بدستِ غروب داد زمام
دیدم اندر سوادِ طرۂ شب — گوشوارہ فلک زگوشۂ بام
گفتم آں نعل خنگ دستورست — قرۃ العین و فخرِ آلِ نظام

خسرو ؎

برآمد ماہِ عید از اوجِ گردوں — طرب چوں ماہِ نوشد ہر دم افزوں
بلوحِ آسماں نونے ست یاعین — کہ بیروں آمدہ از کلکِ بیچوں
بہ بیں اندر رکوع آں پارۂ نور — ہلالش گوئی خواہی خواہ ذوالنوں
ہماناحلقۂ گوشِ سپہرست — کہ دارد از کواکب درِّ مکنوں
سوادِ شام درپیشش مہِ نو — مگرلیلےٰ ست در پہلوے مجنوں
چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ — مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

قصائد گوئی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے وہ بوجہ احسن و اکمل خسرو میں موجود تھیں اور اُنھوں نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اپنے قصائد میں اپنے جوہر کا اظہار کردیا ہے۔

شوکت و ندرت الفاظ مسائل علمیہ مقدماتِ حکمیہ دقائق سلوک و تصوف اصطلاحات علوم مختلفہ دقت معانی صنائع و بدائع لفظی و معنوی (خصوصاً تجنیس و ترصیع) بلند پروازی مبالغہ وغیرہ۔ قصائد نویسی کے زیور ہیں۔

خسرو کا خزانۂ خیال ان سب متاع سے مالا مال تھا۔ پھر جس فراوانی سے وہ اس کو لٹا سکتے تھے وہ کچھ کہنے کی بات نہیں۔ ان کے کلیات کو اٹھا کر دیکھو مختلف بحور و قوافی میں پچاسوں قصیدے پاؤ گے اور نہایت سیر۔

الحمدللہ کہ پیر جواں ہمت خادم اسلام و مخدوم قوم نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے چشمۂ فیض کی بڑھتی ہوئی موجوں میں قوم کو قصائد خسرو کے بھی مطالعہ کا موقع ملے گا۔

ہم یہاں محض ایک دو نمونے قصائد خسروی کے درج کرتے ہیں تا کہ ایک مجمل اندازہ ان کی قصائد نویسی کے متعلق ناظرین کر سکیں۔

موعظمت و اخلاق میں ان کا ایک قصیدہ ہے جس کا نام بحر الابرار یاد رہے ابرار ہی نہایت ہی سیر قصیدہ ہے اس میں یہ التزام ہے کہ ہر شعر کا پہلا مصرع دعویٰ ہے اور دوسرا دلیل دو شعر اس کے یاد ہیں انھیں کو لکھتا ہوں ؎

عاشقی رنج ست و مرداں را بسینہ راحت ست — سلسلہ بند ست و شیراں را بگردن زیورست

راہ رو چوں در ریا کو شد مرید شہوت ست — بیوہ زن چوں رخ بیارا ید بہ بند شوہرست

چند قصائد ان کے صنعت لف و نشر مرتب میں ہیں جن میں علاء الدین کی مدح کی ہے تین شعر نمونۂ اس میں سے بھی لکھتا ہوں ؎

کجا نیز د چو تو سروے جوان و نازک و نوبر | شکر گفتار و شیریں کار و گل رخسار و مہ پیکر
نباشد چوں لب و اندام و گیسو و رخت ہرگز | شکر شیریں و گل رنگین و شب مشکین و صبح اذفر
ببرد اندیشۂ مہر و فراق و آرزوئے تو | ز شخصم تاب و رویم آب و چشم خواب و جانم خور

خسرو کے بعد سلمان ساوجی و قاآنی نے اسی صنعت میں قصیدے لکھے ہیں جو اُن کے کلیات میں موجود ہیں لیکن سلمان ساوجی کا قصیدہ تو بہت ہی پھیکا رہا۔ بالکل آورد و تصنع معلوم ہوتا ہے۔ قاآنی جو شوکتِ الفاظ کا بادشاہ ہے یہ اپنے زور الفاظ سے بہت کچھ رنگ آمیزی کرنا چاہتا ہے لیکن خسرو سے بمراحل دور ہے۔

خسرو نے اپنے ایک طولانی قصیدے میں جس قادر الکلامی کے ساتھ مسئلہ تخلیقِ عالم اور اُس کے متعلقات پر بحث کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان فلسفیانہ مسائل میں وہ اس طرح تیرے ہوئے ہیں اور فلسفہ کے دقائق و نکات اُن پر اس طرح حل ہیں کہ طرح طرح کے اسلوب سے بیان کرنے پر اُنھیں قدرت تامہ حاصل ہے۔

پدید کرد جواہر مجرد از مادہ | کہ در خزانۂ ملکش لبالبِ اظہار است
یکی ست نفس کہ ہست او مدبر ابدال | کہ بہر ہر بدنے روز و شب بہ تیمار است
دگر دوم طلبی عقل جوہریست کہ آں | نہ در تعلقِ کارِ دیار و دیار است
زہے عجائب صنعش کہ در لوائح کن | ولد سہ پشت نہ و مرد ہفت زن چار است
بنات معدن و حیوان و ریں حدیقہ کنوں | سہ میوہ ایست کہ از یک درخت آں بار است
یکی ست سنگ جماد و ملون و سادہ | کہ از مشابہتِ و تیرگی بیزار است

دوم چو شعلہ دراں تکیہ کرد بر پایش
گہے بکُنج حرم گہ بصفۂ نارست

سوم رونده دگرداں خزانہ خانۂ جاں ست
کہ بہرِ نقب خزانہ بسیش ہنجارست

دراں خزینہ چہارم گراں بہا گہرسیت
کہ قیمتش نہ دو د و عالمش خریدارست

ازاں سہ جاہل سود و زیان و لذت و ذوق
بریں یکے کہ یگانہ ست جملہ اتیارست

وجودِ آدمی از عینِ عرشش عکس ست
چو عکسِ آب کہ از آدمی نمودارست

اسی قصیدے میں انسان کی ترکیب جسمانی وحیوانی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

زآب و گل تنِ مردم چو قلعۂ آراست
بشکلِ تنگ و بمعنی جہانِ اسرارست

درو کشید چو عنصر چہار بازارے
کہ رختِ ہر دو جہانش بچار بازارست

خزینہ دارِ نفائس بسینہ دل را ساخت
خرد وزیر شد و جان سپاہ سالارست

نخست حسِ بروں را بہ تجربہ بنگر
کہ ذوق و فائدہ رہ یکے چہ مقدارست

دگر جواہرِ دروں بینی آں خجو اندر تن
ہزار عالمِ مستور خاص ستارست

تو حسِ مشترک و وہم و فہم صورت کن
کہ ہر یک آئینۂ جاں بغیر زنگارست

شاعر کی جادوگری و سحر نگاری کے جو مواقع ہیں اُن میں سے ایک یہ ہی کہ خشک علمی مضامین کو اپنی رنگین بیانی سے ایسا آراستہ کرے کہ صحیح مسائل کا بیان دل آویز و دل پذیر ہو جائے جس نے فلسفہ وحکمت میں ان مسائل کو پڑھا ہوگا وہی سمجھ سکتا ہی کہ ان دقیق مسائل کو خسرو نے کس محققانہ طرز سے ادا کیا ہی۔ جو مسائل کتب حکمیہ میں چند صفحوں میں بیان ہوئے ہیں یہاں اُنھیں چند اشعار میں بیان کر رہے ہیں۔

خاقانی نے ایک نہایت طویل الذیل قصیدہ لکھ کر اُس کا نام مرات النظر رکھا ہی جس کا مطلع یہ ہی ؎

دلِ من پیر تعلیم ست و من طفلِ زبان دانش | دم تسلیم سر عشر و سر زانو دبستانش

یہ قصیدہ اُس کا بہت ہی مشہور قصیدہ ہی اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس قصیدے میں اُس نے بڑی داد قادر الکلامی دی ہی۔ مضامین اپنے علو مرتبت میں اور خیالات اپنی بلند پروازی و ندرت میں آپ اپنا جواب ہیں۔ عادت کے موافق خاقانی نے اس قصیدے پر بہت کچھ فخر و مباہات کیے ہیں اور کوس انا ولا غیری بجایا ہی۔ خسرو نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ اسی بحر و قافیہ میں لکھا اور اُس کا نام مرات الصفا رکھا۔ خسرو کے بعد مولٰنا جامی نے بھی اسی بحر و قافیہ میں طبع آزمائی کی۔ اور اپنے قصیدے کا نام جلاء الروح رکھا۔ ان تینوں قصائد میں کیا فرق ہی۔ اس بحث کو میں یہاں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ان پر بحث کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے جس کا یہاں موقع نہیں۔ اور چند اشعار کے مقابلہ سے پورے قصائد کی خوبیاں اور ایک دوسرے کا فرق ظاہر نہیں ہو سکتا تاہم اس خیال سے کہ سطحی طور سے بھی عام ناظرین اندازہ کر سکیں اپنے مقصد کے لئے مناسب ہوگا کہ تینوں قصائد میں سے تھوڑے تھوڑے اشعار ذیل میں درج کر دیے جائیں جس میں جامی کا قصیدہ خود تنقید کا مرتبہ رکھتا ہی اُنھوں نے آخر قصیدے میں فیصلہ کر دیا ہی کہ کس کے قصیدے کا کیا پایہ ہی۔

خاقانی ؎

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زباندانش
دم تسلیم سرعشر و سرِ زانو دبستانش

نہ ہرزانو دبستان ست و ہردم لوح تسلیمش
نہ ہر دریا صدف دارست و ہر نم قطرۂ نیسانش

سرِ زانو دبستان ست چوں کشتی نوح آں را
کہ طوفاں جوش دردا دست و جودی گرد داماںش

کسے کیں خضر معنی رہست ہمنگیر چوں موسیٰ
کفِ موسیٰ و آبِ خضر بینی در گریبانش

مرا ہمت چو خورشید ست شاہنشاہ ژندہ پا
کہ چرخش زیر رانست و سرِ عیسیٰ ست برانش

بلے خود ہمت درویش چوں خورشید می باید
کہ سامانش ہمہ شاہی ست و فارغ ز ساماںش

زہے خضرِ سکندر دل ہوا تخت و خرد تاجش
نہے سرمست عاقل جاں بقا منزل و ضا خوانش

دد کوں امروز دکاں نیست کحال شریعت را
کہ خود کحل الجواہر یافتند انصار و اعوانش

بہ بندار کحل دیں خواہی کمر چوں دستہ ہاون
بہ پیشِ آنکہ ارواح اند ہاون کوب دکانش

ہمہ گیتی ست بانگ ہاون اما نشنود خواجہ
کہ سیمابِ ضلالت ریخت اندر گوش خذلانش

فلک ہم ہاون کحل ست کردہ سرنگوں گوئی
کہ منع کحل سائی را نگوں کردند زیں سانش

حق یہ ہے کہ اس خاقانِ ملک سخن نے اپنی قادر الکلامی اور بلند خیالی کا بے مثال نقش صفحۂ قرطاس پر کھینچ دیا ہے۔ بلحاظ شکوہ الفاظ۔ رفعت خیال۔ زور کلام استعارات و تشبیہات کی موزونی۔ بندش کی چستی۔ اشعار کی برجستگی۔ فصاحت و بلاغت و متانت اور صنائع شعری کے خاقانی کا یہ قصیدہ بے بدل ہے۔

امیر خسرو ؎

دلم طفل ست و پیر عشق استاد زبان دانش — سواد الوجه سبق و مسکنت کنج دبستانش

زبان دان پیر عشق آمد که هر که آموخت زو دانش — درونش لوح محفوظ ست و خاموشی ست برهانش

ببازار فقیران رو اگر نقد سیت در کیسه — که چندیں تحفه گنج ست در هر کنج دکانش

چو مرد از خود برون آید گل و خار ست یکرنگش — چو مست از هوش فارغ شد شب و روز ست یکسانش

ز دریاے شهادت گر نهنگ لا بر آرد سر — تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

ز من گفتار دانا را جوابے ساختم لیکن — جوے آوردم و کاهی که ریزم پیش یکرانش

سخن زان گونه گفتم من بلند امروز در دهلو — که از خواب گران بیدار کردستم لب شروانش

مرا انصاف مطلوب ست نے تحسین ازین معنی — کسے کو بگذرد ز انصاف باشد خصم یزدانش

خسرو اقلیم معانی نے بھی اپنے قصر مرات الصفا کی آئینہ بندی اور زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور جواہر زواہر معانی سے اُس کی آرائش و زیبائش اس طرح کی ہے کہ خاقان ملک سخن کے قصر معلی کی رفعت شان سے ہم رتبہ ہو سکے۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر ہمپا نہیں تو قریب قریب بام مراد تک رسائی حاصل کی ہے۔ لذت کلام نزہت خیال حسن ادا فصاحت و متانت اور صنائع شعری کے اعتبار سے ان کا قصیدہ بھی لاجواب جواب ہے۔

جامی ؎

معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش — سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

ز ہر کس نا ید ایں اوستاد و شاگردی نہ ہر کوہے | بدخشاں باشد و ہر سنگ پارہ لعلِ رخشانش
زباں جز بے زبانی نیست ایں نادر معلم را | دریغا در ہمہ عالم ندانم کس زباں دانش
دو شاخِ لا شود در کفر غل گردن سالک | چو بکشاید در الا بوحدت چشم عرفانش
میانِ لا و الا یک الف فرق ست و زبنود | درالا آں الف بالا شمارد عقل یکسانش
سخن آں بود کز اول نہاد استاد خاقانی | بمہمان خانۂ گیتی پے دانشوراں خوانش
چو در سیرِ معانی یافت خسرو سوے آں خوان | ملاحتہاے او فگند شورے در نمکدانش
اگر امروز ایں خادم زبحر شعر تر آبے | پئے دست و زبان شستن بیارد نیست تا دانش

سخن سنج جام نے جو فیصلہ کیا ہی اُس سے بہتر فیصلہ اس زمانے کے لوگوں کا کیا ہوسکتا ہی۔ خاقانی نے خوانِ نعمت بچھایا۔ خسرو نے اُس کو نمک ڈال کر بامزہ بنایا جامی علیہ الرحمۃ نے کھانے والوں کے ہاتھ دھلوا دیئے۔ اب ہم بھی قصائد کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

مثنوی | مثنوی میں بھی خسرو کا پایہ بہت ارفع ہی سادگی و صفائی کے ساتھ ساتھ ایک خاص جوش و اثر دل آویزی و دل ربائی ان کی مثنویوں میں پائی جاتی ہی۔ بیان کی سلاست زبان کی شوخی الفاظ کی موزونیت و ندرت۔ بندش کی نفاست۔ خیالات کی ہمواری عبارت کی روانی مثالوں کی چاشنی تمثیلوں کی برجستگی مواعظ و پند کی لینت و شیرینی اہل ذوق کو والہ و شیدا بناتی ہی۔

اصناف نظم میں مثنوی کی قدر و منزلت اور اس کے اقسام | مثنوی نظم کی بڑی صنف اور بہت قدیم صنف ہی باعتبار مضامین

اس کی تین قسمیں ہیں رزمیہ۔ بزمیہ۔ اور اخلاقی و صوفیانہ۔

رزم اور فردوسی

فردوسی کا شاہنامہ جو اُس کی تمام شاعرانہ قوت کا خلاصہ و جوہر ہے اُس میں رزم کی تصویر ایسی ہوبہو کھینچی ہے جس کا مقابل آج تک کوئی پیش نہ کرسکا اگرچہ اُس کے اس التزام نے کہ عربی آمیزش سے حتی الامکان زبان فارسی محفوظ رہے بہت سے ثقیل و ناما نوس الفاظ داخل کردیئے۔ لیکن رزم کی مثنوی میں فردوسی کی زبان سے اُن الفاظ کی ثقالت بھی ایسی ہی خوش نما و بیکر آرا رہی جیسے ایک نبرد آزما جنگ جو کے جسم پر جوشن و زرہ۔

فردوسی و یوسف زلیخا

محمود کے دربار سے جب فردوسی شکستہ خاطر ہوکر بھاگا تو اُس نے اپنی اُس زندگی میں یوسف زلیخا لکھی اور چاہتا تھا کہ بزم میں بھی اپنی عروس سخن کو اس جلوہ گری سے ظاہر کرے کہ رزم و بزم دونوں کا سکہ فردوسی ہی کے نام کا جاری ہو لیکن یہ حصہ کسی آیندہ آنے والے کا تھا۔ اس لئے اس کی سعی یوسف زلیخا میں کچھ کامیاب نہو سکی۔ بعض اس کی علت اُس کی شکستہ خاطری اور پریشاں حالی قرار دیتے ہیں خیر سبب کچھ بھی کیوں نہو لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ رستم و سہراب بہمن و اسفندیار کے خنجر و شمشیر کا بیان کرنے والا لیلےٰ کے تیغ ادا اور کمندِ گیسو کو کیونکر جان سکتا ہے اس لئے اس کا لکھنا نہ لکھنے کے برابر تھا۔

ہاں اُس قدر عشق کا بیان جس میں سپاہ منشی کی آن بان قائم رہے وہاں تک تو اُس کا قلم بے مثل مصوری کرتا ہے لیکن اس سے جہاں عشق نے قدم آگے

بڑھایا۔ بس فردوسی کا قلم کانپ اُٹھتا ہے اگر کوئی فردوسی کے کمالات پر خاک ڈالنا چاہے تو اُس کی یوسف زلیخا سے جامی علیہ الرحمۃ کی یوسف زلیخا کا مقابلہ کرکے عوام کو بخوبی دھوکا دے سکتا ہے۔

صوفیانہ و اخلاقی مثنویاں مولنا رومی حکیم سنائی فرید الدین عطار کے رشحات قلم سے عالم وجود میں آئیں اور اس طرح مثنوی کی دو قسمیں بہ تمام و کمال زیور نظم سے آراستہ پیراستہ ہوگئیں۔ لیکن ان کی ایک قسم یعنی بزم و عاشقانہ وہ اپنی پوری آرائش و زیبائش کے لئے کسی زبردست قلم کی ہنوز منتظر تھی۔

مولنا نظامی اور مثنوی یہاں تک کہ ۵۳۳ھ میں مولنا نظامی گنجوی پیدا ہوئے ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور اس کے ساتھ شعر و سخن کا بھی گھر میں شغل رہا کرتا تھا۔ مولنا طالب العلمی کے ساتھ اشعار کی بھی مشق کرتے جاتے تھے۔

پچیس یا چھبیس برس کی عمر میں پہنچکر مخزن الاسرار تصنیف فرمائی۔ اور بہرام شاہ کے نام سے اسے معنون فرمایا۔ پانچ ہزار دینار سُرخ ایک قطار شتر اور مختلف قسم کے کپڑے انعام پائے۔ یہ مثنوی صوفیانہ ہے فلسفہ نظری و عملی کو صوفیانہ طرز میں بیان کیا ہے اگرچہ اس موضوع پر مولنا سے پیشتر اسلاف بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن رنگینی و مرصع کاری مولنا کے قلم سے ہوئی تھی جیسا کہ مطالعہ مخزن الاسرار سے یہ وصف ظاہر ہوگا

مخزن الاسرار کے بعد شیریں خسرو تصنیف ہوئی۔ اس سے فارغ ہوکر داستان لیلی و مجنوں کو نظم کا جامہ پہنایا۔ پھر ہفت پیکر کی آراستگی فرمائی۔ آخر عمر میں سکندر نامہ

لکھ کر اپنے زورِ قلم کا ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

مولانا نظامی کی جامعیت اگرچہ مولانا کی ہمہ گیر طبیعت نے تمام اصنافِ سخن پر زورِ قلم دکھانا چاہا۔ غزلیں بھی کہیں قصائد بھی لکھے لیکن اصل مضمون مثنوی ہی جس میں مولانا کی طبع رواں عجیب عجیب خوش رنگ و خوشبو گل کھلاتی ہی۔

مثنوی میں نظامی کی خصوصیات یہ نظامی ہی کی جدت آفریں طبیعت تھی جس نے شیریں و خسرو اور لیلیٰ مجنوں لکھ کر شاعری کو عشق و حسن کے مراحل و منازل بھی مثنوی کے سہارے طے کرا دیئے اور مثنوی کی تیسری قسم جو ہنوز تشنہ تھی وہ نظامی کے چشمۂ فیض سے اب ایسی سیراب ہوئی کہ آج تک اس راہ کے پیاسے اسی چشمۂ صافی سے پیاس بجھاتے ہیں۔

مولانا نظامی سے قبل مثنوی کے لئے تین بحریں مخصوص تھیں شعرا جب مثنوی کہتے تو انھیں تین بحروں میں اُن کے کلام کی روانی پائی جاتی۔ مولانا نے دو بحریں اور اضافہ کیں۔ مخزن الاسرار و ہفت پیکر کی بحریں مثنوی کو نظامی ہی کے دبیرِ قلم کی عطا کردہ ہیں شعرائے مابعد نے ان دونوں نئی بحروں کو بھی ویسا ہی قبول کیا جیسا کہ اس سے پیشتر کی تین بحریں مقبول تھیں اس طرح اب مثنوی کی پانچ بحریں ہوگئیں

علاوہ اس کے کہ یہ دو امور خصوصیات بلکہ اولیات نظامی ہیں نفسِ بیان ترکیب و نشستِ الفاظ، زورِ تشبیہ اور ندرتِ استعارہ۔ ان محاسن سے مولانا کا گنجینۂ سخن مالامال ہی۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن سے دورِ اوّل کا کلام بہت کچھ خالی تھا اگرچہ ایک

خلقی حسین آرائش کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہی حسین آرائش کے ساتھ سامنے آتا ہے تو پھر دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہے۔

نظامی کے کلام میں وہ حسن بھی ہے جو قدما کی مثنویوں میں تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے سولہ سنگار سے ایسا آراستہ کیا ہے کہ اہل نظر کی نگاہ اُن سے ہٹنے نہیں پاتی۔ مولنا کے اس کمال کا سخن سنجوں نے ایسا صحیح اعتراف کیا کہ بزم شعرا میں انھیں خدائے سخن کا لقب ملا۔ اور یہ لقب مولنا کے ساتھ مخصوص اور آپ کے تخلص نظامی کا مرادف ہو گیا ہے۔

اقسام سہ گانہ مثنوی میں جس قوت جامعیت سے کہ مولنا کے قلم نے مضامین رنگین کے مینھ برسائے ہیں اُن کا احاطہ ناممکن ہے۔ پھر جذبات کی مصوری و واقعات کی تصویر کشی مولنا نے کچھ اس کمال و خوبی سے کی ہے کہ فردوسی جیسا واقعہ نگار بھی کہیں کہیں پیچھے رہ جاتا ہے۔ مولنا کے اس کمال کے دو نمونے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مثال اول دارا جب غلاموں کے ہاتھ سے زخمی ہوتا ہے اور حالت نزع میں آخری سانس لے رہا ہے اُس وقت سکندر اُس کے پاس جاتا ہے اور دارا اُس سے کچھ کہتا ہے اس واقعہ کو فردوسی و نظامی دونوں نے بیان کیا ہے لیکن جو تصویر کہ مولنا کے قلم نے کھینچی ہے اُس کے خط وخال ایسے نمایاں ہیں کہ دارا کے جذبات جذبات معلوم نہیں ہوتے بلکہ گوشت و پوست سے درست ایک چلتی پھرتی صورت معلوم ہوتی ہے۔

فردوسی نے واقعہ یہ دکھانا چاہا ہی کہ مرتے وقت انسان کے تمام ولولے اور جوش فنا ہو جاتے ہیں بسترِ مرگ پر ایک فقیر و بادشاہ دونوں کے جذبات پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔ اپنی بیکسی و بے مائگی پس ماندوں کی حیرانی و تباہی دونوں پر یکساں چھا جاتی ہی۔

اس لئے فردوسی دارا سے ایسے کلمات نقل کرتا ہی جس سے صرف دنیا کی بے ثباتی اپنی مجبوری انقلابِ دہر کا عبرت ناک سماں سمجھا جاتا ہی۔

برخلاف اس کے مولانا نظامی علیہ الرحمۃ اُس لطیف فرق کو نہایت خوبی سے بیان فرماتے ہیں جو شاہانہ و خسروانہ دماغ کے ساتھ مخصوص ہی وہ بھی تاسف و تحسر کے کلمات دارا کی زبان سے بیان کرتے ہیں لیکن شاہنشاہی اور کیانی تاجداری کی شان اُس میں مضمر ہی اور یہی نکتہ بیان کا کمال بلکہ سخن کی جان ہی۔ دونوں کے کلام سے سات سات شعر اس جگہ ثبوت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

فردوسی	نظامی
زمین و زماں بندہ بد پیشِ من	اگر تاج خواہی ربود از سرم
چنیں بود تا بخت بد خویشِ من	یکے لحظہ بگزار تا بگزرم
چو از من ہماں بخت بیگانہ شد	مگرداں سرِ خفتہ را از سریر
ہمہ کاخ وایواں چو ویرانہ شد	کہ گردن گرداں برآردِ نیفیر

فردوسی	نظامی
زنگی جدا ماندہ ام زین نشاں	تو اے پہلواں کآمدی سوے من
گرفتار در دست دشمن کشاں	نگہ دار پہلو ز پہلوے من
ز فرزند و خویشاں شدہ نااُمید	کہ با آنکہ پہلو دریدم چو میغ
سیہ شد جہاں دیدگانم سفید	ہمی آید از پہلویم بوے تیغ
ز خویشاں کسے نیست فریاد رس	چہ دستت کہ با ما درازی کنی
اُمیدم بہ پروردگار ست و بس	بتاجِ کیاں دست بازی کنی
برین ست آئینِ چرخِ رواں	نگہ دار دستت کہ دار است ایں
اگر شہریاری وگر پہلواں	نہ پنہاں چو روز آشکار است ایں
بزرگی بفرجام ہم بگذرد	زمیں را منم تاج تارک نشیں
شکار ست مرگش ہمی بشکرد	مجنباں مرا تا نجنبد زمیں

دیکھو فردوسی نے بجز اس کے کہ پہلے شعر میں اس کا صاحبِ تخت و اقبال ہونا بیان کیا ہے اس کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے ایک ایسے شخص کے جذبات کی خصوصیت معلوم ہوتی جس کا وجود ایک بہت بڑے شاہی خاندان کی یادگار تھا اور جس کی زندگی کی ہر حرکت و سکون سلطنت کیانی کا ایک تاریخی ورق تھا۔

برخلاف اس کے مولانا کا ہر شعر اس خصوصیت کے اظہار میں کیسا کامل ہے

جس سے یہ سمجھا جاتا ہی کہ ایک بادشاہ دم واپسیں تک بھی شاہی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔

مولانا نظامی کے کمال کی ایک دوسری مثال

اسی طرح اس واقعہ کو کہ خود سکندر قاصد کے لباس میں ایک دوسرے شاہانہ دربار میں جاتا ہی۔ پیام پہنچاتا ہی اور پہچان لیا جاتا ہی کہ یہ قاصد نہیں بلکہ خود سکندر ہی۔ لیکن سکندر انکار کرتا ہی۔ آخر میں شاہانِ عہد کی تصویریں نکالی جاتی ہیں اور اسکندر کے پاس کوئی حجت نہیں رہتی ہی۔

اس واقعہ کو دونوں نے بعینہٖ لکھا ہی فرق صرف اس قدر ہی کہ مولنا نظامی نے نوشابہ کے دربار میں پہنچایا ہی اور فردوسی قیدافہ کی بارگاہ میں لیجاتا ہی لیکن واقعات کا تسلسل جو نظامی کے یہاں ہی وہ فردوسی کے یہاں بالکل نہیں پایا جاتا۔

فردوسی نے سکندر کو جو قاصد بنایا تو تھوڑی دیر کے لئے اُس کے شاہانہ حوصلے خسروانہ جذبات ملوکانہ اولوالعزمی شجاعانہ ہمت یہ سب ہیچ مپچ فنا ہو گئے اور قاصدی کے جامہ میں آتے ہوئے حقیقتاً ہر طرح کا ضعف بھی اُس میں آگیا۔ چنانچہ قیدافہ کے دربار میں وہ جب پہنچتا ہی تو دربار کی آراستگی اور شاہانہ جاہ وحشم اُسے متحیر کردیتا ہی۔ سطوت وہیبت شاہی سے وہ مرعوب ہوکر تمام مراسم قاصدی پورا کرتا ہی۔ لیکن اثنائے گفتگو میں بادشاہ کو خود بخود خیال ہوتا ہی کہ یہ صورت سکندر سے ملتی ہی اور وہ تصویر نکال کر دیکھتا ہی۔

مگر نظامی اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ کسی معمولی و کہتر شخص کے لباس میں بھی آجائے تو شاہانہ دماغ کے لوازم اُس حال میں بھی اُسے اہل بصیرت کی نگاہوں میں ممتاز رکھتے ہیں۔

اس لئے سکندر جب نوشابہ کے دربار میں پہنچا تو سجدہ برسم قاصداں بجا نہ لا سکا طرز کلام میں اُس کے جو وقار و جرأت پائی جاتی تھی اُس میں شان قاصدوں کی نہ تھی۔ اس سے نوشابہ کو حیرت ہوتی ہے اور خیال گزرتا ہے کہ یہ جرأت بادشاہوں جیسی ایک قاصد میں کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر وہ کہتی ہے ؎

که صد آفریں بر تو شاہِ دلیر | که پیغام خود میگزاری چو شیر
میانجی نہ شاہِ آزادہ | فرستندہ نہ فرستادہ

سکندر انکار کرتا ہے۔ قاصد ہونے پر مصر ہے اور سکندر کی عظمت و جلال کا خطبہ پڑھتا ہے۔ تب نوشابہ تصویر منگواتی ہے سکندر کی تصویر اُس کے روبرو رکھ دیتی ہے اب وہ حیران ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ فردوسی جو مثنوی کے باب میں پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے اور جس کے کلام کی پختگی خیالات کی بلندی جذبات و احساسات کی مصوری ایک امر مسلم ہے نظامی نے اُس استادِ مسلم کے ساتھ میدانِ رزم میں مسابقت کی اور اس میں

شک نہیں کہ اُن تمام مقامات پر جہاں اُس سے کچھ بھی کمی رہ گئی تھی نظامی نے اُسے پورا کرکے ایک قدم اپنا آگے بڑھالیا۔ بہت سی جگہوں میں اُس کے دوش بدوش رہے لیکن جو میدان کہ فردوسی کا خاص ہوچکا تھا اور اُس کے کلام کی بلندی اُس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جس سے ترقی ناممکن تھی وہاں رزم میں البتہ نظامی سے اُس کے کلام کی فوقیت نمایاں ہی۔

بہرحال فردوسی و نظامی کا سکندرنامہ و شاہنامہ سے مقابلہ مقصود نہیں اور حق تو یوں ہی کہ ایک ایسے جوہر کا جسے حکاک نے تراش خراش کر مجلے بنایا ہو اُس کا ایک کان جواہر سے کیا مقابلہ۔ بلکہ مقصد یہ ہی کہ نظامی کی ہمہ گیر طبیعت کا صحیح اندازہ ناظرین کو ہوجائے اور یہ معلوم رہے کہ ان کی پُرزور طبیعت فردوسی کے چمن سے گزرتے ہوئے وہاں پہنچکر گل کھلاتی ہی جس جگہ فردوسی پہنچنے سے کانپ اُٹھتا ہی۔

مولنا نظامی کی جامعیت بمقابلہ فردوسی

مولنا نظامی قصائد لکھتے ہیں غزلیں کہتے ہیں۔ مثنوی عشقیہ اخلاقی و صوفیانہ تصنیف کرتے ہیں اور اپنی سحرالبیانی کا خراج تحسین باکمال اساتذہ سے وصول کرتے ہیں لیکن فردوسی کا قلم جب رزم سے کسی دوسری طرف کا قصد بھی کرتا ہی تو تھرا اُٹھتا ہی شق ہو ہوجاتا ہی۔ یہی حال دوسرے مثنوی کہنے والے شعرا کا نظامی کے مقابلہ میں ہی۔ ہر ایک مثنوی گو ایک ایک صنف مثنوی پر قدرت

رکھتا ہے لیکن اقسام سہ گانہ مثنوی پر قوت و شوکت کے ساتھ صرف نظامی ہی کا قلم رواں ہے۔

خمسہ نظامی کا سو برس تک جواب نہ ہو سکا

الغرض اس خدائے سخن کی پانچ مثنویاں جو خمسہ نظامی کے نام سے مشہور ہیں ۵۹۷ھ میں مکمل ہو کر ایسی مقبول خاص و عام ہوئیں کہ ان کا جواب غیر ممکن سمجھا جانے لگا۔ اور اس طرح یہ خمسہ نظامی سو برس تک انا ولا غیری کا مدعی رہا۔ اب سو برس بعد تلک الایام نداولہا بین الناس کا یوں ظہور ہوتا ہے کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اس جوش و مستی سے بادیہ پیمائے سخن ہوتے ہیں کہ باوجود مشاغل گوناگوں و تصانیف متنوعہ تین برس سے کم عرصے میں نہایت کامیابی کے ساتھ خمسہ نظامی کی منزل سے قریب اپنے خمسہ خسروی کا خیمہ نصب کر دیتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

بیان مثنوی میں یہ صفحات جو فردوسی و نظامی کے متعلق لکھے گئے ان سے صرف اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اقسام نظم میں مثنوی اپنے ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی تھی کہ سو برس کے عرصہ میں جس قدر بھی کہ شعرا گزرے انہوں نے قصائد کہے غزلیں کہیں اور اسلاف سے کہیں زیادہ اپنے کلام کو محاسن و لطائف سے آراستہ کیا لیکن مثنوی کے ارادے سے جب نظامی کے خمسہ پر نظر ڈالتے تو جواب خمسہ جواب دے جاتے۔

حالانکہ اصناف نظم میں سب سے زیادہ مفید مثنوی ہی کی صنف تھی مسلسل مضمون اسی میں بیان ہو سکتا ہے اور اسی لئے شعرائے ایران نے مثنوی کی قسم ایجاد کی تاکہ واقعات و حالات تاریخی نظم کی دل آویزی سے مرغوب و پسندیدہ ہو کر بقا کی صورت میں آجائیں لیکن نظامی کے کلام کی بلندی نے سب کے حوصلے اس طرح پست کر دیئے تھے کہ مثنوی کی صنف قریب تھی کہ معدوم ہو جائے۔

یہ خسرو علیہ الرحمۃ کے کمال و زور بیان کا احسان ہے کہ عالم نظم میں سو برس بعد پھر مثنوی کا دورہ آیا۔

خسرو کا احسان اور مثنوی کی دوبارہ زندگی

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس خزینۂ نظم کے ابواب اپنی خداداد قابلیت سے اس وسعت و فراخی سے مفتوح کر دئے کہ آج تک شعرا اپنے اپنے حوصلہ و استعداد کے مطابق اس سے حصہ پا رہے ہیں۔

مثنوی پر یہ احسان حضرت خسرو علیہ الرحمہ کا ہے جن کے قلم اعجاز رقم نے پھر اسے ایسا زندہ کیا کہ آج تک یہ مردہ نہو سکی۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر خمسۂ خسروی کے سوا اور کچھ نہوتا تو بھی اُن کے کمال کا مسلم ہونا ظاہر تھا۔ اس لئے کہ نظامی علیہ الرحمۃ کے بعد مثنوی گوئی کا ارادہ شاعری کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔

مولانا نظامی کی تمام عمر کا جسے سرمایۂ ناز اور اُن کے چمن شاعری کا گل سرسبد کہا جاتا ہے وہ صرف مثنوی ہے۔

مولنا کی طبیعت میں نظم کی اس صنف سے خاص لگاؤ تھا اطمینان و فراغ

خاطر سے مشق اس کی بڑھاتے رہے یہاں تک کہ کلام کی بلندی اُس مرتبہ پر پہنچی
کہ خدائے سخن کا لقب ملا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ جنہیں اپنا وقت صبح سے شام تک
دربار شاہی میں بسر کرنا ہوتا تھا اور اُس کے بعد جب مہلت و فرصت ملتی تو اُسے
اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں سعادت اندوز فرماتے۔ اسی کشاکش وضیق وقت
میں جو لمحات کہ مل جاتے اُن میں شاعری کی طرف توجہ ہوتی۔

انصاف شرط ہے کہ ایک ایسے شخص کا خمسۂ نظامی کے مقابل جو اُن کی عمر کا
سرمایہ ہے تین برس میں خمسہ تیار کرنا کیا کرامت نہیں ہے۔

اس بحث کو ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے کہ خسرو کا خمسہ کہاں تک کامیاب
ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اس رسالہ کے آخری حصہ میں مبسوط بحث اسی مضمون پر ہے
ہفت پیکر و ہشت بہشت کا سیر کن مقابلہ کیا گیا ہے یہاں صرف اس قدر بیان
کرنا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے جب یہ دیکھا کہ شاعری کی ایک مفید صنف معدوم
ہوئی جاتی ہے نظامی کی ہیبت کسی کو قلم اٹھانے کی اجازت نہیں دیتی تو آپ نے
بسم اللہ کہہ کر ہمت مردانہ سے کام لیا۔ اور الحمد للہ کہ آپ کی سعی مشکور ہوئی جیسا کہ
خمسہ کی پہلی مثنوی مطلع الانوار میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ بملک سخن از پنج گنج — نوبتِ آں گنجہ نشیں گشت پنج
نوبت خسرو کہ بہ پیچش نواست — پنجہ زنِ نوبتِ آں خسرو ست
سازم ازاں ساں بسرائے سپنج — پنج کلید از پئے آں پنج گنج

کاںچہ بہر گنج بود ناپدید | فتح شود ہم بزبانِ کلید
آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں | فرق ندانند ازیں تا بداں
ملکِ کہن را چو گرفتم بہ تیغ | گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے خمسہ کو پانچ خزانے بتایا ہی اور اپنے خمسہ کو اُن خزائن کی کنجیاں یہ استعارہ اُس وقت اور بھی لطف دے جاتا ہی جب یہ دیکھا جائے کہ بعد خسرو علیہ الرحمۃ کے ستر سے بھی زیادہ خمسۂ نظامی کی طرز پر مثنویاں لکھی گئیں۔

منقولۂ بالا اشعار کے پچھلے دو شعروں سے یہ مقصود ہی کہ نظامی کی روش لفظاً و معناً اس طرح اختیار کی جائے اور بیان ایسا رنگین و مرصع ہو کہ تابع و متبوع میں فرق نہ معلوم ہو۔ پھر صرف یہی نہیں کہ محض اتباع نظامی اس خمسہ کا کمال ہو بلکہ خود اپنی مجتہدانہ قابلیت کا بھی ثبوت اس میں دیا جائے۔ چنانچہ جہاں خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے نظامی کی روش فتح کی ہی وہاں خزائن خسروی کے خاص جواہر بھی آیندہ آنے والوں کے لئے مینھ کی طرح برسا دیئے ہیں پس خسرو کا یہ کہنا بالکل صحیح ہی کہ؎

ملک کہن را چو گرفتم بہ تیغ | گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

اس امر کا ثبوت کہ خسرو نے جو کچھ اپنی مثنویوں علی الخصوص خمسہ کے متعلق کہا ہی وہ صرف جذبات شاعرانہ کی نغمہ سرائی نہیں ہی بلکہ ایک امر واقعی کا سچا او حقیقی بیان ہی اُس حصۂ کتاب میں ثابت ہو جائے گا جہاں نہایت تفصیل سے نظامی و خسرو کے

اشعار کا مقابلہ کیا گیا ہی۔

صنفِ مثنوی پر احسان خسروی کی تفصیل

لیکن اس جگہ مجمل طور پر اس کا اظہار ضروری ہی کہ صنفِ مثنوی پر وہ کونسا خاص احسان ہی جسے خسرو کی گوہر افشانی کہی جائے۔

(۱) ابھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہی کہ قدما کے کلام میں مثنوی کے لئے صرف تین بحریں تھیں نظامی علیہ الرحمۃ نے دو بحریں اس پر اضافہ کرکے مثنوی میں وسعت پیدا کی۔

بحورِ مثنوی میں ازدیاد

خسرو علیہ الرحمۃ کا جب زمانہ آیا تو آپنے پانچ پر دو بحریں اور بڑھائیں اور اس طرح مثنوی کے لئے سات بحریں ہوگئیں پھر آپنے ایک مثنوی لکھی جس کا نام نہ سپہر قرار دیا اور اس میں دو نئی بحریں اور بھی اضافہ کیں اس طرح چار تازہ بحریں مثنوی کو خاص خزانۂ خسروی سے عطا ہوئیں۔

(۲) نظامی کے عہد تک یہ دستور تھا کہ عنوان محض سادہ ہوتے مثلاً حمد نعت مدح سلطان وقس علیٰ ہذا۔ اسی قدر عبارت عنوان کے لئے کافی سمجھی جاتی۔

عنوان میں جدت

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی ایک جدت پیدا کی۔ آپنے اپنی مثنویوں میں عنوان کو ایک عجیب دلکش و رنگین نثر میں لکھا ہی دیکھو اسی ہشت بہشت کے عنوانات۔

چنانچہ مثنوی مطلع الانوار میں اپنی اس ایجاد کو خود فرماتے ہیں ؎

چوں شود آراستہ نظم چو دُر   از گہرِ نثر کنم خانہ پُر

ہر چہ نویسم بسر داستاں — راست کنم رہ زپئے راستاں
تا قلمِ ہر کہ دوا دو کند — پس روئ این روشِ نو کند

اس طرح عنوان قائم کرنے سے ایک یہ لطف بھی پیدا ہوگیا کہ جب پڑھنے والا ایک مضمون ختم کرلیتا ہی اور دوسرا شروع کرنا چاہتا ہی تو عنوان جو نثر میں تحریر ہی اپنی عبارتِ رنگین سے ذوقِ مذاق میں چاشنی پیدا کردیتا ہی اور اس تبدیلیِ ذائقہ سے طبیعت میں تازگی آجاتی ہی۔ مسلسل ایک ہی بحر میں اشعار جو آتے جاتے ہیں اُن سے تکان و سیری پیدا ہونے نہیں پاتی۔ پھر عنوان کا بیان و مضمون پر حاوی ہونا اور اُن حدود سے کم و بیش نہ ہونا جو عنوان سے مفہوم ہوتا ہی ایک عجب متکلمانہ کمال ہی۔

مثنوی نہ سپہر و قران السعدین میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہی کہ ہر عنوان پر ایک ایک شعر لکھتے چلے گئے ہیں۔ اگر اُن تمام عنوانوں کے اشعار مسلسل جمع کرلئے جائیں تو ایک پرزور قصیدہ ہو جاتا ہی۔ اس طرح بعض مثنویاں ضمن عنوان میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ بھی رکھتی ہیں۔

عنوان کا اپنے بیان و ماتحت مضمون پر حاوی و محیط ہونا یہاں بھی پایا جاتا ہی حال آنکہ قصیدہ نگاری نے اس راہ کو سخت سنگلاخ کردیا تھا۔

فن تقریر و تحریر کے نقاد اس کمال کی البتہ داد دے سکتے ہیں کہ عنوان و موضوع کے اندر رہ کر اس طرح لکھنا یا بولنا کہ نہ تو موضوع سے کلام بڑھکر نکلنے پائے نہ بیان کسی پہلو سے تشنہ رہ جائے، کس قدر اہم و معرکتہ الآرا ہی۔

غرض تحریرِ عنوان کا یہ جدید و دل پذیر طرز خاص ایجادِ خسرو علیہ الرحمۃ ہے۔ اگرچہ جس طرح اس کے موجد ہونے کا انتساب خسرو علیہ الرحمۃ کی طرف ہے اسی طرح اس کے خاتم بھی وہی ہیں (اس لئے کہ آیندہ آنے والے اس کی تقلید نہ کر سکے) لیکن اگر غالب دہلوی کی اُردو تحریر کی روش پچھلے نہ اختیار کر سکے تو اس سے غالب کی ایجاد اور کمال میں کیا نقص لازم آتا ہے۔

(۳) واقعات تاریخی یا قصص ماضیہ کو جن شعرا نے کہ نظم کیا مثلاً شاہنامہ سکندر نامہ اور یوسف زلیخا وغیرہ ان کا مرتبہ نظم میں آکر بہت ہی گر جاتا ہے لوازم شاعری کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ واقعات کی صورت بالکل متغیر و متبدل ہو جاتی ہے ایسی مثنویوں سے شاعری کی ترقی، زبان کی صفائی، محاورات کی چاشنی، بندش کی چستی البتہ حاصل ہوئی لیکن علمی و تاریخی فائدہ اُس سے حاصل نہ ہو سکا۔

مثنوی میں صحیح دلچسپی تاریخ

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی نگاری میں یہ بھی ایک کمال ہے کہ جہاں شعرائے سلف کی روش پر قصص منظوم فرمائے، وہاں شاعری و مثنوی گوئی سے ایک صحیح افادہ بھی فرما گئے۔ چند ایسی مثنویاں ہیں جن سے قطع نظر محاسن مثنوی کے تاریخی حالات نہایت محققانہ و ناقدانہ حیثیت سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً خضر خاں و دیول دی، تغلق نامہ، نہ سپہر، قران السعدین وغیرہ۔

ان کتابوں میں اُس عہد کے واقعات و حالاتِ سلطنت و سلاطین کی روش ارکین و اعیانِ دولت کا طرز اس تحقیق و خوبی سے نظم کیا ہے کہ آج اُس عہد کی بہت سی

تاریخی باتوں کا صحیح پتہ انھیں مثنویوں سے چلتا ہی۔ کتنی تاریخیں ہیں جن کی تصحیح کا ماخذ وہی مثنویاں ہیں۔

ہندوستان کے اُس عہد کی تاریخ کا جس نے ناقدانہ و محققانہ مطالعہ کیا ہی وہی شخص ان مثنویوں کو پڑھ کر صحیح دادِ خسرو کی شانِ مورخانہ کی دے سکتا ہی۔

سلاست | (۴) سلاست و صفائی اگرچہ دورِ ثانی کے کلام میں پیدا ہو چکی تھی لیکن نظامی علیہ الرحمۃ کی مثنوی میں کتنے مقامات ایسے پر پیچ ہیں جن کی گرہ شروح کے ناخن آج تک نہ کھول سکے مثلاً

سکندر نامہ میں جشنِ نوشابہ استعارات و تشبیہ کے ندرت میں ایک بے مثل بیان تسلیم کیا گیا ہی لیکن اُنھیں چند اوراق میں کتنے اشعار ایسے ہیں کہ آج تک اُن کا صحیح حل نہ ہو سکا۔ شارحین بہت کچھ لکھتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت نظامی کی روح سے بہ ادب تمام معافی ہی مانگنی پڑتی ہی۔ لیکن خسرو کی مثنویوں کو پڑھو۔ باوجود کثرتِ صنائع و بدائع (جو اُن کا روزمرہ ہی) بیان میں ایسی سلاست و صفائی ہی جس طرح سمندر کا شفاف پانی۔

شاعری میں مذہب و علم کا لحاظ | (۵) سب سے بڑی خصوصیت ان میں یہ ہی کہ ان کی مثنویوں میں شاعری تحقیقاتِ علمیہ و مسائلِ اسلامیہ پر کہیں غالب نہیں ہونے پاتی۔ ان کا قلم کہیں سے لغزش نہیں کرتا۔

مولٰنا نظامی نے (جن کا فضل و تقدس اظہر من الشمس ہی) مثنوی

ہفت پیکر میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے مذہبی نقطۂ نظر سے سخت قابل گرفت ہے لیکن یہ وہ اتہام شاعری ہیں جن سے شعرا کا کلام خالی نہیں ہوتا ہاں یہ خسرو علیہ الرحمۃ کا کمال ہے کہ شاعری کے تمام اسلحہ ان کی سرکار میں سب سے زیادہ رواں لیکن علم و مذہب اُن کے حملے سے بالکل مامون و مصئون۔

وصف نگاری کا ایجاد

(۶) وصف نگاری کا ایجاد بھی خسرو ہی کی قوت فکریہ و صحیح تخیل کا نتیجہ ہے شعرائے سلف محسوسات و موجودات خارجیہ کی الفاظ میں تصویر کشی نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ چیزیں بھی اس کی مستحق تھیں کہ ان کے بیان سے بھی نظم کا چمن آراستہ کیا جاتا۔ مثلاً

کسی شہر کے سواد کا اس طرح بیان کرنا جس سے اُس کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے یا وہاں کے پھول پھل کا بیان یا وہاں کی عمارتوں کا بیان۔

خسرو علیہ الرحمۃ نے قران السعدین میں اس طرح کے بہت مضامین نظم کئے ہیں شہر دہلی کی تعریف۔ اہل شہر کی تعریف۔ وہاں کی مسجد کی تعریف، کشتی کی تعریف کاغذ کی تعریف۔ منارہ کی تعریف وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے کثیر مضامین اُس مثنوی میں ہیں اور اس کا نام خسرو نے وصف نگاری رکھا ہے۔

جس طرح کسی شے کی تصویر اپنی اصل سے زیادہ دلکش ہوتی ہے اسی طرح اُس کا نظم میں بہ تمام و کمال بیان بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیتا اور شاعر کی قوتِ متخیلہ اور زور بیان سے خبر دیتا ہے۔ اس لئے خسرو علیہ الرحمۃ نے اس کی طرف

توجہ کی اور اس بیان میں بھی اپنا کمال ظاہر کر دیا چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بود در اندیشۂ من چند گاہ | تا کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ
چند صفت گویم و آبش دہم | مجمعِ اوصاف خطابش دہم
طرزِ سخن را روشِ نو دہم | سکۂ ایں ملک بہ خسرو دہم

الغرض اس طرح کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا ایزاد و ایجاد خسرو کی مجتہدانہ جدت آفریں طبیعت کا نتیجہ ہے۔

سلاطین میں خسرو کی مثنویوں کی قدردانی

اب ہم اس بیان کو صرف اس ایک مضمون پر ختم کرتے ہیں کہ خسرو کی مثنوی نگاری کی ان کے زمانے میں کیسی قدر ہوئی اس کے لئے صرف قطب الدین خلجی کی قدرافزائی ایک روشن بیان ہے۔

اس بادشاہ نے مثنوی نہ سپہر کے صلہ میں ہاتھی کے وزن سے ان کو سونا تول دیا چنانچہ خود قطب الدین کی زبان سے اسی نہ سپہر میں کہتے ہیں ؎

تاریخ ہمچوں من اسکندرے | کند ہر کہ آرائشِ دفترے
ز گنجِ گراں مایۂ بے شمار | دہم بار ریاشش آں پیل بار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل | کہ میداد زر ہمتر از خے فیل
شناسد کسے کش خرد رہنموں | کہ از پیل بارست وزنش فزوں
چو میراث شد پیل زر دادنم | نہ زیباست زیں سہل تر دادنم

بادشاہ کی اس قدرافزائی کا اسی مثنوی میں یوں شکریہ ادا کرتے ہیں ؎

شہا گنج بخشا کرم گسترا　　معانی شناسا سخن داورا

مرا عمر کز شصت بالا گزشت　　ہمہ پیشِ شاہانِ والا گزشت

زشاہاں کسے اولم کرد یاد　　معز الدنا بود شہ کیقباد

ازاں پس زفیروزہ چرخِ بلند　　شدم پیشِ فیروز شہ ارجمند

ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم　　تونگر زگنجِ علائی شدم

شد اکنوں کہ اقبال ہمدم مرا　　نوازندہ شد قطبِ عالم مرا

چنیں بخششی کز تو جم یافتم　　زشاہانِ پیشینہ کم یافتم

کنوں لا بد از سحر سنجے چو من　　باندازۂ بخشش آید بمن

جریدہ بریں پیش پرداختم　　چو ایں نامۂ خاص کم ساختم

خسرو کے کلام کی قدر افزائی جیسی کہ ان کے عہد میں ہوئی زمانہ مابعد میں بھی اُس کی عظمت و عزت وہی قائم رہی۔ چنانچہ خسرو کا تغلق نامہ جب کہ اُس کے چند اوراق فنا ہو گئے اور جہانگیر نے اپنے عہد ۱۰۱۱ھ میں اُسے کچھ نامکمل پایا تو اُس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ کسی طرح یہ مثنوی مکمل ہو جائے۔ شعراء دربار سے فرمائش کی ہر ایک نے طبع آزمائی کی لیکن حیاتی کا کلام بادشاہ نے پسند کیا۔ اگرچہ خسرو کے کلام میں کوئی پیوند تو کیا لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی اُس کے کلام کی شائستگی و متانت اس درجہ پر تسلیم کی گئی کہ اوراق گم شدہ کی جگہ حیاتی کا کلام پیوند کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس صلے میں حیاتی کو چاندی سونے میں رکھ کر تول دیا۔ چنانچہ کسی شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا

اور تاریخ یہ کہی۔ "شاعرِ سنجیدۂ شاہی"۔

ملک و قوم میں قدردانی خسرو کے کلام کی سلاطین وسلطنت نے جو عزت کی وہ ان دونوں عطایائے شاہی سے ظاہر ہے فارسی داں دنیا کی قدردانی اس سے واضح ہے کہ خسرو کی بہت سی مثنویاں بارہا مختلف مطابع میں طبع ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ قدردانوں تک پہنچ گئیں۔

اس بے توجہی ولاپروائی و بدمذاقی کے زمانے میں بھی جسے فارسی کا کچھ بھی مذاق ہے یا جہاں کہیں کتب خانے ہیں ایک ایک کتاب کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں اور یہ خصوصیات کچھ ہندوستانی کتب خانوں کی نہیں ہے بلکہ یورپ کا بھی کتب خانہ تصانیف خسرو سے معمور ہے۔ خدیو مصر کے کتب خانے کی فہرست جب دیکھی گئی تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب نے اپنے عجمی بھائی کے عجمی کلام کی خود اہل عجم سے کچھ کم محبت و حفاظت نہیں کی ہے بلکہ بعض خصائص جزئیہ میں وہ ممتاز خصوصیت رکھتے ہیں۔

تھوڑی کوشش سے ایک ایک کتاب کے دس دس اور بارہ بارہ نسخے تو خود کالج میں فراہم ہو گئے۔ کتنے گھر ابھی ایسے ہیں جہاں اور بھی نسخے موجود ہونگے بعض کا تو ہمیں علم نہوا اور بعض جگہ انکار و اخفا ہی کچھ کمال سمجھا گیا۔ چنانچہ بہار شریف میں خمسۂ خسرو کا موجود ہونا جب معلوم ہوتا ہے تو اُس وقت مولانا رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر کالج علی گڑھ نہایت شوق و ذوق میں سفر کرتے ہیں۔ بہار شریف پہنچکر صاحب کتاب سے ملتے ہیں۔ کتابیں دیکھتے ہیں۔ چند روز کے لئے کالج لانے کی ہر سعی جائز کرتے ہیں ہر طرح کی ضمانت پیش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ وہاں سے خمسہ

کالج نہیں پہنچ سکتا۔

عزیزان وطن! صدیوں بعد جب کہ مذاق سخن باقی نہ رہا کتابیں پنساریوں کی دوکانوں میں پہنچ کر پڑیاں باندھنے کے مصرف میں آنے لگیں قدیم علمی خاندان دین ویرا ہوگئے مصائب و آفات نے گھر کے گھر تباہ کر دیئے بہت سے قیمتی جواہر جنھیں اسلاف نے صدیوں میں کمایا تھا یکسر غارت ہو گئے۔ خسرو کی مثنویوں کا اس وقت تک باقی رہنا اس کے کمال مقبولیت و گرانمائگی کو مشعر ہے رہا اس کا گلہ کہ سیکڑوں نسخے کیوں نہ ملے۔ تلاش و جستجو کی زحمت ہی کیوں ہوئی۔ اس کساد علمی کے زمانے میں ایک امر فضول ہے

ہم مٹ گئے تو پرسش نام و نشاں ہے اب　　اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

اب اس پہلو سے بھی ایک نظر ڈالنی ضروری ہے کہ خسرو کی تصنیف سلسلہ تعلیم و تعلم میں کہاں تک مقبول ہوئی۔

سلسلہ تعلیم میں مقبولیت | سلسلہ تعلیم میں آپ کی مثنوی قران السعدین جو سب مثنویوں سے مقدم ہے ویسی ہی مقبول ہوئی جیسا کہ سکندر نامہ مولانا نظامی۔ بڑے بڑے فضلائے اجل نے اس کے حواشی و شروح لکھیں وقت تصنیف سے اس وقت تک کہ علوم مشرقی کی تعلیم ہندوستان میں جاری رہی قران السعدین داخل اصاب فارسی تھی۔

واقعہ ہے کہ یہ مثنوی نہایت ہی دلچسپ ہے یہ صرف اپنا تاریخی ہی پہلو نہیں رکھتی ہے بلکہ گوناگوں مضامین پر مشتمل ہے اور انھیں تنوعات نے اسے اس قدر مقبول بنا دیا ہے

نفس قصہ میں تو کوئی خاص دلچسپی ہی نہیں۔ اس لئے کہ باپ بیٹے کا دکھڑا ہی کیقباد بغرا خاں کا بیٹا سعادت فرزندی کو تہ کر کے باپ کے مقابلے میں آتا ہے۔ دہلی سے چل کر سرجو کے کنارے اس کی فوج پڑاؤ ڈالتی ہے۔ کچھ پیام و سلام کے بعد باپ بیٹے میں موافقت و مصالحت ہو جاتی ہے۔

اب کیقباد یہ چاہتا ہے کہ یہ بیہودہ واقعہ میری زندگی کا ایک با افتخار کارنامہ بن کر مشہور رہے۔ اسی خیال کی بنیاد پر خسرو سے نظم کرنے کی فرمائش کرتا ہے۔ یہ خسرو ہی کا کمال ہے کہ واقعات کو حقیقت کے دائرہ میں قائم رکھ کر اس طرح اس قصے کو نظم کیا ہے کہ کیقباد کی رندانہ زندگی اس کے عہد کی سرمستی اور اس کی تعیش پسند زندگی کا اہل شہر پر اثر سب کچھ اپنے لطف بیان سے لطیف پیرایہ میں کہہ گئے۔

اس مثنوی کی بحر اگرچہ وہی ہے جو نظامی کے مخزن الاسرار کی ہے لیکن اسلوب بیان و ترتیب مضامین خاص خسرو کا ایجاد ہے۔ یہ اسی ایجاد کا نتیجہ ہے کہ قران السعدین اس قدر مقبول ہوئی۔ اگرچہ اس ایجاد سے یہ نقص ضرور کتاب میں پیدا ہو گیا کہ کہیں کہیں واقعہ کا تسلسل باقی نہیں رہتا لیکن ایسے پھیکے و بدمزے قصے کے لئے تسلسل ایسا ضروری نہ تھا جیسا کہ دل آویز و دل پذیر ہونا ضروری تھا۔

قران السعدین کی پسندیدگی کی وجہ۔

قران السعدین نظم کے تین اصناف پر محیط ہے۔ قصیدہ، غزل، مثنوی اس طرح اس کتاب میں اقسام ثلٰثہ نظم کا لطف آتا ہے۔ جو قصہ کہ نظم کیا گیا ہے وہ خود ہندوستان کی صحیح اور سچی داستان ہے۔ اپنے ملک کے واقعات سے

دلچسپی ایک امر فطری ہے۔ پھر مضامین میں اس قدر تنوعات ہیں کہ ہر طرح کے خیالات موجود۔ کہیں بہار کا ترانہ ہے اور اُس کی نسیم کی عطر فشانی۔ کہیں لو کی لپٹ اور بادِ خزاں کے جھونکے۔ کسی جگہ سیرِ دریا اور کشتی کی روانی ہے اور کسی جگہ ساقی و جام کی گردش سے مستی و مدہوشی۔ صرف وصف نگاری کی تحت میں چالیس سے زیادہ اشیاء کا بیان آگیا ہے۔ لطف یہ کہ ان سب چیزوں کا تعلق ہند کی ہی خاک سے ہے۔ پھر کیوں ایسی کتاب مطبوعِ عام و خاص نہ ہوتی۔ ہر شخص کے جذبات کی ضیافت کا سامان جس چیز میں جمع ہوگا اُسے ہر شخص ضرور پسند کرے گا۔ قرآن السعدین کی یہی بوقلمونی اس کی شہرت و ہمہ گیری کی قوی و اصلی علت ہے۔ اس لئے اساتذۂ فن نے بھی اسے تعلیمِ فارسی کا ایک عنصر بنا دیا تاکہ طلبہ کو ایک ہی کتاب میں موقع موقع سے اصنافِ نظم کی تمام اقسام کا اجمالی علم ہو جائے۔ مضمون کی رنگا رنگی دلچسپی روز افزوں کرتی رہے۔

دوسری وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے ہی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ داخلِ درس نہ ہوئیں مثلاً

مثنوی خضر خاں و دیول دی کا اجمالی بیان

خضر خاں و دیول دی کا قصہ باوجود اس کے کہ خود موضوع رات سے اس پر داستانِ عشق و حسن جس میں حسن کی نازآفرینی عشق کی نیازمندی، فراق کے صدمے، وعدۂ یار کی لذتیں۔ یہ ایسے مضامین ہیں جنھیں اگر خاص ملک خسرو کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

پھر وہ شخص جس کے عشق کی داستان ہے خسرو کا اس سے تعلقات گوناگوں سبب سے

بڑا علاقہ یہ کہ دونوں ایک پیر طریقت کے حلقہ بگوش۔ آخر میں اُسی شاہزادہ کی جو وارث تخت و تاج تھا قسمت کا پلٹ جانا اور انقلاب دہر کا ایک عجیب و مہیب عبرتناک سماں یہ مضامین خسرو جیسے شخص کے لئے جو واقعات عالم پر غائر نظر رکھتا ہو اور اُن سے کل ممکن الاستخراج نتیجے نکال کر دنیا کے سامنے مقبول طبع صورت میں پیش کرسکتا ہو کیسے وسیع ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ خسرو کی تمام مثنویوں میں جوش سے لبریز یہی مثنوی خضر خاں دیول دیبی ہے اس مثنوی کی حمد و مناجات سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعر کس جوش سے اس قصے کو بیان کیا چاہتا ہے۔ مثلاً حمد اس شعر سے شروع کرتے ہیں ؎

سرِ نامہ بنامِ آں خداوند که دلہا را بخوباں داد پیوند

اس کے بعد مناجات ہے اور اُس کا اوّل شعر یہ ہے ؎

خداوندا چو جاں دادی دلم بخش دلِ عاشق نہ جانِ عاقلم بخش

یہ مثنوی کیا لکھی ہے سحر سامری کی تصویر کھینچ دی ہے۔ حاصل یہ کہ دیگر تاریخی مثنویاں جو سلسلہ تعلیم میں داخل نصاب نہوئیں تو اُس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ اُن مثنویوں میں کشش و تعلیم کی صرف ایک ایک ہی چیز تھی۔ باعتبار مضمون و موضوع تاریخ اور باعتبار نظم مثنوی حال آنکہ تعلیم اس کی مقتضی تھی کہ مختلف مضامین مختلف شعرا و مختلف دور کے پڑھائی جائیں تاکہ زمانہ تعلیم میں ہر دور کی خصوصیت ہر ایک کا انداز و اسلوب بیان طالب العلم کو معلوم ہو جائے۔ اسی خیال سے خمسہ نظامی میں سے سکندر نامہ جامی

کی مثنویوں میں سے یوسف زلیخا، سعدی کے کلام میں سے بوستاں اور خسرو کی تصانیف سے قران السعدین داخل نصاب کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ خسرو کی مثنویوں کو سلطنت، ملک اور تعلیم تینوں نے انتہائی عزت و پسندیدگی سے دیکھا۔

قطعہ و رباعی | غزل، قصیدہ، مثنوی میں جب کہ کسی شاعر کا کمال ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور صنف نظم کی بحث سے اُس کا کمال بے نیاز ہی۔ لیکن جب کہ یہ دیکھا جاتا ہی کہ بعض شعرا کے لئے صرف چھوٹی قسمیں نظم کی دلیل کمال سمجھی گئیں تو پھر یہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ خسرو جیسے ہمہ گیر شاعر کی خصوصیت کا نمونہ ان چھوٹی قسموں میں بھی دکھا دیا جائے۔

سب سے پہلے خسرو کا وہ قطعہ ہدیۂ ناظرین ہی جس میں اُنھوں نے موسیقی و شاعری کا محاکمہ کیا ہی[۵۸] کیوں کہ جہاں خسرو کو دیوان فطرت سے تمغاے شاعری ملا تھا وہاں فن موسیقی میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا پھر ان سے بڑھکر کس کا محاکمہ قابل وقعت ہوسکتا ہی۔

دیگر قطعات و رباعیات کا بھی یہی حال ہی کہ ہر ایک میں ایک لطف خاص اس طرح پایا جاتا ہی کہ اُن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ شاید خسرو کا اصلی میدان یہی ہی۔ لیکن یہ خصوصیت خسرو کی صرف قطعہ و رباعی کے ہی ساتھ نہیں ہی بلکہ اصناف نظم میں سے جس قسم نظم خسرو کا مطالعہ کروگے تو بے اختیار "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست" کہہ اُٹھوگے۔

---

۵۸ ملاحظہ ہو قطعۂ اول صفحہ ۱۴۳

قطعات

(۱)

مطربے میگفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن — علمِ موسیقی ز جنسِ نظم نیکوتر بود

زانکہ ایں علمیست کز دقت نیاید بر قلم — واں نہ دشوارست کاندر کاغذ و دفتر بود

پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم — ق — ہر دو را سنجیدہ بر وزنیکہ آں بہتر بود

فرق می گویم میانِ ہر دو معقول و درست — تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود

نظم را علمے تصور کن بہ نفسِ خود تمام — کو نہ محتاجِ سماع و صوتِ خنیاگر بود

گر کسے بے زیر و بم نظمے فرو خواند رواست — نے بمعنی ہیچ نقصاں نے بلفظ اندر بود

ور کند مطرب بسے ہاں ہاں و ہوں ہوں سرود — چوں سخن نہ بود ہمہ معنیِ او ابتر بود

نالہ زیرا ہیں کہ صوتے دارد و گفتار نے — لاجرم در قول محتاجِ کسے دیگر بود

بس دریں صورت ضرورت صاحبِ صوت و سماع — از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود

نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش — نیست عیبے گر عروسِ خوب بے زیور بود

من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر — ور نداند پرسد از من ور نہ پرسد خر بود

دیگر

زافسردگاں مجو اثرِ زندگیِ دل — نے از مزاجِ ظالم سوزندہ خوے خوش

نے شعلۂ بر آتشِ لالہ تواں فروخت — نے از گلِ چراغ تواں یافت بوے خوش

دیگر

از جود و کرم قبولِ حق جوئے — خود نام بود گر آنت میل ست

مقصود ز سرمه نورِ چشم ست — زیبائی چشم خود طفیل ست

دیگر

روشن دلانِ صاف درون را خلل بود — در کارِ خلق چشم کشادن بخیر و شر

پوشیده نیست نزدِ همه کس که طاس را — سوراخ عیب باشد و غربال را هنر

دیگر

خسرو چه حالت ست که در دهر عالمان — از جاهلانِ دونِ دنی باز پس ترند

این نکته را ببین و بانصاف خوش برآے — کز چار حرف قطره و دریا برابرند

دیگر

اقبال را بقا نه بود دل درو مبند — عمرے که بر غرور گزاری هبا بود

ور نیست باورت زمن این نکته یاد گیر — اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

دیگر

رفتم سوے حظیره و بگریستم هزار — از هجر دوستان که اسیرِ فنا شدند

ایشان کجا شدند چو گفتم حظیره هم — داد از صدا جواب که ایشان کجا شدند

رباعیات

توحید

ہر جا کہ سخن ز ربت و بتر افتد — وہ کین دلِ بت پرست آں سو افتد
یارب تو مرا درونہ دہ کہ بصدق — ہو گویم و اندر دلِ من ہو افتد

نعت

از عز محمد ار نداری خبرے — کن از رہِ عقل در شہادت نظرے
اللہ و محمد ست پیوستہ بہم — یعنی کہ میانِ شاں نہ گنجد دگرے

دیگر

وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد — سبقِ ادبت نعبد ایاک آمد
توقیعِ تو کز صحیفہ پاک آمد — لولاک لما خلقت الافلاک آمد

دیگر

اے آنکہ شدہ طفیلت آدم پیدا — گشت از سببِ تو چرخِ اعظم پیدا
نورِ تو نہ گنجید چو در یک عالم — بہر تو خدا کرد دو عالم پیدا

مدح پیر

از شیخ نظام چوں سلام ست مرا — با حسنِ عمل عیشِ بدام ست مرا
امید پسِ مراد و کام ست مرا — زیرا ہمہ کار با نظام ست مرا

تصوف

بستاں چو بسر کشید پیرایۂ ابر — آوردہ بروں شیر فرو دایۂ ابر
گل بسکہ لطیف و نازک آمد در باغ — ترسم کہ گراں شود بروسایۂ ابر

دیگر

دل در شکنِ زلف دوتاے تو بماند — جاں نیز چو ذرہ در ہواے تو بماند
ہرکس سرِ خود گرفت و رفت از کوئے — الا سرِ من کہ زیر پاے تو بماند

عشق

جاناں منیشں بر گزرے تیزی آہ — آتش رسدت ز آتش انگیزی آہ
تا در سرِ کوئے تو نہ پنداری سہل — شب گردی گریہ و سحر خیزی آہ

دیگر

مائیم خرابِ جرعۂ می خوارا ں — مارا چہ غم از طعنۂ نیکو کاراں
از سرکہ لکد می خورد از خماراں — کے غم خورد از سرزنشِ ہشیاراں

دیگر

اے غم ہمی کہ برمنِ غم خوار آئی — وقتت چہ شود گر بدلِ یار آئی
دی شب کہ سیاہ میکنی روزِ مرا — یارب کہ بروزِ من گرفتار آئی

دیگر

دوشش آمد و وعدۂ شرابم می داد | خونابہ بجائے مَی نابم می داد
می پرسیدم حالِ دل او خاموش بُود | واں زلف بجائے او جوابم می داد

دیگر

از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست | با او سرِ سوزنے دلم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نہ زما دور کہ ما | آتش بدلے زنیم کو سوختہ نیست

اقسام پنجگانہ نظم میں خسرو کے کمال و زور بیان کا ایک مختصر نمونہ پیش کیا جا چکا۔ اب چند فرعی و جزئی باتیں ہیں جن کا اظہار بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا۔

صنائع و بدائع | اختراع معانی و بدائع و صنائع میں خسرو خسروِ شاعرانِ سلف و خلف ہیں۔ اگر اُن کے اختراعات کی بحث چھیڑی جائے تو ایک دفتر طویل ہوگا۔ اعجاز خسروی متعدد بار چھپ کر فارسی داں دنیا میں شائع ہو چکی ہے۔ جسے شوق ہو وہ اُسے مطالعہ کرے۔ بس خدا کی قدرت اُسے نظر آئیگی۔ اس جگہ ان کی ایک ایسی صنعت کا ذکر کرتا ہوں جس کی کوشش دیگر شعرا نے بھی کی ہے۔

ترکیب الفاظ سے لحن | یعنی ان کے کلام میں اکثر الفاظ کی ترکیب و نشست سے ایک لحن خاص پیدا ہوتا ہے اور اسی سے لحن کے تعاقب پڑھنے والے کے دماغ میں جذبات کی لہریں جنبش مارنے لگتی ہیں۔ مثالاً ذیل کے اشعار و مصرعے ملاحظہ ہوں ؎

درشتِ گنج ہمی برد رنج | گنج بر د رنج دے گنج سنج

باش بکامم کہ بکامِ توام　　　　زندہ و نازندہ بنامِ توام

ع تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فر سکندر در

ع سناں قاراں قلم ہاماں علم خاقاں دہل سنجر

فردوسی نے نقارہ کی آواز کو ایک شعر میں اس طرح باندھا ہے کہ شعر بھی بامعنی رہا اور ایک مصرع کے الفاظ سے نقارہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

زنقارہ آواز آمد بروں　　　　کہ دوں ست دوں ست گردونِ دوں

یہ شعر فردوسی کا بہت مشہور ہے اور اُس کے اس کمال کا بہترین نمونہ۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا ایک شعر نعت میں ہے جس کے مقابلہ میں فردوسی کی یہ صنعت خاک میں ملجاتی ہے۔ خسرو کا یہ شعر ہے ؎

دہل زن دہل زد بہ تحسینِ او　　　　کہ دینِ دینِ او دینِ او دینِ او

علم موسیقی سے آشنا ارباب ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ خسرو کے شعر کا پایہ کس قدر بلند ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف ایک بامعنی مصرع کے الفاظ آوازِ دہل ادا کئے ہیں بلکہ اس میں تال اور سر کے اصول کی پوری پابندی ملحوظ رکھی ہے۔ اگرچہ خسرو جیسے شاعر کے لئے جو فن موسیقی کا بھی امام ہو فردوسی کے جواب میں اُس سے بہتر شعر پیش کردینا ایک معمولی بات ہے۔
اسی طرح خسرو کی ایک رباعی مشہور ہے جس کے چوتھے مصرعہ میں اسی کمال کا اظہار ہے

آں روز کہ روحِ پاکِ آدم بہ بدن　　　　گفتند درآ نمی شد از ترسِ بدن
خواندند ملائکاں بہ لحنِ داؤد　　　　در تن در تن درآ درآ در تن در تن

تکرار لفظ اور اختلاف معنی | ایک ہی لفظ کو مختلف پہلوؤں سے استعمال کرکے مختلف معنی پیدا کرنے میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا تمثیلاً ذیل کے ابیات دیکھو۔

پیمانۂ دوست پُر ز دُر کرد　　پیمانۂ خصم نیز پر کرد

در چپ زدن خرد شوی رہت　　دانی چپ خود ز جانب راست

الفاظ ہندی کا استعمال | ہندی کے الفاظ بھی نہایت سلاست سے بے تکلف استعمال کر جاتے ہیں جس سے کلام میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

ہم بہ نشستہ چوں دریا لگی نہ چرخ کنار آمدہ

خان کرہ جھوے کشور کشا　　کز لب شاہاں کڑہ دارد بہ پا

دوسرے مصرعہ میں لفظ کڑہ سے وہی پاؤں کا زیور مُراد ہے۔

اقتباس آیات قرآن | آیات کلام الٰہی سے اپنے اشعار میں یہ ایسی مرصع کاری کرتے ہیں کہ دل پھڑک اُٹھتا ہے۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

حرز کلہ بستہ ز او حی ابہ　　چتر سیہ کردہ ز اسری بہ

زیر نگیں عرصہ ملک حمش　　خطبۂ هب لی رقم خاتمش

نَعۡبُدُ اِیَّاكَ طراز علم　　فاخلع نعلیك مقام قدم

اکثر اشعار کے دوسرے مصرعہ میں کلام پاک کی کامل آیۃ تلاوت فرمائی ہے اور یہ وہ کمال خسرو کا ہے کہ کسی کے کلام میں اس فراوانی سے اس کی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً اشعار ذیل کو دیکھو ؎

چہ ملامت کنید خسرو را　　فَاتَّقُوا اللّٰهَ یَا اُولِی الۡاَلۡبَابِ

قضا در ہفت سقفش دید و برخواند　　بَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا

اوّل آں اولیں خلیفۂ کار ثانی اثنین اذ ھما فی الغار

فصل بہار | مناظر قدرت میں بہار کا سماں ایک ایسا مضمون ہے کہ شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہوگا جس نے اس منظر کی تصویر نہ کھینچی ہو۔ لیکن یہی مضمون جب خسرو کے یہاں آتا ہے تو پھر اس کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے خسرو نے جہاں کہیں ابر و بہار باغ و کہسار گل و گلزار کا نقشہ کھینچا ہے وہاں ہو بہو فوٹو پیش کر دیا ہے۔ مثالاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

چوں نافہ کشاد باد نوروز
بشگفت بہار عالم افروز

ابر از صدفِ سپہر بکیر
در گوشِ بنفشہ ریخت گوہر

سرو از علم بلند پایہ
بر فرقِ چمن فگند سایہ

از شبنم گوہریں شمائل
آراست گلوے گل حمائل

غنچہ بدر آمد از شبستاں
پر شیر شدش زا بر پستاں

بید از سرِ عجز چوں گہروار
شد بر سر پایمیں گہربار

نازک تنِ لالۂ دل افروز
لرزیدہ شد از نسیم نوروز

خود اپنے کلام کی تنقید | باایں ہمہ کمال وہ اپنے کلام و شاعری کو خود پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں اپنا مرتبہ آپ بتاتے ہیں اور تواضع کا بیش بہا نمونہ پیش کرتے ہیں ؎

مشو خسرو بشعرِ خویشتن غرہ
کہ گوینده بسے ہست از پس و پیش

چو گفتِ خویش را بے عیب خواہی
بچشمِ دشمناں بیں گفتۂ خویش

ہمہ کس گفتِ خود را خوب داند　　وگر یارست ہم تحسیں کنند بیش

دیباچہ غرۃ الکمال جو شعر وسخن پر ایک بے نظیر تبصرہ کہا جاسکتا ہے اُس میں شعرا کی تین قسمیں خسرو علیہ الرحمۃ نے بیان کی ہیں اوّل اُستاد کامل دوم نیم اُستاد سوم سارق پھر اُستاد کامل کے لئے چار شرطیں قرار دی ہیں۔ اوّل کسی طرز خاص کا موجد ہو۔ دوم اُس کا کلام شعرا کے انداز پر ہو واعظانہ وصوفیانہ نہ ہو سوم یہ کہ غلطیاں اور لغزشیں نہ کرتا ہو۔ چہارم یہ کہ مضامین سرقہ نہ کرتا ہو۔

پھر اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ میں اُستاد کامل نہیں ہوں ہاں نیم اُستاد ہوں اس لئے کہ مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو میرا کلام شعرا کے انداز پر ہے دوسرے یہ کہ میں سارق نہیں ہوں۔ میں نہ تو کسی طرز خاص کا موجد ہوں نہ اس کا مدعی کہ میرا کلام لغزشوں سے پاک ہوتا ہے۔

انصاف پرستی و بے نفسی کی مثال اس سے زیادہ واضح اور کیا ہوسکتی ہے حاسد و معاند بھی اگر خسرو کا پایہ کم کرنا چاہے تو اس سے بڑھکر اور کیا کہہ سکتا ہے۔ اس طرح اپنے کلام کی آپ تنقید بے شائبہ نفس خصوصیات بلکہ اولیات خسرو ہے۔

تواضع و ہضم نفس | صاحبِ کمال کا یہ بھی کمال ہے کہ اُس میں شائبہ تک پندار وخودی کا نہ پایا جائے۔ نقادانِ فن کی نگاہوں میں جس قدر ایک باکمال کی عظمت بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر خود اُس کے انداز میں تواضع بڑھتی جاتی ہے۔

ارباب قلم میں جتنے باکمال سخنور گزرے ہیں اُن میں کوئی رزم کا سماں باندھنے

یں کامل ہی کوئی بزم کا نقشہ کھینچنے میں یکتا ہے کوئی غزل سرائی میں بے نظیر ہے کوئی قصائد میں بے ہمتا ہی کوئی اخلاقی رنگ میں فرید ہے کوئی متصوفانہ و حکیمانہ آہنگ میں بے مثل۔ لیکن ایک جامع کمالات جس کے رشحات قلم سے نثر و نظم کی تمام اصناف نے تر و تازگی پائی ہو اور جس نے اپنی پرجوش طبیعت کے اوج و موج سے مضامین گوناگوں کا دریا بہا دیا ہو جب وہ اپنی ہیچمدانی کا اظہار کرتا ہے تو اُس سے اُس کا کمال اور بھی ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہی جیسا کہ خسرو علیہ الرحمۃ باوجود اُس جامعیت کے جو اُنھیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اپنی کم مائگی و بے بضاعتی اس طرح بار بار بیان کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ غرور و پندار کا ایک شمہ بھی اس کامل الفن میں نہ تھا۔ حالانکہ شعر و سخن کا وہ میدان ہی جس میں تلامذہ نے اپنے اساتذہ کو ہل من مبارز کہہ کر پکارا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کمال ہی کہ اساتذہ متقدمین جن کا کلام ابتدا میں آپ نے مطالعہ فرمایا تھا اور جن کی پختہ و پسندیدہ روش آپ نے اختیار کی اُن کا نام بھی ادب سے لیتے ہیں اپنے کو اُن کا ارادت مند و شاگرد بتاتے ہیں اپنے تلمذ کو اس جوش عقیدت سے ظاہر کرتے ہیں کہ واقعی تلامذہ جو اُن اساتذہ کے ہوں گے اُنھوں نے بھی اس سے زیادہ ادب آمیز کلمات شاید نہ کہے ہوں گے۔

نظامی سے اظہار عقیدت اور اُن کے کمال کا اعتراف	امام مثنوی گویان مولانا نظامی علیہ الرحمۃ کے کمال اور اُستادی کا اس جوش عقیدت سے بار بار مختلف

مثنویوں میں ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اُن کے عہد میں موجود ہیں اور اُن سے اپنے مثنویوں کی اصلاح لے رہے ہیں۔ چنانچہ مثنوی مجنوں و لیلیٰ میں فرماتے ہیں ؎

زندہ است بمعنی اوستادم | ور نیست منش حیات دادم

مولانا کا کمال اور اپنی بے مائگی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

میداد چو نظم نامہ را پیچ | باقی نگذاشت بہر ما ہیچ

مثنوی قران السعدین میں حسن الفاظ سے مولانا کا کمال بیان کیا ہے وہ آداب سلف کا بہترین سبق آموز نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نظم نظامی بہ لطافت چو دُر | وز دُر او سر بسر آفاق پُر
پختہ ازو شد چو معانی تمام | خام بود پختن سودائے خام
ہر کہ دریں جنبش طبع آزمائے | سر بنہی اوّل و آنگاہ پائے
مثنوی او راست ثنائے بگو | بشنو و از دور دعائے بگو
از پئے بخشش بخدا آرزوے | لیک عنایت ز بزرگاں بجوے
سوز سخن رانہ بخامی طلب | پختگیش ہم ز نظامی طلب

اسی طرح جا بجا غزل سرائی میں اپنے ہمعصر و ہم عہد شاعر کہن مشق و دیرینہ سال سعدی علیہ الرحمۃ کی جو شیراز میں بیٹھے ہوئے حقایق و معارف کی نغمہ سرائی غزلیات میں کر رہے تھے اُستادی تسلیم فرماتے ہیں۔ قران السعدین میں فرماتے ہیں ؎

ور غزلت یاد جوانی دہد — وز خوشی طبع نشانی دہد

تن زن ازاں ہم کہ کساں گفتہ اند — ہرچہ توگوئی بہ ازاں گفتہ اند

نوبتِ سعدی کہ مبادا کہن — شرم نداری کہ بگوئی سخن

پھر اپنی ایک غزل کے مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت — شیرہ ازاں خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

مثنوی نہ سپہر میں ایک جگہ سعدی و ہمام دونوں کو اُستادِ غزل تسلیم کرتے ہوئے اُن کے دیگر اصناف نظم پر نہایت محققانہ و مودبانہ تنقید فرماتے ہیں ؎

کس نہ بیند سوے نظمِ دگیر — کہ نہ گردد بدلے منزل گیر

چوں نماند بدلے نطقے یاد — گرچہ شہزادہ ہماں دل کہ نداد

تابجائیکہ صد پارسیاں — اندریں عہد دو تن گشت عیاں

زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام — ہر دو را در غزل آئین تمام

لیک اگر سوے دگر بارے ہست — شعرشاں ہست بداں گونہ کہ ہست

دیباچہ غرۃ الکمال میں نہایت وضاحت سے اس کی تصریح خسرو علیہ الرحمۃ نے خود فرمادی ہے کہ اصناف نظم میں سے کس پیشرو کی روش کس صنف میں اختیار فرماتے ہیں تفصیل کے لئے ناظرین کو غرۃ الکمال کی اشاعت کا منتظر رہنا چاہیئے۔ لیکن مجملاً اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

قصائد میں خاقانی و اسمٰعیل کا پیرو ہوں مثنوی میں نظامی کا غزل میں سعدی کا

اتباع کرتا ہوں لیکن قطعات و رباعیات و دیگر اقسام نظم میں کسی غیر کے مسلک کا سالک نہیں ہوں بلکہ جو کچھ کہتا ہوں اور جس طرز و اسلوب میں کہتا ہوں وہ خود اپنا ہی ایجاد ہے"

اس بیان سے مقصد یہ ہی کہ خسرو کے کمال کا یہ پہلو بھی ناظرین کے سامنے آجائے کہ ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

ورنہ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظم آپ کی فطری چیز ہے اس روانی سے یہ نظم لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہو۔ گویا ان کے خیالات عالم بالا سے نظم ہی کے پیرایہ میں ان کے دماغ میں اُترتے ہیں۔

مضمون آفرینی میں یہ کسی کے مرہون منت نہیں بلکہ اپنے ہی دماغ کے معدن سے انھوں نے صفحۂ قرطاس پر لال و گہر اُگل دیے ہیں چنانچہ خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں

ہر چہ من از خامہ فشانم بروں　　　گنج خدا ئیست کہ رانم بروں

لیکن یہ محض اسلاف کا پاس ادب ہی جو اُن کے برابر بیٹھنے کا دعوی نہیں کرتے اور نہایت انکسار سے یوں فرماتے ہیں ؎

چوں پس رو طرز ہر سوادم　　　پس شاگردم نہ اوستادم

متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف

اس ادب شناسی کا یہ صلہ ملا کہ خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصرین اور شعرائے مابعد ہر ایک نے خسرو کو اپنے سے بہتر اور اپنا رہنما تسلیم کیا۔ ان کے کمال کو باکمالوں نے پہچانا اور ادب سے سر تسلیم خم کیا۔

امیر حسن علا سنجری جو خسرو علیہ الرحمۃ[1] کے ہم عصر اور غزل کے بے مثل اُستاد ہیں

جب وہ اپنے کلام کا خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں ؎

خسرو از راہ کرم بہ پذیرد | انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست | سخن این ست کہ من می گویم

ملا عصمت بخاری اور بابا کمال خجندی جیسے باکمال اساتذہ بھی خسرو علیہ الرحمۃ کے خوشہ چیں ہیں بہارستان میں مولانا جامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور کاتبی نیشاپوری نے ملا عصمت کے خصوص میں نہایت ہی لطیف قطعہ کہا ہے۔

(۲) قطعہ کاتبی نیشاپوری

میر خسرو را علیہ الرحمۃ شب دیدم بخواب | گفتم ایں عصمت ترا یک خوشہ چینِ خرمنست
شعر او چوں شعر تو اندر جہاں شہرت گرفت | گفت با کے نیست شعر او ہماں شعر منست

بابا کمال خجندی جو عجم کے ایک مشہور سخنور اور خواجہ حافظ اور عصار تبریزی کے معاصر و حریف مقابل ہیں ان کے متعلق امیر شاہی سبزواری یوں کہتا ہے۔

(۳) قطعہ امیر شاہی سبزواری

گر حسن معنی ز خسرو بر دنتواں عیب کرد | زانکہ اُستا دست خسرو بلکہ ز استاداں زیاد
در معانی حسن را برد از دیواں کمال | ہیچ نتواں گفتن او را دزد بردز داو فتاد

کمال سے مراد بابا کمال خجندی کی ذات ہے۔

(۴) قطعہ مرزا محمد طاہر آشنا

کسی نے مرزا محمد طاہر آشنا سے پوچھا کہ اگلوں میں کس کا کلام دلفریب ہے اور پچھلوں میں

کس کا شعر دلپذیر ہی اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھکر مرزا محمد طاہر نے بھیجدیا۔

اے کہ سوال کردہ کز متقدمین کرا ہست زیادہ در سخن شعر بلند و دل نشیں

وز متاخریں بود شعر خوشش کہ بیشتر بیش ز ہمگناں بود طبع کہ معنی آفریں

نزد من اندریں سخن زیں دو گروہ ایں دو تن خسرو دہلوی از آں قدسی مشہدی ازیں

ظہوری جو اپنے زمانہ میں نظم و نثر کا بے نظیر استاد تسلیم کیا گیا ہے وہ اُن مدعیان باطل کی بدمذاقی کا جنھیں خسرو کی ہمسری کا سودا سما گیا تھا اس طرح گلہ کرتا ہی۔

(۵) ظہوری اور بارگاہ خسروی کا ادب

بساط ادب بر کراں افگنند بہ خسرو غزل درمیاں افگنند

اس شعر سے معلوم ہو سکتا ہی کہ ظہوری کا دل خسرو کی عظمت سے کس قدر لبریز ہے خسرو کے بعد سب سے اول خواجو کرمانی ہیں جنھوں نے اپنا خمسہ مرتب کیا ہی ان کے شاعرانہ کمال کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ جیسا مست باجوش و خروش شاعر بھی ان کا نام ادب سے لیتا ہی اور اپنے کو ان کا متبع کہتا ہی وہ اپنی مثنوی کمال نامہ میں خسرو کا اتباع کرنے والا اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

(۶) خواجو کرمانی اور خسرو کی تقلید

سوختم ایں لخلخہ خسروی در طبق موہبت مولوی

مولانا جامی جن کی مثنوی نگاری خصوصیت کے ساتھ ممتاز سمجھی گئی ہے وہ ایک جگہ مولانا نظامی کا امام مثنوی گویاں صرف اس امر سے اثبات کرتے ہیں کہ خسرو کا

خمسہ بھی نظامی کے خمسہ سے بڑھ نہ سکا بلکہ اُس کے بعد کا اُسے مرتبہ ملا۔ نظامی کا خمسہ دُرِ شاہوار ہی اور خسرو کا خمسہ زرِ خالص فرماتے ہیں۔

(۷) مولانا جامی اور خسرو

زو یرانہ گنجہ شد گنج سنج | رسانید گنجِ سخن را بہ پنج
چو خسرو بداں پنجہ ہم پنجہ شد | وزاں بازوئے فکرتش رنجہ شد
کفش بود زاں گونہ گوہر تہی | زرش ساخت لیکن زرِ دہ دہی

ان اشعار سے جہاں نظامی کا فضل ثابت ہوتا ہی وہاں یہ بھی ثابت ہی کہ نظامی کے بعد مثنوی میں خسرو ہی کا مرتبہ ہی۔ دوسرے مثنوی نگاروں کا مولسنا جامی کے نزدیک یہ مرتبہ بھی نہیں کہ اُن کا نظامی کے مقابلہ میں نام تک لیا جا سکے۔ چہ جائیکہ مقابلہ۔

(۸) مولانا جامی کی دوسری شہادت

مثنوی تحفۃ الاحرار کے خطبہ میں مولانا جامی یوں تحریر فرماتے ہیں "این صدف پارۂ چند ست بے مقدار از جست وجوئی کارگاہ بے سرانجامی گرد کردہ شدہ و خزف ریزۂ چند بے اعتبار از رفت وروب بزم گاہ شکستہ جامی فراہم آوردہ چہ قدر آں دارد کہ در سلک جواہر شاہوار مخزن الاسرار حکیم گرامی شیخ نظامی انتظامش دہند یا در جنب جام زرنگار مطلع الانوار مورد بدائع لفظی و معنوی امیر خسرو دہلوی نامش برند چہ آں در جودت الفاظ و سلاست عبارات بمنزلہ ایست کہ فصیح زبانان عجم در بیان اوصاف

آں عجمی اند۔ وایں در دقت معانی ولطافت اشارات بشابۂ کہ نادرہ گویانِ عالم در معرضِ جواب آں معترف بالکمی۔"

سخن سنج جام نے چند مختصر فقرات میں کیسی جامع تنقید مخزن الاسرار و مطلع الانوار پر کی ہے پھر نادرہ گویان کا مطلع الانوار کے جواب میں اپنے گنگ ہونے کا اعتراف خسرو کے اُستادِ فن ہونے کا کیسا کھلا اقرار ہے۔

(۹) مولانا جامی کی تیسری شہادت

مولانا جامی ایک جگہ خدا سے دعا مانگتے ہوئے جہاں اپنے سخن کا عروج منزل گاہ نظامی تک چاہتے ہیں وہاں اس کی بھی تمنا فرماتے ہیں کہ خسرو جیسی پختگی و لطافت میرے کلام میں پیدا ہو جائے ؎

اہل دل از فکر چو محفل نہند	بادۂ راز از قدح دل دہند
رشحہ ازاں بادہ بجامی رساں	رونق نظمش بہ نظامی رساں
پست چو خاک ست بریز از نوش	جرعۂ از جام گہ خسرو ش
قافیہ آنجا کہ نظامی سزاست	ہرگز ز قافیہ جامی سزاست
بر سر خسرو کہ بلند اختر ست	از کف درویش گلے درخور ست

(۱۰) امیر ہاشمی کرمانی اور کمال خسرو کا اعتراف

امیر ہاشمی کرمانی جو تقریباً مولانا جامی کے معاصر ہیں وہ اپنی مثنوی مظہر الآثار میں جو مخزن الاسرار کے رنگ میں لکھی ہے پہلے مولانا نظامی کے اُستادِ فن ہونے کا اقرار

کرتے ہیں۔ اُس کے بعد خسرو ہی کی اُستادی تسلیم کرتے ہیں خسرو کے بعد جامی کا مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خسرو کے متعلق اُن کے اشعار یہ ہیں ؎

چوں ز قضا لاحقہ نور سید | کوکبۂ نوبت خسرو رسید
خامہ برآورد بفکرِ جواب | ماند قلم بر ورقِ آفتاب
خامۂ خسرو چو گہر بار شد | نامۂ او مطلع الانوار شد
کرد دراں نامہ تکلف بسے | گفت جوابے کہ چہ گوید کسے
بزم سخن را بسخن ساز کرد | بر ہمہ کس راہ سخن باز کرد
فہم رموزش نکند ہر کسے | زانکہ معانیست بسے در بسے
زبدۂ اسرارِ حقایق ہمہ | محض اشارات دقایق ہمہ
گفتۂ او در نظر نکتہ داں | میدہد از علم لدنی نشاں
آنچہ دریں مائدہ افگند شور | سر ابہ از قوت طبع ست و زور
ایں مئے صاف از قدح دیگر ست | مستی او را فرح دیگر ست
ہست دریں بزم گہ دلفروز | نوبت ہر اہل دلے پنج روز
دورِ قدح طے شد و ساقی نماند | درخم دوراں مئے باقی نماند
چوں مئے خسرو بہ تمامی رسید | دورِ مئے عشق بجامی رسید

(۱۱) ضیاء برنی کا قول

مولانا ضیاء برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی جو خسرو کے ہم عصر ہیں تحریر فرماتے

ہیں۔ امیر خسرو خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت و ہر چہ نسبت طبع لطیف و موزوں کند باری تعالےٰ اورا دراں ہنر سرآمد گردانید و بود۔ وجودے عدیم المثال آفریدہ و در قرن متاخر از نوادر اعصار پیدا آوردہ۔

(۱۲) سفینۃ الاولیا میں دارا شکوہ کی تحریر

امیر خسرو در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع الانوار را کہ در جواب مخزن اسرار در دو ہفتہ تمام کردہ اند۔ و در اشعار ایشاں یکہ بیتہاست کہ کم کسے بآن خوبی گفتہ باشد۔ مضموں ہائے تازہ عالی در اشعار ایشاں بہ آں قدرست کہ اگر ہمہ را جمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ میشود و ہمیں طور در اقسام زبان و فنون علم ہندی بے مثل بودہ اند بجامعیت ایشاں کم کسے گزشتہ۔

(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وے سلطان الشعرا و برہان الفضلا ست در وادی سخن یگانہ عالم و نقاوہ نوع بنی آدم ست وے در سخن عالمے ست از عوالم خداوندی کہ پایاں ندارد آنچہ اورا از مضامین و معانی در اطوار سخن و انواع آں دست داد ہیچ کس را از شعرائے متقدمین و متاخرین ندادہ۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگر چہ طبقات محدثین میں ہیں لیکن نظم سے بھی حصہ وافر کے مالک ہیں۔ آپ کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت نظم منظوم کرنے پر شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کو خود بھی قدرت تھی بہرحال حدیث کی چھان بین کرنے والے کی نظر تنقیدی ہو ہی جاتی ہے۔ پس شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک جملہ مشعر کمال خسروی۔

(۱۴) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ امیرزادہ بالیسغر خمسہ خسروی کو خمسہ نظامی پر ترجیح دیتا تھا اور خاقان مغفور الغ بیگ اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس بحث نے یہاں تک طوالت اختیار کی کہ دونوں بادشاہوں میں کشاکش بڑھتی بڑھتے نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی پہونچی۔ آخر میں دولت شاہ خسرو علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ فقرات لکھتا ہے۔

القصہ معانی خاص و نازکیہائے امیر خسرو دہلوی و سخنہائے پرشور عاشقانہ او آتش در نہاد آدمی میزند خواجہ خسرو پادشاہ عاشقان ست از انش خسرو نام ست و در ملک سخنوری ایں نامش تمام ست درحق او مرتبہ سخن گزاری ختم ست۔

(۱۵) آزاد بلگرامی

رئیس المحققین میر غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ حضرت سعدی شیرازی کے کلام میں اگرچہ خال خال وقوعہ گوئی پائی جاتی ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے (شعر سعدی)

دل و جانم بتو مشغول و نظر در چپ و راست
تا نہ گویند رقیباں کہ تو منظور منی

مگر ناسخ نقوش مانوی حضرت امیر خسرو دہلوی وقوعہ گوئی کے بانی تسلیم کئے گئے ہیں حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بر رویش نظر نہفتہ کنم — چو سوے من نگرد او نظر بگردانم

ولہٗ

غلام آں نفسم کا مدم چو خانہ او — بخشم گفت کہ از در کشید بیرونش

ولہٗ

چو رفتم بر درش بسیار درباں گفت ایں مسکیں
گرفتارست شاید کایں طرف بسیاری آید

محقق بلگرامی ایک عجیب صنعت سے ان کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ یعنی خسرو کے دو شعروں سے دونوں آخر کے مصرعے لیتے ہیں اور اول مصرعہ اپنے طرف سے موزوں کر کے کلام خسرو کی داد دیتے ہیں ؎

آزاد — خسرو

اے خسرو شوخاں چہ کند وصف تو آزاد — خوباں عمل فتنہ ز دیوان تو یابند

دیگر

میر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزاد — از نمکدان تو شد تازہ گرفتاری دل

میر آزاد بلگرامی نے جو تنقید کہ کلام خسرو پر کی ہے مو بمو راست ہے۔ خود ایک غزل میں خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

روح لیلیٰ آید آموزد آئینہاے عشق
شعر خسرو گر رقم بر تربت مجنوں کنم

اگر تمام اقوال مصنفین کے جو خسرو علیہ الرحمۃ کی نفس شاعری کے متعلق ہیں جمع کروں تو ایک رسالہ ہو جائے۔ لہٰذا اسی قدر پر بس کرتا ہوں

کہ مثنوی میں بعد نظامی علیہ الرحمۃ کی خسرو دہلوی سے بہتر کسی نے مثنوی نہیں لکھی۔ مولانا جامی خواجو کرمانی امیر ہاشمی کرمانی آذر اصفہانی سلم السماوات شرح الشعرا والہ داغستانی وغیرہ یہ سب اس کے معترف و مقر ہیں۔ قصائد میں خاقانی اور غزل میں سعدی کے بعد ہیں۔ باعتبار جامعیت کے کوئی ان کا مقابل نہیں۔ صاحب شعر العجم کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۶) شعر العجم کی عبارت

"ایران میں جس قدر شعرا گزرے ہیں خاص خاص اصناف شاعری میں کمال رکھتے تھے مثلاً فردوسی و نظامی مثنوی میں۔ انوری اور کمال قصائد میں سعدی و حافظ غزل میں۔ یہی لوگ جب دوسری صنف میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے امیر قصائد مثنوی اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے ہیں مثنوی میں نظامی کے بعد آج تک ان کا جواب نہیں ہو۔ غزل میں وہ سعدی کے دوش بدوش ہیں قصائد میں ان کی چنداں شہرت نہیں ہوئی لیکن کلام موجود ہے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہیں۔"

اسی شعر العجم میں ایک دوسرے موقع پر ہے۔

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے صرف ایک

شاعری کرہو تو اُن کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی سعدی انوری حافظ عرفی نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم دکے ہیں مگر ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑہتیں۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے اور انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل مثنوی قصیدہ رُباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہیں۔"

خسرو کا حاسد عبید شاعر

صفحات تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ صاحب فضل و کمال کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ محسود ہو۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا باکمال گزرا ہو جس پر بعض بدنصیبوں نے حسد نہ کھایا ہو چنانچہ خسرو جیسا خوش طبع منکسر المزاج مسکین طبیعت محتاج دوست عاجز پرور اور دلنواز شخص بھی حاسدوں سے محفوظ نہ رہ سکا سچ ہے ع

گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

دربار شاہی میں ایک ایرانی عبید نامی تھا وہ فضل و کمال میں جب خسرو کا مقابلہ نہ کر سکا تو آتش حسد سے جل بھنکر کوئلہ ہو گیا۔ امیر خسرو پر طعن و تشنیع اور ان سے بغض و حسد ہی رکھنے کو اُس نے اپنا مایۂ ناز و افتخار سمجھا۔ صاحب شعر العجم کی بھی یہی رائے ہے شعر العجم کے الفاظ یہ ہیں "بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہے کہتا ہے کہ غلط او فتاد خسرو را انم خسرو کا خمسہ جب طیار ہوا تو اس حیرت افزا

کمال نے اُسے ششدر تو کر دیا لیکن حسد سے مجبور تھا داد کیونکر دیتا اس لئے کہ یہ شیوۂ اہلِ ہنر ہے نہ طریق حسود۔ آخر ایک شعر میں اپنے حسد ہی کا اظہار کیا ؎

غلط افتاد خسرو را زخامی
کہ سکبا پخت در دیگ نظامی

ادبی مذاق رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ اہل کمال کا ایک گروہ ایسا بھی گزرا ہے جسے معاصرین سے داد فضل کمال نہ ملی بلکہ بعض ایسے شرکارفن جو اُن کے علو شان کے سمجھنے سے قاصر تھے اُنھوں نے نہ صرف اُن کے کمال کا انکار کیا بلکہ مطاعن کی بوچھار کی ہے۔ لیکن جبکہ معاصرت جو تنافر کی ایک قوی علت بھی مٹ گئی تو پھر اُس کا آفتاب کمال ایسا چمکا کہ اُس کے انوار میں تمام ہلکی اور دھیمی روشنیاں جذب ہو کر فنا ہو گئیں۔

یاد ش بخیر غالب دہلوی کی شان میں اُس کے بعض معاصرین نے کیا کیا کچھ نہ کہا کسی نے تو یہ کہا ؎

کلام میر سمجھے ہم زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کی کہی یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

کسی نے اُس کے دیوان کے حجم و ضخامت پر یہ شعر چسپت کیا ؎

ڈیڑھ جزیر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آساں نہیں صاحبِ دیواں ہونا

اس شعر کے کہنے والے آوج تخلص عبداللہ نام دہلی کے ایک شاعر گزرے ہیں جنھیں یہ ناز تھا کہ سات دواوین مرتب کر چکا ہوں اور آٹھواں زیر ترتیب ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں :۔

"ایک دن رستہ میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے آج گیا تھا اُنھیں بھی سُنا آیا۔ میں نے کہا کیا کڑک کر بولے ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسہ میں مومن خاں بھی موجود تھے مجھ سے سب نے شعر کی فرمایش کی میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سُنائی مُقطع پر بہت حیران ہوئے ع

کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان ہفتمیں کا

پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں دیوان لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب آٹھواں ہے" چپ ہو گئے لیکن اب کہ وہ بساط لپٹ گئی۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہی ڈیڑھ جز کا دیوان ارباب بصیرت کی آنکھوں کی عینک بنگیا۔ اور عبداللہ خاں جو آٹھ دیوان چھوڑ گئے اُن میں سے آٹھ غزلوں کا بھی پتہ نہیں آج وہ اشعار جو غالب کی شان میں طنزیہ کہے گئے تھے کیا کچھ بھی واقعیت رکھتے ہیں؟

وہ شعرا اور اُن کے طعن آمیز اشعار کیا اس ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں کہ غالب کا کلام بے معنی و مُہمل ہے اور اسے صاحب دیوان نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ اُس کا

دیوان صرف ایک جلد ہی اور وہ بھی مختصر پس کیا عبید کے اس شعر کو جو اسکی حاسدانہ طبیعت کی یادگار ہی اس ثبوت میں پیش کرنا کہ اہل ایران نے خسرو کو مثنوی نگار تسلیم نہیں کیا آفتاب پر خاک ڈالنا نہیں ہی؟

عبید کا افساد اور اُس کا انجام صاحب منتخب التواریخ تغلق شاہ کا عہد بیان کرتے ہوئے ایک فتنہ کا یوں ذکر کرتے ہیں "دریں میان عبید شاعر مشہور مفتن معارض امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہ ایں بیت ازاں بدبخت شہرت دارد غلط او فتاد الخ امیر در اکثر تصانیف از دست او و سعد فلسفی شکایت ہا کردہ و شیخ زادہ دمشقی بہ تقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختند کہ سلطان تغلق نماند۔ دفتورے عظیم در اہل اسلام رفت" اس کے بعد فتنہ اور پھر اُس کے اندفاع کا ذکر ہے آخر میں مفسدین کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہی "عبید نیز ہم چناں منکوب بدست آمد و ایں جماعت را باخیل و تبار زیر پائے فیل انداختند در سنہ احدی وعشرین وسبعمأۃ" تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیا برنی کے الفاظ عبید کے متعلق یہ ہیں۔ بدبخت خبیث فتان و مشطط"

اس عبارت سے صاف واضح ہی کہ عبید ایک مفسد فتنہ پرداز بے مایہ اور معمولی قابلیت کا شخص گزرا ہی شعر و سخن میں اُسے کچھ دخل ہی لیکن اس فن میں اس کا کوئی خاص پایہ نہیں اُس عہد میں عبید جیسے شاعر ہندوستان کے ہر گلی کوچے میں تھے۔ اُس کے اخلاق کی خامی و کمزوری اُس کی فتنہ پردازی و فساد انگیزی سے ظاہر ہے۔ کسی تذکرے میں بھی فقیر کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اُس کے ثبوت شاعری میں

اُس سے کیا یادگار رہی نہ بعید کا دیوان ہے نہ مثنوی نہ قصائد۔ نہ کوئی اُس کے فضائل علمیہ ہی کا معترف ہی۔

خسرو کا اتباع اور اہل زبان

خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اسی جگہ نشو و نما پایا۔ اسی سرزمین میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوی لیکن کلام کا ایسا نمونہ چھوڑ گئے کہ اہل ایران نے اُس کی تقلید کی خسرو کے قصائد اہل ایران میں ایسے مقبول ہوئے کہ سلمان ساوجی وغیرہ نے بھی اُسے نمونہ بنا کر طبع آزمائی کی ہی جو شہادتیں کہ اوپر مذکور ہوئیں اُن سے اہل ایران میں کلام خسرو کی مقبولیت اور اہل زبان میں خسرو کے صاحب فن ہونے کا اعتراف بخوبی ثابت ہوتا ہے

ایک سطحی اعتراض اور اُس کا جواب

یہ اعتراض کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے رنگ میں مثنویاں کیوں لکھیں انھیں داستانوں کو مکرر نظم میں کیوں لائے یہ کوئی اعتراض نہیں ہی بلکہ تعصب کا نتیجہ ہے اس کا جواب پھر کیا دیا جائے۔ دنیا میں شاید ہی کسی موضوع پر ایسی کتاب کسی نے لکھی ہو جس موضوع پر اُس سے بعد آنے والوں نے اپنی قوت دماغی نہ صرف کی ہو بلکہ کبھی کبھی اتحاد موضوع کے ساتھ اتحاد اسم بھی پایا جاتا ہے۔ امام غزالی کی مشہور تصنیف تہافۃ الفلاسفہ ہے لیکن اسی نام کی اور دو کتابیں بھی موجود ہیں۔ ان تینوں کا موضوع ایک ہی لیکن انداز بیان ترتیب فصول سب میں جداگانہ ہی۔ شرح تجرید کے حواشی دیکھو دو نامور محقق یکے بعد دیگرے اس کا حل لکھتے ہیں اور دونوں کے حواشی کا ایک ہی نام ہے یعنی قدیمہ۔ اسی طرح ششیخ

بوعلی سینا کی معرکۃ الآرا کتاب اشارات ہے اُس کی بھی دو شرحیں ہیں اور دونوں شرح اشارات سے موسوم ہیں۔ شعر و شاعری میں جہاں صرف طبع آزمائی ہوتی ہے اُس میں اگر ایک ہی داستان کو دو شاعروں نے نظم کیا تو یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔

زورِ طبیعت کا اُسی جگہ صحیح اندازہ ہوتا ہے جہاں ایک ہی مضمون کو دو شخص بیان کریں اس سے ہر ایک کی قوتِ فکریہ کا زور اور اُس کی رسائی معلوم ہوتی ہے۔ بدیں وجہ خسرو شیریں۔ مجنون و لیلیٰ و داستان بہرام گور متعدد شعرا نے نظم کی ہیں جن میں سوائے امیر خسرو کے سب اہلِ زبان ہیں۔ پھر خسرو پر اس اعتراض کی تخصیص کیا ہے۔ خسرو نے نام رکھنے میں جو صنعت قلب سے کام لیا ہے اُس سے ایک لطف پیدا ہو گیا ہے مثلاً مولانا نظامی کی کتاب کا نام لیلیٰ مجنوں ہے اور ان کی مثنوی کا مجنوں لیلیٰ۔

اساتذۂ فن کے کلاموں پر جن کی نظر ہے اُن سے یہ امر مخفی نہیں کہ ایک ہی مضمون ہوتا ہے جسے ہر ایک شاعر کہتا ہے لیکن ہر ایک کا انداز جدا ہے ایک کی بندش الگ کہیں اگلوں کے کلام میں لطافت ہوتی ہے اور کہیں پچھلے اُس مضمون کو زیادہ پُر تاثیر بنا دیتے ہیں۔ مثلاً سعدی کا ایک شعر ہے۔

پہلی مثال

بجز ایں گنہ ندارم کہ محبِّ مہربانم ۔۔۔ بچہ جرم دیگر از من سرِ انتقام داری

اسی مضمون کو خسرو کہتے ہیں ؎

گفتم کہ ہمیں ترا غلامم ۔۔۔ گر ہست گناہِ من ہمین ست

خسرو کے شعر کا لطف ظاہر ہی صرف ایک لفظ غلام نے وہ خوبی پیدا کر دی ہی جو محب و مہربان کے دو لفظوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اُس پر گناہ کا اقرار حرف شرط کے ساتھ ایک عجیب لطف دے رہا ہی۔

کیا خسرو پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ جبکہ سعدی کا شعر موجود تھا تو پھر اس مضمون کے ادا کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا گیا۔

دوسری مثال

خسرو کا ایک شعر ہی ؎

گفتہ بودے خسروا در خواب رُخ بنمایمت ۔۔۔ ایں سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نیست

اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گفتی شبے بخوابِ تو آیم ولے چہ سود ۔۔۔ چوں من بعمرِ خویش ندانم کہ خواب چیست

خسرو جن کا زمانہ جامی سے بہت پیشتر ہے جبکہ اُن کا ایسا پر لطف شعر موجود تھا تو پھر جامی کو ایسا شعر لکھنا جو لطف میں بھی خسرو کے شعر سے پیچھے ہی کیا ضرور تھا۔ کیا یہ اعتراض مولانا جامی پر ایک فضول ولایعنی اعتراض نہیں ؟

تیسری مثال

میر تقی میر کا ایک شعر ہی ؎

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے ۔۔۔ آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

غالب دہلوی کہتا ہی ؎

یاد آگیا ہمیں تیری دیوار دیکھکر | سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا

خلاصہ یہ کہ کوئی مضمون جسے متقدم نے کہا ہو اگر اُسے کوئی متاخر کہے تو اگر دونوں کے کلام میں باعتبار بندش و ترکیب الفاظ مساوات ہو تو فضل متقدم کی طرف ہو گا۔ لیکن اگر متاخر نے اُس میں کوئی لطف پیدا کیا تو پھر یہ مضمون اُس کا ہو جائے گا اور یہ ایک طرح کی صنعت شمار کی جاتی ہے جسے ابداع کہتے ہیں۔

جواب کا دوسرا حصّہ | یہ واقعہ ہے کہ ہر شاعر کی طبیعت ایک خاص رنگ رکھتی ہے اور اُس کے بیان کا اسلوب ایک خاص طرز رکھتا ہے۔ اکثر کلام اُس کا اُسی رنگ و روش میں پایا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی وہ اپنے مخصوص طرز سے علیحدہ ہو کر کسی دوسرے طرز میں بھی طبیعت کی جولانی دکھاتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری روش بھی اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

مثلاً غالب کی نازک خیالی اور دقت پسندی ضرب المثل ہے جیسا کہ وہ خود کہتا ہے

سن سن کے اُسے سخنوران کامل | مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل

گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل | آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش

لیکن جب کبھی اُس کا جی چاہتا ہے تو اپنے خاص رنگ سے علیحدہ ہو کر سہل کہنے پر جو آتا ہے تو سہل ممتنع میں بھی اپنی اُستادی ثابت کر دیتا ہے۔ مثلاً اُس کی ان غزلیات کو دیکھئے جن میں سے ایک ایک شعر یہاں درج ہے ؎

آخر اس درد کی دوا کیا ہے | دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے

کب وہ سُنتا ہی کہانی میری　　اور پھر وہ بھی زبانی میری

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام　　ایک مرگ ناگہانی اور ہے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید　　نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

خسروؔ اور مجتہدانہ طبیعت | خسروؔ علیہ الرحمۃ ایک مجتہدانہ طبیعت لے کر اِس عالم کون و فساد میں آئے تھے۔ ناظرین تھوڑا صبر کریں نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے جود و کرم کا چشمہ عنقریب اُنھیں سیراب کر دے گا۔ بہت بڑا حصہ کلام خسروؔ کا تصحیح و مقابلہ کی منازل سے گزر کر تنقید و تقریظ کے مقام تک آ چکا ہی۔ جس وقت خسروؔ کا کلام ناظرین کے سامنے ہوگا اُس وقت یہ فیصلہ خود بخود ہو جائے گا کہ بیشک خسروؔ میں مجتہدانہ قابلیت موجود تھی۔ آپ کی مثنوی تغلق نامہ، خضر خاں و دیول دیبی اور مثنوی نہ سپہر آپ کی جدت و جودت آفریں طبیعت پر گواہ ہیں یہ تینوں تاریخی مثنویاں ہیں۔ واقعات ایسی صحت سے لکھے گئے ہیں کہ اُس عہد کی بہترین تاریخ یہی مثنویاں ہیں تاریخی بحث ایک خشک مضمون ہی لیکن خسروؔ نے اپنی جادو بیانی سے ایسا رنگین اُسے کر دیا ہی کہ تاریخ اپنی صحت کے ساتھ باقی رہی اور مضمون میں دلکشی و دل آویزی پیدا ہو گئی۔ نہ سپہر کی ترتیب بھی ایک جدت رکھتی ہی۔ اس مثنوی کے نو باب ہیں ہر باب کو سپہر سے تعبیر کیا ہی۔ پھر ابتدا نویں آسمان سے کی ہی اُس کے بعد آٹھواں پھر ساتواں اسی طرح پہلے سپہر پر خاتمہ ہے۔ ہر سپہر کا عنوان آخر میں ہوتا ہے اور ہر سپہر کی بحر ایک نئی بحر ہوتی ہی۔ اس طرح یہ مثنوی نو بحروں پر مشتمل ہی۔ خسروؔ کی اس مثنوی کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ بعضوں نے سبحۃ الابرار جامی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ

یہ مثنوی نہ سپہر کے ہم رنگ ہے۔ بغیر کتاب دیکھے جو اجتہاد و قیاس کیا جاتا ہے وہ ایسا ہی غلط ہوتا ہے
لیکن خمسہ میں خسرو نے اپنی روش چھوڑ کر حضرت نظامی کی روش اختیار کی ہے اور یہ
ثابت کر دیا کہ اس روش میں بھی مثنوی کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

میخواست بسے دلِ ہوس باز | کز سحرِ قدیم نو کنم ساز
پے بر پئے او چناں کہ دانم | گفتم قدمے زدن توانم
از شیوۂ خود رمیدہ گشتم | تسلیمِ ہماں جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونۂ پیش | بردم زمیاں تکلفِ خویش
زاں کردہ ام ایں نوائے خوش ساز | تا گوشِ زمانہ را کنم باز
ذوقے کہ دریں دمِ حیات ست | ہمشیرۂ اولیں نبات ست

خسرو علیہ الرحمۃ اپنی مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق آخر شعر میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اولیں
نبات (یعنی لیلیٰ مجنونِ نظامی) کی ہمشیرہ ہے۔ جس طرح کہ یہ مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق دعویٰ
کیا گیا ہے دیگر مثنویوں کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے خود اسی مثنوی ہشت بہشت کو بخیال
نکتہ چینی اول سے آخر تک اُٹھا کر پڑھ جائیے۔ کسی جگہ اور کسی موقع پر کسی قسم کا مضمون
آپ ایسا نہ پائیں گے کہ اُس کو آپ کسی مضمون کی نقل خیال کر سکیں یا پیش رو اور پیرو
کا فرق محسوس ہو اگرچہ وہی قصہ ہے وہی داستان وہی عالم ہے وہی جہان۔
دیکھئے متاخرین اہلِ کمال نے جو امام فن مسلم ہو چکے ہیں جب کسی متقدم کی غزل پر غزل
لکھی تو چند اشعار میں بھی وہ اس نقصان کو پوشیدہ نہ کر سکے اور یہاں؛ فرق کے دفتر

موجود ہیں مگر ممکن نہیں کہ کوئی منصف شخص یہ کہہ سکے کہ یہ نقل ہے اور وہ اصل یا یہ اصل ہے اور وہ نقل۔

نظامی و خسرو کا مقابلہ نہایت تفصیل سے مثنوی میں مولانا نظامی کا کمال ابھی ہم بیان کر چکے ہیں لاریب مولانا کی مثنویاں باوجود بیشمار جوابوں کے بھی آج تک لاجواب رہیں۔ خود امیر خسرو کی بے نظیر انصاف پسندی بار بار مولانا کے کمال کا اعتراف کرتی ہے۔ مثنوی مجنوں لیلیٰ میں اُن لوگوں کو جو خسرو پر نظامی کا نام لے کر طعن کیا کرتے تھے مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ؎

گر ما ز ہنر تہی میانیم	بارے تو بگوئی تا بدانیم
از دعویٔ این خیال سنجی	ناگفتہ ملاف تا نہ رنجی
بنود چو فسانۂ تو نامی	بیہودہ چہ لافی از نظامی
گفتی دمِ اوست مُردہ راز نیست	آں زانِ دلیست زانِ تو چیست
گرزاں قدح آری آنچہ خوردم	بے گفتِ تو اعتراف کردم

یہ واقعہ ہے کہ مولانا نظامی نے بغیر کسی نمونہ کے صنف مثنوی کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ سو برس تک تو کسی کی ہمت مثنوی لکھنے کی نہ ہوئی۔ اور بعد سو برس کے جنھوں نے مثنویاں لکھیں تو وہ نظامی جیسی کوئی نمایاں ترقی نہ کر سکے۔ اس لئے کہ وہ اس مرتبۂ کمال تک مولانا کے پُر زور قلم سے پہنچ چکی تھی جو انسان کی قوۃ فکریہ کی انتہائی منزل ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا نظامی جس روش کے موجد ہونے کا فخر رکھتے ہیں

اُس کے مکمل ہونے کا بھی سہرہ اُنھیں کے سر ہے۔ یہ دو کمال یعنی ایجاد و تکمیل مولانا کے ایسے ہیں جن میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں خسرو کا نظامی سے جب مقابلہ کیا جائے گا تو یہ حیثیت ضرور ملحوظ ہوگی۔

نظامی کی فارغ البالی خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مولانا نظامی یک فنی تھے طبیعت کا سارا زور مثنوی پر ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا فراغ عطا فرمایا تھا مولانا کو نہ کوئی دوسرا خیال تھا نہ طبیعت پر کسی طرح کا بار۔ اطمینان و سکون سے کلام میں کمال پیدا کرتے رہے۔ خسرو کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

اوزان ہمہ فکرِ گوہر آمائے — نہ نہاد زیک روش بروں پائے
وانگہ زجہاں فراغ جستہ — وز شغلِ زمانہ دست شستہ
بارے نہ بدل مگر ہمیں بار — کارے نہ دگر مگر ہمیں کار
کوشش ہمہ در سخن سگالی — خاطر زہر التفات خالی

اس کے بعد اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میں مسکین ہوں بندگی سے چارہ نہیں پیٹ کے لیے مزدوری کرتا ہوں صبح سے شام تک اپنے ہی جیسے انسان کے آگے پاؤں پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس محنت و ملازمت کا جب صلہ دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق محنت و مزد نہیں دیتے بلکہ احسان کر رہے ہیں۔ خود خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مسکیں منِ مستمندِ بیہوش — از سوختگی چو دیگ در جوش

شب تا سحر از صباح تا شام در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم ز برائے نفسِ خود رائے پیشِ چو خودے ستادہ بر پائے
تا خوے نزود زپائے تا سر دستم نشود ز آبِ کس تر
مزدے کہ دہند منتِ داد واں رنج کہ من برم ہمہ باد
چوں خرکہ علف کشد بزاری ریزند جوش وے بخواری

باوجود اس کے خسرو کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ خمسہ نظامی کے بعد انھیں کا خمسہ جگہ پا سکا۔ حالانکہ جلال فراہانی، خواجو کرمانی، عماد فقیہ کرمانی۔ مولانا کاتبی۔ ہاتفی وغیرہ وغیرہ سبھوں نے طبع آزمائیاں کیں لیکن اہلِ زبان ہونے پر بھی خسرو کے مقابل نہ ہو سکے۔ اس پر بھی اگر کسی کو خسرو کا کمال نہ دکھائی دے تو اس کا کیا علاج۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے مثنوی قران السعدین میں اس کا بہت ہی اچھا فیصلہ کر دیا ہے ؎

بازکے را کہ حسد رہ زند زخمہ دریں رہ نہ یکے۔ دہ زند
جس کی راہ حسد نے مار رکھی ہو وہ ایک چھوڑ دس اعتراض کرے گا
گر بمثل صد ہنر آرم زغیب ہیچ نگاہے نکند۔ جز بہ عیب
مثلاً اگر میں سو ہنر کی باتیں پیدا کروں تاہم حاسد عیب کی ہی طرف نظر کرے گا
حسد سخنِ راست نگیرد بہ ہیچ یک رقم کثر کند انگشت پیچ
سو اچھے شعر اس کے نزدیک بے قدر ہیں لیکن سقم ایک بھی ہو تو اسے انگشت نما بنائے گا

گر بہ ازین ست گہر سفتنش | عیب بود عیبِ کساں گفتنش
اگر اُس کی سخن طرازی مجھ سے بہتر ہے | تو دوسروں کی عیب چینی خود اُس کے لیے عیب ہے

ور کم ازیں مایہ رسیدش زعیب | طفلِ رہِ ماست ز طفلاں چہ عیب
اور اگر اُس کا کلام مجھ سے پست ہے | تو وہ ابھی اس راہ میں بچہ ہے بچوں کے کیے کا بُرا ماننا کیا

الحمد للہ کہ اُن مضامین سے فرصت ملی جن کی ترتیب علاوہ تنقید ہشت بہشت کے نفیر کے متعلق کی گئی تھی مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُس جناب کا اسے مقبول وپسندیدہ فرمائے جس کے کلام وکمال کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اُس بزرگ ومخلص کی دُعا کا خواستگار ہوں جس کی پیہم سرگرمیوں نے مجھ جیسے کاہل وناکارہ کو بھی معطل نہ چھوڑا۔ فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء۔

مثنوی ہشت بہشت

مثنوی کی بنا اور اُس کے ادوار | باخبرہ روان علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ رودکی نے سب سے پہلے مثنوی کی بنیاد رکھی۔ فردوسی نے اوس پر ایک شان دار عمارت قائم کی۔ مولنٰا نظامی رحہ نے اوس محل کو آراستہ اور نقش ونگار سے پیرآستہ کیا۔ امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سو برس بعد اوس پر ایسی نظر افروز قلعی چڑھائی جسے دیکھکر ان سے بعد آنے والے شعرا اپنی طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے عہد میں اس بات کی کوشش کی کہ اس محل دلکشا میں کہیں میرا کمال بھی آویزاں ہو جائے۔ لیکن اہل معانی وسخن شناس با انصاف جانتے ہیں کہ اُن اہل کمال کی تمنائیں کہاں تک سرسبز ہوئیں ؎

المنۃ للہ کہ حق بیں ہیں یہ آنکھیں　　احسان خدا کا کہ یہ دل گھر ہے خدا کا

مثنوی ہشت بہشت | اس وقت پیش نظر امیر علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت ہے جو آپ کے خمسہ میں باعتبار ترتیب تصنیف سب سے آخر دور کی پر جوش صہبائے عرفان کا پیمانہ ہے۔ جیسا کہ خود اِس کتاب میں ہم نشین علی کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف　　تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

امیر صاحب نے اس مثنوی کو ۷۰۱ھ میں تحریر فرمایا ہے۔ اوس وقت

آپ کی عمر اکیاون سال کی تھی۔ کل اشعار اِس کے تین ہزار تین سو پچاس ہیں جیسا کہ اِن اشعار سے ظاہر ہی ؎

ہمہ بیتش بگاہ عرض شمار　　سہ صد و پنجہ آمد و سہ ہزار

سال ہجری یکے و ہفصد بود　　کیں بنا بر د سر بچرخ کبود

بحر اس کی خفیف مسدس مخبون مقصور ہے۔ یعنی فاعلاتن مفاعلن فعلات یوں تو شاعر کے آخر عمر کا کلام سابق کے کلام سے پختگی و برجستگی صفائی و استواری میں بڑھ کر ہوتا ہی ہے لیکن امیر صاحب نے کوشش بھی کی ہی کہ اس کتاب میں شاعری حد کمال تک پہونچ جائے۔ فرماتے ہیں ؎

کوشش کیں خط چناں نگاری چست　　کہ فزوں آید از چہار نخست

کاولیں نکتہ گر چہ چست بود　　آخریں بہتر از نخست بود

چنانچہ جب یہ مثنوی تمام ہو چکی تو امیر صاحب نے اوس کو ویسا ہی بہتر و برتر پایا جیسا کہ اون کی تمنا تھی۔ اپنی اِس کامیابی کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

گر بود ناقدِ خزانۂ راز　　داند اندیشۂ مرا پرواز

مثنوی بمقابلہ دیگر اصناف نظم کے

اِن جزئیات کے بعد دو باتوں کا بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ شاعر مثنوی لکھنے کے قابل کب ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کون سے محاسن ہیں جن سے مثنوی کی آرائش تمام ہوتی ہے۔ امرِ اوّل کے متعلق اربابِ تحقیق کی یہ رائے ہے کہ شاعرِ مثنوی اس وقت

لکھتا ہے جب کلام پر اوس کو پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی واقعہ کو نظم میں بیان کرنا وزن و قافیہ کا سنبھالے رکھنا شاعرانہ تخیل کو ہاتھ سے ندینا برائے بیت الفاظ کا داخل نہونا اور ربط کلام پر خیال رکھکر مسلسل واقعات کا بیان کرنا نہایت ہی اہم و معرکۃ الآرا رہے۔ اسلیئے مثنوی نظم نگاری میں اعلیٰ درجہ کا فن شمار کیا جاتا ہے۔ امر دوم کے متعلق سخن سنجوں کی یہ راے سدید ہی کہ چھ باتیں ہیں جو مثنوی کے لیئے ستہ ضروریہ کہی جاسکتی ہیں (۱) آدابِ سخن کی پاسداری ونگہداشت (۲) قافیہ کا ردیف کے ساتھ دست وگریبان ہونا اور صحت قوافی کا لحاظ (۳) شاعرانہ علم کلام اور قیاس شعری کی قوت (۴) کسی خاص مضمون کو طرق مختلفہ سے بیان کرنا۔ مثلاً آفتاب کا طلوع وغروب صبح وشام کی جلوہ آرائی۔ گلوں کے قہقہے۔ بلبلوں کے چہچہے۔ معشوقوں کے سراپا کے مرقعے۔ عشاق کی مہجوری وحرماں نصیبی کے نقشے۔ ہمکناری کے شوق۔ ہم آغوشی کے ذوق وغیرہ وغیرہ (۵) صنایع وبدائع لفظی ومعنوی ومراعات النظائر (۶) سب سے آخر مگر سب سے اہم تسلسل ہے یعنی واقعات کے سلسلہ کی کوئی کڑی نکلنے نہ پاے جس شخص کا بیان ہو اوس کی حیثیت وشان کا لحاظ ابتدا سے انتہا تک قایم رہے۔ شعرا نے مثنوی کے لیئے جو بحریں اختیار کی ہیں وہ سب چھوٹی بحریں ہیں قافیہ چھوڑکر دو تین لفظوں میں مصرعہ پورا ہو جاتا ہے اب شاعر کا کمال یہ ہے کہ انھیں دو تین لفظوں میں واقعہ نگاری۔ سخن آفرینی اور

کلام کی سلاست و روانی کا جوہر دکھا دے۔

مثنوی ہشت بہشت کا درجہ

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر ہے وہ ان نکات کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زباندان ہو کر جب کسی اہل زباں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں تو کتنے اہل زبان ہیں جنکو اپنے دامن کی ہوا بھی پانے نہیں دیتے۔ آپ کی مثنوی ہشت بہشت تمام اُن محاسن سے آراستہ ہے جو مثنوی کے زیور قرار دیے جائیں۔ لیکن واقعات کے تسلسل اور استقصائے جزئیات میں ایسی کامل ہے کہ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس وصف خاص میں کوئی مثنوی اس کی ہمسری کا دعویٰ کر نہیں سکتی چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی۔ یہ مثنوی بھی اپنی سابق کی چار مثنویوں کی طرح سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔ فلسفہ تاریخ سے آشنا جب عہد علائی پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے اور پھر اس مثنوی کو پڑھتا ہے تو نصیحت گری کا یہ انوکھا طرز اور تنبیہ و بیداری کا جدید پر لطف سبق دیکھکر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس تمہید کے بعد مقصود یہ ہے کہ مثنوی کے جن محاسن کا بیان مجملاً ہوا۔ اور جنکے متعلق ہشت بہشت میں پایا جانا کہا گیا اُن امور کی تفصیل و تمثیل مثنوی ہشت بہشت کے اشعار لیکر کر دیجائے۔ ہر چند مثنوی ہفت پیکر مولانا نظامی کے ساتھ ساتھ اگر اشعار کی خوبی بیان کی جاتی تو لطف مزید حاصل ہوتا۔ لیکن یہاں صرف خسرو

کی شاعری کا کمال دکھانا ہے کہ اس کتاب میں آپ نے کہاں تک قادرالکلامی کی داد دی ہے اور مثنوی کا حق کس حد تک ادا کیا۔ رہا حضرت نظامی کی ہفت پیکر سے مقابلہ اُس کا بیان آیندہ آئیگا اگرچہ خسرو جیسے باکمال وجامع شاعر کے کمال شاعری کا اظہار مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے درخور حوصلہ نہیں ہوسکتا ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار   گلچینِ بہار تو ز داماں گلہ دارد

مگر محض بخیال امتثال امر حا بجا سے گلہاے مضامین لیکر ایک گلدستہ طیار کیا جاتا ہے خدا اسے مقبولیت عطا فرماے ؎

الٰہی رنگِ تاثیرے کرامت کن فغانم را   بموجِ اشکِ بلبل آبدہ تیغ زبانم را

مثنوی ہشت بہشت کے قصے

جو قصہ کہ اِس مثنوی میں منظوم ہوا ہے وہ بہرام گور شاہ ایران کی عیش پرستی کا ہے مولٰنا نظامی نے بھی اسی داستان کو ہفت پیکر میں بیان کیا ہے۔ بہرام گور کے متعلق تاریخوں سی معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے دیار عرب میں تربیت پائی تھی اور عربوں ہی کی گود میں اِس کا نشو ونما ہوا تھا۔ بہادر تھا شجاع تھا صید وشکار کا شوقین تھا لیکن طبیعت عیاشانہ پائی تھی جس پر ایران کی آب ہوا سے بہا رچھا گئی تھی۔ اہل روم سے اُس کے کئی معرکہ ہوئے۔ میدان مصاف کی بارہا گرما گرمی نے اُس کے جوہر شجاعت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ ہندوستان سے اُس کا تعلق تھا

چنانچہ ہندوستان کی ایک عورت اُس کے پاس تھی جس کے شمع حسن کا وہ
پروانہ تھا۔ یہی عورت اُس کے ساتھ صید و شکار میں بھی رہتی تھی اور غالباً یہی
دلارام ہے۔ شکار کا شوقین تو تھا ہی اتفاقاً ایک روز کسی گورخر کا تعاقب کرتے
ہوئے ایک کوئیں میں آرہا اور اوسی جگہہ خود موت کا شکار ہوگیا۔ تاریخ میں
بہرام کے متعلق جو کچھ ہے اوس کا خلاصہ اسی قدر ہے۔

مولنا نظامی نے ہفت پیکر میں چند ابواب خسرو سے زیادہ قائم کئے ہیں جن
میں خاقان چین سے بہرام کی جنگ و فتح کا ذکر ہے کہیں اُس کے شیر مارنے
کی تعریف کہیں اُس کے اژدہا مارنے میں بہادری کا تذکرہ۔ کچھ وہ واقعات ہیں
جو اُسے مالک تخت و تاج ہونے میں پیش آئے ہیں غرض چھوٹے چھوٹے پندرہ
بیس عنوان انہیں جزئیات میں ہیں۔ پھر اُن کے ذیل میں کہیں کوئی حکایت آجاتی
ہے اور کہیں کوئی تمثیل۔ ان عنوانوں کے علاوہ وہ سارے ابواب ہفت پیکر
میں موجود ہیں جو ہشت بہشت میں ہیں صرف مدح شیخ کا ایک عنوان (جیسا کہ عموماً
خسرو کی مثنویوں میں ہوا کرتا ہے) اس مثنوی میں بھی موجود ہے ہفت پیکر میں
نصیحت کا مخاطب بیٹا ہے اور ہشت بہشت میں بیٹی باقی تمام بیان ایک ہیں
خسرو کی کتاب ہشت بہشت میں حسب ذیل اکیس ابواب ہیں۔

حمد۔ نعت۔ معراج۔ تعریف بادشاہ۔ خطاب بسوے بادشاہ۔ سبب تالیف
نصیحت بدختر۔ صفت دلارام و شکار بہرام۔ رنجیدن بہرام و گذاشتن دلارام

آراستہ[11] شدن محل بہرام۔ گنبد[12] مشکیں۔ گنبد[13] زعفرانی۔ گنبد[14] ریحانی۔ گنبد گلناری[15]
گنبد[16] بنفشجی۔ گنبد صندلی[17]۔ گنبد[18] کافوری۔ وفات[19] بہرام۔ خاتمہ[20] شکرگزاری[21] حق
تعالیٰ۔ خسرو علیہ الرحمۃ بہرام گور کی داستان اِس طرح شروع فرماتے ہیں کہ بہرام
کو گورخر کے شکار کا بہت ہی شوق تھا سوائے اُس کی ران کے اور کسی طرح کا
گوشت پسند نہیں کرتا تھا۔ بغیر شکار گورخر اُسے چین نہیں پڑتا تھا۔

دلارام اوس کی معشوقہ ساتھ ہوتی تھی ایک روز کسی خلاف طبع امر پر خفا ہوکر
بہرام نے اوس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ دلارام ایک گاؤں میں پہونچکر نغمہ سرائی سیکھتی
ہے اور اوس کمال کی وساطت سے پھر بہرام کی معشوقہ بنتی ہے۔

بہرام کے وزیر دانا نے جب بہرام کا انہماک صید و شکار میں حد سے زیادہ دیکھا
تو اوس نے اوس کے لئے ایک قصر عالیشان بنوایا۔ جس میں سات گنبد تھے
گنبد کی رونق کا سامان یہ کیا کہ ہفت اقلیم کے بادشاہوں کے پاس عاقل و مدبر
اشخاص شاہانہ تحائف کے ساتھ بھیجے اور اون سلاطین سے بہرام کے لئے
اون کی لڑکیوں کی استدعا کی۔ قاصد کامیاب واپس آئے۔ ہر اقلیم کی
شاہزادی ساتھ ساتھ لائے۔

وزیر نے ایک ایک گنبد میں ایک ایک شاہزادی کو جگہہ دی۔ بہرام ہر رات
ایک شاہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا ہے۔ نیند آنے کے لئے شاہزادی
سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ شاہزادی معذرت کرتے ہوئے پہلے

بہرام کو دعا میں دیتی ہے پھر قصہ شروع کرتی ہے اِس طرح اس میں سات قصے ہیں۔

ہر گنبد کا رنگ جداگانہ ہے جو شاہزادی جس گنبد میں ہے اوس کا لباس بھی گنبد ہی کے رنگ کا ہے۔ خود بہرام کا لباس بھی گنبد کی رعایت سے ہر شب نئے رنگ کا ہوتا ہے۔

جس روز جس گنبد میں جاتا ہے اوس میں ستارہ کے رنگ کا بھی لحاظ ہے اہل نجوم کے یہاں سبع سیارگان اپنا اپنا رنگ خاص رکھتے ہیں۔ کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ۔ کوئی سبز اور ہفتہ کے ہر سات ایام یعنی شنبہ۔ یکشنبہ وغیرہ اونھیں سیاروں سے اپنا اپنا علاقہ رکھتے ہیں۔ غرض گنبد کے رنگ کی مناسبت کہیں نہیں چھوڑی گئی ہے آخر کار بہرام کا گورخر کے شکار میں ایک کوئیں میں گر کر مرجانا ہے اور داستان کا خاتمہ ہے۔

مولٰنا نظامی نے بھی ان سارے واقعات کو بعینہٖ بیان فرمایا ہے لیکن وہ سات قصے جو شاہزادیوں نے کہے ہیں وہ دونوں کتابوں میں جدا جدا ہیں۔
خسرو کے قصص سب اون کی قوت متخیلہ کے نتیجے ہیں۔ قصے فرضی ہیں لیکن اسلوب بیان ایسا ہے جس سے فرضی واقعی معلوم ہوتا ہے برخلاف اسکے مولٰنا نظامی کے یہاں اسرائیلیات بھی داخل ہیں جن کے ہونے سے نہونا اچھا تھا۔

مولانا نظامی کے یہاں اثنائے قصے میں نصائح کا سلسلہ بھی آجاتا ہے جس سے کہیں کہیں داستان کا تسلسل جاتا رہتا ہے لیکن خسرو کے یہاں کوئی ایسا مضمون بیچ میں نہیں آتا ہے جس سے تسلسل میں کہیں بھی ربط جاتا رہے

داستان گوئی بجائے خود ایک بڑا فن ہے لیکن ہر عہد میں اس کا خاص طریقہ رہا ہے اوس زمانے میں اکثر قصے طلسم و جادو و دیگر وہمیات سے کامل ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قصہ و داستان کا جو مذاق ہے اوس کو اب سے چھ سو برس قبل تلاش کرنا فضول ہے یہ تو اپنے اپنے زمانے کا مذاق ہی اوس عہد اور اوس دور ایام میں قصص جسقدر محال و دور از عقل ہوتے سامع کی دلچسپی اوسی قدر زیادہ ہوتی۔

ہفت پیکر کے قصص اسرائیلیات کے سوا جو ہیں اوس عہد کی قصہ خوانی کے وہ صحیح نمونے ہیں خسرو علیہ الرحمۃ نے ہشت بہشت کے قصص کو دائرہ امکان میں لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قصے ایسے دلچسپ لکھے ہیں اور جزئی سے جزئی باتوں کو بھی اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ قصے جیسے کہ خسرو کے زمانہ سے میں دلچسپ تھے آج بھی اون کی وہی دلچسپی ہے۔

ہشت بہشت کے بعض قصے مغرب کے داستان نگاروں نے بھی پسند کئے اور اون کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا مثلاً بہشت دوم کا جو قصہ ہے وہ انگریزی فسانوں میں بھی موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح

خسرو کی شاعری بلند پایہ رکھتی ہے اوسی طرح داستان نگاری اور اُنکی تکمیل و ترتیب میں بھی اونھیں کمال ہے۔

حمد باری تعالیٰ کی حمد میں شاعر عموماً اسماے حسنیٰ اور صفات الٰہیہ کی توضیح کیا کرتا ہے۔ اپنی قوت شاعری سے مضمون کو پھیلا کر اور طرح طرح کے نکات بیان کرکے داد سخن دیتا ہے۔ اب خوبی و کمال اس میں یہ ہے کہ حمد کا مضمون صفائی و چستی کے ساتھ اِس طرح بیان کیا جائے کہ قریب الفہم ہو اور سخن گذاری کا پیرایہ موثر ہو۔ ساتھ ہی اس کے کوئی تلمیح یا نکتہ تعبیہ کرکر اہل علم کے لئے ضیافت کا خوان بچھایا جائے تو نورٌ علیٰ نور۔

قدرت کا بیان

اِس وقت مثنوی مذکور کی حمد میں سے اسی قسم کے چند اشعار لیکر اون کی توضیح کی جاتی ہے خسرو اوس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہر چہ نتواں ز پادشاہی کرد   کردی و میکنی و خواہی کرد

سطوت و جلالت قوت و طاقت شاہی سب کو معلوم ہے۔ ان چیزوں کا ایک ناقص و ادنیٰ نمونہ جب چند دنوں کے لئے کسی کو سلطان ذیجاہ بناتا ہے تو تنک ظرفی کے سبب کاسۂ پر غرور میں ایسا سودا سما جاتا ہے کہ دائرہ امکان و حدوث سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیگر ابناے آدم اپنے ضعف و کمزوری سے اوس کے غرور و پندار کو امر واقعی تسلیم کرکے اوس خیال باطل کو اور بھی راسخ

کر دیتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور واقعات اس وقت تک اوس کی تصدیق کرتے ہیں کہ تھوڑی سی قوت و قدرت جہاں انسان کو عطا ہوئی بس اوس نے خدائی کا دعویٰ کرکے اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلیٰ کا علم بلند کیا۔ رعایا و برایا اپنی بدعقلی و کم فہمی کا ثبوت دیتے ہوے اوس کی خدائی کا اقرار کرنے والے بھی ہوئی۔

عہد عتیق میں نمرود کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے مناظرہ کرنا اس کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ احیا و اماتت کی حقیقت سے نا آشنا و جاہل اپنے زعم باطل کے موجب کہہ ہی اوٹھا کہ اَنَا اُحْیِی وَاُمِیْتُ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحث کا پہلو بدلکر یوں تقریر فرمائی اِنَّ اللّٰہَ یَأْتِی بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ یعنی اللہ تعالیٰ سورج کو پورب سے نکالا کرتا ہے تو اوسے پچھم سے نکال۔ اِس کا معارضہ وہ نہ کرسکا اور مبہوت ہوکر رہگیا۔

اگر خسرو اللہ تعالیٰ کے اوصاف بادشاہی کو پورے زور کے ساتھ چند ابیات میں بیان بھی کرتے تو یہ شان ظاہر نہوسکتی تھی اور منکر کو بھی کج بحثی کا موقع رہ سکتا تھا اب اس ایک شعر کی بلاغت قابل ہزار داد ہے۔ کس خوبی سے نمرود کے پورے واقعہ کی تلمیح موجود ہے اور کیسی مُسکت دلیل سے مخلوق پرستوں کی لب بندی کی ہی سلطنت کی قوت و قدرت تسلیم کرتے ہوے اوس کی بیمقداری اور ایک محدود دائرہ تک محدود زمانہ کے لئے اوس کا اثر کس طرح ثابت کیا ہے۔ اوس پر ایک چھوٹے سے مصرعہ "کردی و بکنی و خواہی کرد" نے ازمنہ ثلثہ کا احاطہ کرکے ازل سے بد

تک اوس کی قدرت کا اظہار کر دیا جس کا دعویٰ تو کسی سے ہو بھی نہیں سکتا ۵

کمال صنعت

حرفِ انگشت چوں زنست بہشت　　　کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

وسوسہ شیطانی منکر الہ سے صنعت باری میں عیب جوئی کرانا چاہتا ہے۔ خسرو نے ایک ہی دلپذیر شعر میں یہ بتا دیا ہے کہ جن قوا و اعضا سے کہ تم اس بے ادبی کا ارتکاب کیا چاہتے ہو وہ بھی اوسی کی مخلوق ہے۔ اُسی کے حکم نے ایک مدت معینہ تک اون کو تمہارا مطیع بنا رکھا ہے جن انگلیوں سے اپنے زعم باطل میں تم اوس کے عیوب کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہو آخر یہ تمہاری مخلوق و پیدا کردہ تو ہیں نہیں ان میں احساس وحرکت کی قوت تمہاری خلق کردہ تو ہے نہیں پھر ایسا کرنا کیا سخت کفران نعمت نہ ہوگا۔ کمال صنعت الہی کے بیان کرنے کا کیسا موثر یہ پیرایہ ہے۔

ایجاد و انعدام

تو نگاری ز خاک صورت پاک　　　تو توانیش باز کردن خاک

صانع کا کمال یہ ہے کہ جس طرح بنانے پر قادر ہو اوسی طرح بگاڑنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ یوں تو اس عالم کون و فساد میں پہاڑ سورج چاند وغیرہ بہت سی بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے متعلق قدرت کا اظہار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان چیزوں کا نیست کرنا جب ہوگا تب ہوگا۔ یہ چیزیں کن کن عناصر سے مرکب ہو کر رونق

بخش عالم ہوئی ہیں یہ تحقیق جب ہو گی تب ہو گی۔ مگر خاک سے پاکیزہ صورتوں کا
پیدا ہونا اور چند روز تک اپنی بہار دکھا کر ایک غیر محسوس طریق پر نیست ہو جانا تو
رات دن کا مشاہدہ ہے اور یہ عبرت کے لئے زود اثر ہے باعتبار دور کی چیزوں
کے۔ اپنے اور اپنے سے قریب کی چیزوں میں غور و فکر کرنا زیادہ مناسب ہے ؎

احسان مانو حسن خداداد کا بتو　　پتھر تھے تمکو شیشے سے نازک بنا دیا

وفی انفسکم افلا تبصرون انسان کی پیدایش خاک سے ہے۔ گل بوٹے بھی خاک
ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ سے کچھ ہو کر پھر خاک ہو جاتے ہیں۔ قیاس خطابی کا
ایک عظیم دفتر صرف ایک شعر میں موجود ہے۔ نبات حیوان انسان ان کی
بدایۃ و نہایۃ ان کا عروج و نزول ان کا عود الی المرجع ذرا چشم بصیرت سے اگر
مطالعہ کیا جاوے اور پھر یہ شعر پڑھا جاوے تو شاعر کی قادرالکلامی کا پورا لطف حاصل ہو

ترغیب طاعت اور انعام الٰہی

بندگاں را ز بندگی شب و روز　　خواجگی بخش و بندگی آموز

بندگی سے خواجگی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے اس کو تو وہی سمجھیگا جس نے عبودیت
کا مزہ چکھا ہو گا ؎

دو کار ست با فرد فرخندگی　　خداوندی از تو ز ما بندگی

خسرو نے اِس شعر میں بندگی و عبادت کی ترغیب جس دل آویز پیرایہ میں
بیان کی ہے اوس کا لطف تو ارباب ذوق سلیم ہی پا سکتے ہیں۔ لیکن الفاظ

جہاں تک مدد کر سکتے ہیں وہ گزارش ہے۔ غور کیجیئے وہ کونسا دل ہے جس میں خواجگی و سرداری کی تمنا نہیں۔ انسان تمام عمر جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں و پریشان رہتا ہے وہ یہی خواجگی ہے اور غلط راہ روی کے سبب سے اکثر و بیشتر فرزند آدم صحیح معنوں میں خواجگی پانے سے محروم رہے اور رہتے ہیں پس امیر صاحب کا حمد میں یہ فرمانا کہ یہ بھی تیری شان کریمی کا صدقہ ہے جو بندوں کو بندگی سکھا کر تو خواجگی بخشتا ہے جہاں ایک پاکیزہ الفاظ میں حمد الٰہی و ذکر نعمت جلیلہ ہے اوسی کے ضمن میں بندوں کو بندگی کی رغبت اور صحیح راہ خواجگی کی طرف رہبری بھی ہے سے

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد ۔۔۔ کہ بستگان کمند تو رستگارانند

نعت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شعرا نے عجیب و غریب لطائف پیدا کئے ہیں۔ آپ کے معجزات آپ کے فضائل و کمالات کا شاعرانہ انداز سے بیان کرنا ہر ایک سخنور کے لئے تاج کرامت رہا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی جو جدت پیدا کی ہے وہ تمام متاخرین کے گلدستہ نعت میں گل سرسبد ہے۔ چند اشعار اس کے ملاحظہ ہوں۔

میم کا نکتہ

میم احمد کہ در احد غرق ست ۔۔۔ کز خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بندست ۔۔۔ یعنی ایں بندہ آں خداوندست

احمدؐ یا محمدؐ صلی اللہ وآلہ وسلم کی میم سے شاعروں نے بعد امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے طرح طرح کے نکات پیدا کئے۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

محمدؐ کش قلم چون نامور ساخت زمیمش حلقۂ طوق وکمر ساخت

خود امیر صاحب دوسری جگہ ایک اور طرز سے نکتہ سرا ہوئے ہیں ؎

میم احمد را گزیدہ بعد ازاں خاتم مہر نبوّت ساختہ

ان سب نکات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرداری و سروری کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے لیکن یہ نکتہ کہ آپ بندہ ہیں اس کی طرف یہ میم کیونکر اشارہ کرتی ہے اس کو امیر صاحب نے دکھایا ؎

تہی دست سلطان پشمینہ پوش گدائی خرد بادشائی فروش

جس طرح خسرو سے پیشتر کسی شاعر نے میم کے نکتہ کو بیان نہ کیا۔ اوسی طرح امیر صاحب سے بعد کے شعرا اس سے بہتر یا اس کے برابر نکتہ پیدا نہ کر سکے۔

انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری

پایۂ قدرش آسمان پیوند سایۂ نورش آفتاب بلند

ایک حدیث شریف میں وارد ہے لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے یوں منقول ہے یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ قَبْلَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ یعنی مرتبہ ایجاد میں اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اور تیسری حدیث اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ

نوری یعنی میں نورالٰہی سے منور ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے مستنیر ہے ان حدیثوں کی تلمیح اس شعر میں جس طرح واقع ہوئی ہے وہ امیر صاحب کے صاحب فن ہونے کی دلیل ہے۔ مطلب شعر کا نہایت واضح ہے کہ آفتاب وغیرہ جتنی منور اشیا ہیں سب آپ کی ذات پر انوار سے اکتساب ضیا کرتے ہیں ؎

اوست خور وصبح ونیست آفتاب　　　صبح زخورشید بود نوریاب

اس بنا پر آفتاب آپ کے نور کا سایہ ٹھیرا۔ توجب سایہ آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے اور آفتاب خود سایہ آپ کے نور کا ہے توآپ کا سایہ کہاں سے آئے آفتاب بلند میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہرچیز کا سایہ زمین پر گرتا ہے لیکن آپ کا سایہ اوپر ہے پس اوس کو کوئی زمین پر کیونکر دیکھے۔ اس سے ایک لطیف اشارہ علو مرتبۂ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہے یعنی اگر آپ کا سایہ دیکھنا چاہتے ہو تو نظر کو بلند کرو۔ جب فلک چہارم تک نظر کی رسائی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھنے میں آئے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آفتاب باوجود اس کے کہ فلک چہارم پر ہے لیکن اپنی روشنی وگرمی سے عالم سفلی کو فیض پہونچا رہا ہے۔ اسی طرح وہ ذات گرامی باوجود اوس شان وعظمت کے جو خالق نے اوسے عطا فرمائی ہے تمام عالم علوی وسفلی کو جو اوس سے بدرجہا اودن وپست ہیں نعمتوں سے مالا مال فرما رہی ہے۔

بقا فی الفنا

ہستی از وے علم برآوردہ　　　　او تفاخر بہ نیستی کردہ

نعت میں اس شعر کا خسرو علیہ الرحمۃ کے قلم سے نکلنا مبدء فیاض کے فیض خاص کا نتیجہ ہے۔ فی الحقیقت کمال بندگی یہی ہے کہ بندہ اپنے کو معبود حقیقی کے مقابل میں نیست سمجھے۔

ع　باوجودت ز من آواز نیاید کہ منم۔ اور کمال عشق بھی یہی ہے کہ عاشق معشوق کے مقابل میں فنا ہو جائے ع زندہ معشوق ست عاشق مردۂ۔ پس بفحوائے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اگرچہ باعث وجود کل کائنات آپ ہی ٹھیرے لیکن چونکہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا رشتۂ عبدیت و معبودیت کو صحیح اور سچے طریقہ سے جوڑنا تھا اور عبدیت اوس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک فنائے کلی کا مرتبہ حاصل نہو۔ ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوے۔ امیر صاحب کا نعت میں یہ فرمانا کہ "او تفاخر بہ نیستی کردہ" کیسا بلیغ و پر معنی مصرعہ ہے صاحب معرفت کے لئے دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ مرتبہ اوسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ مرتبہ ادنیٰ فنا ہو جائے۔ مثلاً علقہ یعنی وہ کیڑا جس سے انسان پیدا ہوتا ہے اوس کی اپنی صورت نوعیہ جب فنا ہوئی تو اوس سے ایک اعلیٰ صورت انسانی کا اوسپر فیضان ہوا۔ طفل شیر خوار کا ہر روزہ نمو اسی کا مشعر ہے۔ کہ ادون کے فنا سے اعلیٰ کا حصول ہے

پس درآور کارگہ یعنی عدم　　　　تا بہ بینی صنع و صانع را بہم

اس لئے وجہ تفاخر ظاہر۔لیکن یہ ایک صوفیانہ رمز ہے۔اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے شیخ نے فنا کے مراتب طے کرا کے نیست و نیستی کی لذت سے آشنا کیا ہو فتدبر و تشکر۔

منقبت اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین

دوستانِ دگر گزاں جمعند صبح را نور و شام را شمعند

صبح کی روشنی آفتاب سے ہے۔اس لئے اصحاب رضی اللہ عنہم آفتاب ٹھیرے۔صبح کے لئے نور اور شام کے لئے شمع مناسب رعایت ہے اس منقبت میں نکتہ یہ ہے کہ دن کا وقت کاروبار کے لئے ہے اور رات کا وقت عبادت کے لئے زیادہ مناسب کیونکہ یکسوئی خوب ہوتی ہے۔پس امت دن کو کاروبار میں اور رات کو عبادت میں اون سے ہدایت پاتی ہے۔دین و دنیا کے لئے اصحاب کا مقتدا ہونا رات دن کی رونق بلکہ اُن کے بقاے وجود کا سبب اون نفوس قدسیہ کے فیضان کو قرار دینا اصحاب کی عظمت اور تعلیم محمدی کی جامعیت و اہمیت کو بتاتا ہے۔صرف ایک شعر میں اصحاب کرام کی سیر کن منقبت لکھنا امیر صاحب ہی کا کام ہے۔

مدح شیخ طریقت

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ میں جو حق شناسی و سپاس گذاری کا جوہر ودیعت کیا گیا تھا اوس کی چمک آپ کی تصانیف میں لعلِ شب چراغ ہے اسی بنا پر آپ کی مثنویوں میں ایک عنوان مستقل مدح شیخ طریقت کا ہر مثنوی نگار سے زیادہ ہے جس سے مقصود اظہار امتنان

و تشکر ہے۔

پیر کی مدح میں فرط محبت دائرہ اعتدال سے اکثر کو باہر کر دیتی ہے۔ مناقب و مدائح کا مطالعہ کرو تو اکثر ایسا پاؤ گے کہ اگر ممدوح کا نام نہ لیا جائے تو مناقب کبھی تو نعت سے اور کبھی حمد سے ٹکر کھا جاتے ہیں بادشاہوں کی مدح میں رؤسا و اراکین دولت کی شان میں جو قصائد لکھے گئے ہیں اور خاصکر متاخرین کے قصائد ان میں اسی سقم نے کلام کو بے جان کر دیا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ اون کی طبع سلیم سرمو دائرہ ادب سے تجاوز نہیں کرتی جیساکہ حمد نعت منقبت ہر ایک کے لئے الفاظ خاص ہیں اور ہر ایک کے مراتب خاص ویسا ہی اس کا نمایاں فرق کلام خسرو کی ممتاز خصوصیت ہے اور یہی بیان کا کمال ہے ورنہ اگر خصوصیت اوٹھا دی جائے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔ غرض شیخ طریقت کی مدح میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حفظ مراتب کا بے مثل درس ہے اور کمال ولایت کا اظہار جن اوصاف سے کیا ہے وہ ولی شناسی کا حقیقی و صحیح معیار۔ تمہید منقبت کو دیکھو کس طرح ادب سے مزیّن ہے ؎

چوں من از خوانِ نعتِ خواجہ خویش — نعمتِ تازہ یافتم در پیش

زلہ کردم ازاں رقاقے چند — تا کنم توشۂ ابد پیوند

گندمی بود زلہ آدم را — خوانچہ نیز بود مریم را

زلہ کز رسولِ والا بود — نہ کم از آدم و مسیحا بود

کنم اکنوں ازاں نعیم جلال — خوانچہ مدح شیخ مالا مال

تمہید میں پاس ادب دیکھ چکے۔ اب بیان مدح میں ایک ولی کی کس کمال پر مدح ہوسکتی ہے اس کو ان مدحیہ اشعار میں دیکھو۔

رہنما کی تعریف اور رہی کی شناخت

غوث عالم نظام ملت و دیں — قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں

رہبر پیش بین محمد نام — زدہ پے بر پے محمد گام

پاک روح الٰہی بدین قوی — زندہ دار شریعت نبوی

سبحان اللہ وجزاہ اللہ اپنے قلم میں وہ قوت کہاں سے لاؤں جس سے ان اشعار کی خوبی اس طرح صفحہ قرطاس پر کھنچ جائے کہ محاسن کا ہر خط وخال سامنے آجائے بہرحال دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کمال رہبری کا کیسا اظہار کرتا ہے ارباب عقل کا یہ فیصلہ ہے کہ رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جسے منزل مقصود کی راہیں معلوم دشواریوں پر اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت اون تدابیر کا عالم جن سے خطرات وموانع کا اثر نہ آنے پائے ایسا رہبر اپنے علم وبصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات ومہالک سے بچاتا ہوا موانع کو ہٹاتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ انکے مقاصد تک پہونچا دیتا ہے۔ جیسا ایک ماہر ناخدا کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف مقام خطر سے آگاہ۔ مہالک سے بچ کر نکل جانے کی تدابیر سے آگاہ۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن ہر طرح کے خطرات پر غالب آنے کی قوت اوسے حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ نہ راہ کی خبر نہ دشواریوں کا علم نہ اون کے اندفاع کی قدرت نہ مقصد کا تعین۔

ان اقسام ثلثہ کو مد نظر رکھتے ہوے اس مصرعہ کو پھر پڑھو ع

رہبر پیش بیں محمد نام

رہبر کی صفت پیش بیں کیسی واقع ہوئی ہے اور منازل سلوک طے کرانے پر اوس کی کیسی قوت کا اظہار ہے اب دوسرا مصرعہ پڑھو جس سے یہ معلوم ہو جاے گا کہ یہ صفت اوس رہبر کو کیونکر حاصل ہوئی۔ اور اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں ہے۔ ع

زن پے بر پے محمد گام

جس کا قدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہو اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں نہو۔

اب تیسرے شعر کو دیکھیے جس حدیث کی تلمیح ہے اوس کے بیان کا کہاں موقع ہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ حقیقی تصوف اور صحیح فقر مغز شریعت سے لذت آشنا ہونا اور سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیکر مجسم بن جانا ہے اُمت کا کمال ہی یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کا شعار و دثار

بن جائے۔ جسقدر امت کا اتباع کامل اوسی قدر اوس کی توحید مضبوط مفہوم الوہیت صحیح عرفان کامل۔ حق جل مجدہ کی محبت سچی وواقعی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

مثنوی نگار کا یہ کمال ہے کہ جس شے کی تعریف کر رہا ہو اُس کے بیان توصیف کیلئے ایسے الفاظ لائے جو اوس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں اور یہ اوس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک بیان کرنے والے کا علم خود اوس کے تمام رموز ونکات سے آشنا نہو۔

یہ کمال خسرو علیہ الرحمۃ کے بیان میں ہر جگہہ نمایاں پاؤگے جس کی ایک کھلی مثال اشعار مذکورہ ہیں۔

کیمیا سنجِ کورۂ مقصود کردہ حل جملہ نقد ہائے وجود
دانش از عشق خونِ دیدہ پرآب ایں ست کبریتِ احمر آں سیماب

کمال عشق اور قوت تکمیل

سالک کا سلوک ابتدا میں لازم ہوتا ہے پھر ایک مقام و وقت ایسا آتا ہے جہاں ہونچکر وہ اپنے منازل عروج بھی طے کرتا رہتا ہے اور دوسروں کی بھی دستگیری و رہبری کرتا ہے یعنی اپنی ذات سے کامل اور دوسروں کے لئے مکمل۔ جیسا کہ علوم متداولہ پڑھنے والے ابتدا میں پڑھنا شروع کرتے ہیں اور پھر ایک خاص استعداد علمیہ جسے فراغ تحصیل سے تعبیر کیا جاتا ہے جب اُنھیں

حاصل ہو جاتی ہے تو اپنی تحصیل و ترقی کے ساتھ دوسروں کے جہل مٹانے اور
اُنپر نقش علم جمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

ان اشعار میں شیخ کے وجود کو کامل و مکمل جن بلیغ استعاروں میں کہا ہے اوس
پر غور کرو تو لذت عشق مزہ دے جاے گی۔ کورۂ مقصود کا کیمیا سنج کہنا کیسا نادر
نکتہ ہے۔ کیمیا گر کیا کرتا ہے مس یعنی تانبا لیتا ہے اوس کو صاف کرتا اور گلاتا ہے
جب اوس کے کثیف و ردی اجزا گل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور قابلیت طلا کی
طرف مستحل ہونے کی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس وقت اجزاے کیمیاوی ڈال کر
کندن بنا دیتا ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ اپنے پیر دستگیر شیخ طریقت (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے
کامل و مکمل ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مقاصد میں جو اغراض فاسدہ
و ہواے نفسانیہ کی آمیزش ہو گئی ہے جس سے حقیقی مقصد نہاں ہو گیا ہے
اور جس تک پہونچنا اصل کمال ہے یہ مجسمۂ کمال و تکمیل پہلے اوسے غل و غش
سے پاک کرتا ہے یہاں تک کہ مقصد حقیقی کی دلکش تصویر متعین و مشہود
ہو جاتی ہے۔ اب کہ اوس میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اجزاے کیمیاوی
کبریت احمر اور سیماب جو اوس کے پاس ہیں اون کا ایک ذرہ اوس میں ڈالکر
خالص طلا بنا دیتا ہے۔

اِس کیمیا سنجی کے لئے جسے اجزاے کیمیاوی قرار دیا ہے اوس کی خوبی ایک

اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے کبریت احمر یعنی گوگرد سرخ طلا کے لئے اکسیر ہے اسی طرح عشق حقیقی عاشق کی روحی ترقیات کے لئے اکسیر ہے علاوہ اس کے عشق کی آگ مشہور ہے خود گوگرد بھی آتش انگیز چیز ہے پس جو دل کہ عشق کے باعث خون ہوگیا ہو اوس کی تشبیہ بعبارت صوری و معنوی کبریت احمر کے ساتھ نہایت نادر تشبیہ ہے۔ دوسری تشبیہ اس شعر میں اشک کی سیماب سے ہے اشک کو قرار نہیں ہوتا رد کو تو رُک نہیں سکتا ع

ابھی روکا تھا ان اشکوں کو پھر باہر نکل آئے

سیماب کی بے قراری ضرب المثل ہے نیز کشتۂ سیماب اکسیر ہے عشق کی رعایت سے اوس کے سب لوازم جمع ہو گئے کیمیاگری کا بھی نسخہ ہاتھ آگیا۔ عشق الٰہی سے دلکو سوختہ کرو کیمیا کا یہ بے خطا نسخہ ہے ؎

سیماب کشتہ ہوئے تو مس کو طلا کرے　　　دل جس کا کشتہ ہو وہ خدا جانے کیا کرے

برادران طریقت کی مدح

داں مردانِ رہروانِ یقیں　　　ہر یکے والئے ولایت دیں

ہمہ شیطاں کش و فرشتہ خدم　　　در رہش بر ہوا نہادہ قدم

زندہ دار شب از دم تسبیح　　　غلغل افگندہ در رواق مسیح

ہر سو از شین شرع ساختہ تاج　　　دل شاں عرش و سجدہ شاں معراج

ان اشعار میں اپنے برادران طریقت کی حضرت علیہ الرحمۃ نے مدح فرمائی ہے جو بالواسطہ

شیخ کی ہی مدح ہے۔ مرید کا کمال شیخ کے اثر فیض کا نتیجہ ہے پھر جس کمال کا اظہار ہے وہ وہی عبودیت، شریعت کی پابندی، راتوں کی بیداری سجدہ میں نیازمندی وخاکساری۔ آخر شعر میں ان دو حدیثوں کی تلمیح ہے قلب المومن عرش اللہ اور الصلوٰۃ معراج المومنین۔

شیخ کی مدح ختم ہوئی خاتمہ پر جس تذلل وعجز کا اظہار مخلصانہ دعا میں فرمایا ہے وہ خاکساری وشکستگی، باہمی مودت واتحاد قلبی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

دعا اور باہمی اتحاد

ملک وحدت بنام ایشان ست   بندہ خسرو غلام ایشان ست

نام من زاں ستودہ کیشان باد   حشر من درمیان ایشان باد

نصیحت بسلطان علاء الدین خلجی | شعرا نے اپنے اپنے بادشاہ وقت کو نصیحت کی ہے خسرو نے بھی نصیحت کی ہے لیکن علاوہ اور نصیحتوں کے امیر خسرو نے بادشاہ وقت کو خود اس کے نفس سے ڈرایا ہے اور یہ ایک عجیب جامع و نادر نصیحت ہے شعرا عموماً بادشاہوں کو دشمنوں کے غلبہ سے مظلوموں کی آہ سے پرہیزگاروں کی بددعا سے غرور وتکبر کے نتائج بد اور اسی قبیل اور باتوں سے ڈراتے ہیں۔ شاہان سلف کے حالات سے عبرت گیری کی نصیحت کرتے ہیں لیکن یہ نصیحت کہ محافظ وپاسبان تو روپے کے بندے ہیں تم ہوشیاری کو اپنا پاسبان بناؤ اور آپ اپنے محافظ رہو کہ یہی بہترین حفاظت ہے۔ تمہاری

غفلت سے بڑھ کر کوئی تمہارا دشمن نہیں۔ اس کو وضاحت کے ساتھ خسروؔ نے بیان کیا ہے۔ امیر خسروؔ نے دیکھا کہ عیش و تنعم میں پڑ کر جو غفلت پیدا ہوتی ہے یہی بدترین دشمن زوال سلطنت کا اصل باعث ہے۔ بادشاہ اگر غافل نہو تو پھر نہ مظلوموں کی آہ ہے نہ ابرار کی بددعا۔ اس لئے بادشاہ کو اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

ور چہ کس نیست دشمنِ تنِ تو — غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو

ور چہ صد پاسباں بود از پس — پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس

بر چنیں پایہ کاستواریِ تست — پاسبانِ تو ہوشیاری تست

پاسبانیکہ بہر مزد بود — پاسبان نے کہ سیم دزد بود

بادشاہ میں اگر دو صفتیں ہوں تو قیام سلطنت کے لئے کافی ہیں یعنی عدل اور شجاعت۔ عدل کو تو جیسا چاہئے اوروں نے بھی بیان کیا ہے لیکن بزدلی کے نتیجہ کو دیکھ کر شجاعت کی ترغیب امیر خسروؔ جس خوش اسلوبی سے دیتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

چوں درآئی بصفتِ تیغ زناں — از تزلزل کشیدہ دار عناں

لشکرے کز عدو فرار کند — چوں بسلطاں رسد قرار کند

لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت — کے فراہم شود صفے کہ شگافت

شاہ کوہے بود بسنگِ وقار — جنبشِ او قیامت آرد بار

آخر شعر میں اس نکتہ کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ بادشاہ جب کوہ ہے اور میدان جنگ سے اوس کا بھاگنا قیامت تو قیامت کے روز جو کوہ کا حال ہوگا وہ معلوم ہے۔ جو نصیحتیں کہ خسرو نے علاءالدین کو کی ہیں اور جس بے جگری سے کی ہیں وہ خسرو کی حقانیت کا عجیب نمونہ ہیں علاءالدین خلجی کا عہد تاریخ میں پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ کس جبروت کی یہ سلطنت کرتا تھا۔ یہ خسرو ہی کا کام ہے جنہوں نے ہر مثنوی میں نصیحت کی ہے اور اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ علاءالدین کی بدمستی کا ایک نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مغلوں کی شکست اور ظفر خاں کی موت علاءالدین کے لئے بہت ہی ازدیاد مسرت کا باعث ہوئی۔ مزید براں مہمات ملکی تو برتو بادشاہ کے حسب مراد ہونے لگیں جس سے علاءالدین آپے میں نہ رہا دیکھتا تھا کہ اقبال بڑھ بڑھ کر اوس کے قدم لے رہا ہے ہر طرف سے فتح نامے آرہے ہیں ہر سال دو تین بیٹے مشکوے معلی میں پیدا ہوتے ہیں سارے مصالح ملکی دل کے حسب خواہش سرانجام پارہے ہیں خزانے ہیں کہ پے در پے پہونچ رہے ہیں روزانہ جواہر ومروارید تھیلوں میں بھرے جارہے ہیں فیل خانوں میں ہاتھی کھڑے جھوم رہے ہیں ستر ہزار گھوڑے شہر کی پائے گاہ میں بندھے ہنہنا رہے ہیں ایک چھوڑ دو دو تین تین اقلیمیں زیر قدم ہیں۔

بادشاہ اس جاہ وحشم کو دیکھ دیکھ مست ہورہا تھا۔ دور دور کی سوجھنے لگی تھی

اور نئی نئی تمنائیں بیچین کرنے لگی تھیں۔ ایسے ایسے سودے پکانے لگا جو کبھی کسی سلطان کے دماغ میں ہرگز نہ سمائے تھے۔ نہایت مستی و بے خبری و نہایت رعونت و غفلت اور کثرت جہل و بلادت سے دست و پاگم کرکے ناممکنات و محالات میں اندیشہ کرنے لگا ؎

دیکھنا کثرت بلا نوشی   کاسۂ آسماں ہے جام مرا

بے علم تو تھا ہی نہ لکھنا جانے نہ پڑھنا۔ مزاج کا بھی بدخو۔ طبیعت کا بھی سخت دل کا بھی قسی جون جون دنیا زیادہ ملتی جاتی تھی اور مقصد برآتے تھے وہ اور بھی بے خبر اور مدہوش ہوتا جاتا تھا خدا اور رسول سب کو بھول بیٹھا ؎

بام فلک پہ آدم خاکی کو لے اڑا   آیا کبھی جو ران تلے بادپائے عیش

اپنی مجلسوں میں بار بار کہنے لگا کہ مجھے دو مہمیں پیش آئی ہیں اون کی اودھیڑبن میں لگا ہوا ہوں اول یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس طور سے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو چار یار دیے تھے کہ اون کی قوت و شوکت سے وہ دین و شریعت جاری ہوئی جس سے آپ کا نام نامی قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپ کے بعد جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے وہ اپنے کو آپ کی امت و ملت میں تصور کرتا ہے اوسی طور سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھی چار یار دیے ہیں ایک الغ خاں دوسرا ظفر خاں تیسرا نصرت خاں۔ چوتھا الپ خاں۔ ان کو میری دولت سے بادشاہوں جیسی قوت و شوکت میسر ہوئی ہے اور یہ ایسے ہیں کہ اگر میں چاہوں

ان چاروں کی قوت سے ایک دوسرا دین و مذہب جاری کرسکتا ہوں اور میری اور میرے یاروں کی تلوار کے زور سے خلق وہ راہِ روش جس کو میں جاری کروں اختیار کرسکتی ہے۔ اور اس دین و مذہب سے میرے اور میرے یاروں کے نام جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یاروں کے نام قیامت تک رہینگے رہ سکتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں میں بھی ایک دین و مذہب نیا قایم کروں۔ غرض قیامت تک اپنا نام باقی رکھنے کے لیے اسی طرح کے خیالات کفریہ اسکے دماغ میں چکر لگاتے اور حضار مجلس سے پوچھا کرتا کہ کس طرح سے ایسی بات کروں جس سے میرا نام قیامت تک رہ جائے اور جس چیز کو میں جاری کرجاؤں میرے بعد بھی خلق اُس پر معمول رہے، دوسری ہم اس کی یہ تھی کہ سکندر ثانی جہانگیری کروں اور ربع مسکوں کو اپنے تصرف میں لے آوں ؎

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے   ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

دوسری مہم کا دیباچہ تو شروع بھی کردیا تھا اپنے کو خطبہ و سکہ میں سکندر ثانی لکھوانے لگا تھا ؎

بخت پر نخوت نہ کر اس کا نہیں کچھ اعتبار   چار دن مہمان ہے دو دن رہے ستم میں چاندنی

اب ناظرین خود بھی غور کرلیں کہ ایسے بادشاہ کو دینداری، مسکین نوازی، ضعفا پروری، عدل گستری کی نصیحت کرنی خدا کا خوف دلانا، قیامت کی باز پرس کی طرف متوجہ کرنا کیا آسان ہے؟ اور طرفہ یہ کہ اُسی بادشاہ کی سرکار میں جب کہ بحیثیت ملازم ہوں لیکن بادشاہوں کو نصیحت کرنی جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔ ایاز قدر خود بشناس۔ اس لیے آخر میں فرماتے ہیں ؎

من کیم کت زنم زپند نفس   دولت و بخت پند گوے تو بس

هست بیدار کردنِ بیدار | ہمچو باراں برسے دریا بار
نسزد چرب کردنِ بادام | نہ حلاوت بشیرہ دادن ام
لیکن آرد بحضرتِ شاہی | ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی
گر پذیری فراجت احسان ست | ور گزاری خود از در آسان ست

خلاصہ مطلب یہ ہی کہ آپ کو نصیحت کرنی حکمت بہ لقمان آموختن ہی۔ لیکن خیرخواہی سلطنت کی راہ سے میں نے اپنی عقل کے مطابق تحفہ ناچیز پیش کیا ہی۔ آپ کریم ہیں قبول فرمائیں نصیحت کے وقت مخاطب کے اوصاف کا بھی اعتراف کرنا اور یہ کہنا کہ آپ خود عاقل و فرزانہ ہیں۔ ہماری نصیحت کی ضرورت نہیں ہیں تو ایک محقر تحفہ پیش کرتا ہوں یہ آپ کا کرم ہی کرم ہی کہ اسے شرف قبول بخشیں دلدہی اور قبول نصیحت کے لیے اس سے زیادہ موثر پیرایہ نہیں ہو سکتا۔

قطع نظر اس سلاست و بلاغت اور حق گوئی کے جو ان اشعار میں ہی رموز سلطنت و فرائض سلاطین میں میر صاحب کا کیسا کمال ثابت ہوتا ہی یہ فیصلہ صاف بتا رہے ہیں کہ امیر صاحب نے مصاحبت سلاطین کو وہی فیض پہنچایا تھا جو سکندر کو ارسطو جیسے وزیر سے حاصل تھا۔ خوش نصیب تھے وہ سلاطین جن کے دربار کی رونق ایسے امیر تھے۔

نصیحت بدختر نیک اختر

شعرائے سلف کی تصنیف صرف شاعری کا آب و رنگ نہیں ہی۔ بلکہ گوناگوں افادات کا ایک خزانہ ہی جسے بجوردتوانی سے مخفی کردیا گیا ہی تاکہ اہل اُسے پاکر اگلوں کی کمائی سے لامال ہوں ورنہ نااہل کا ہاتھ اس کے پانے سے محروم رہ جائے۔ انہیں مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے کلمات جو عموماً سامع کو خوشگوار نہ گزرتے اُن کے لیے اُن پاک نفسوں نے ایک باب نصیحتِ فرزند کا قایم کیا۔

خسرو کی جدت اور ایک دلچسپ بحث

باپ اپنے بیٹے کو سب کچھ کہہ سکتا ہے اور ہر لب و لہجہ میں کہہ سکتا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کی جدت طبع یہاں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہے یعنی بجائے اس کے کہ نصیحت کا مخاطب ولادِ ذکور کو قرار دیتے اس کتاب میں آپ نے دخترِ نیک اختر کو مخاطب فرما کر کچھ نصیحتیں کی ہیں جس سے بہت بڑا سبق تعلیم و تربیت کا طبقہ اناث کے لیے حاصل ہوتا ہے اور ایک شریف بہو بیٹی کو یہ معلوم ہوتا جاتا ہے کہ وہ کون سے ہنر و سلیقہ کے زیور ایسے ہیں جو فی الحقیقت شریف عورت کو مزین کر دیتے ہیں اس طرح یہ صنف نازک بھی خزانہ خسروی کے عطیات سے محروم نہ رہی۔

نصیحت سے پہلے ایک عجیب دلکش مباحثہ ہے جس کا ممنون طبقۂ اناث ہمیشہ رہیگا یعنی اس امر پر کہ لڑکی بھی فرزندی اور شفقتِ پدری کی اسی قدر یہ بھی مستحق ہے جسقدر کہ فرزند نرینہ دلائل قایم کیئے ہیں اور پھر جس شاعرانہ قوت سے یہ ثابت کیا ہے کہ نعمائے الٰہیہ میں سے ایک بہت بڑی نعمت لڑکی کا وجود ہے وہ آپکے قیاس شعری کی قوت اور قوت محاکات کا زبردست ثبوت ہے۔

محاسن بیان میں صنعتِ التفات جس طرح کہ متکلم کے کمال کا ثبوت ہے اسی طرح شاعر کی نظموں میں اس نوعیت کے صنایع حسن نظم کو اور چار چاند لگانے والے ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس صنعت کا نمونہ حسن تدبر بیان اور حسن اسلوب سے اس جگہ پیش فرماتے ہیں وہ دلکش اور سراپا اثر ہونے میں اپنی نظیر آپ ہے۔

عام طبیعتیں ولادتِ دختر سے نفور رہتی ہیں اور لڑکوں کی ولادت کی متمنی و آرزومند۔ اسی کراہت کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں لڑکیوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا اور میراث پدری سے بالکل بے نصیب کر دی جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے بہت سی آبادیاں ایسی آج بھی موجود ہیں جن میں خود مسلمان اسی مہلک مرض میں

مبتلا ہیں ہادی مطلق اُنھیں ایمان کامل عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی میراث کتاب اللہ کے موافق تقسیم کریں۔ خیر یہ تو ایک جداگانہ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ لڑکی جہاں پیدا ہوئی ابن الدین پر خجالت و تاسف کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اولاد ہونے کی مسرت کافور اکثر دلوں کا ملال زبانوں تک آجاتا ہے کہ لڑکی پیدا ہوئی گھر خالی ہوا۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس خیال باطل کا اس انداز خاص سے رد فرماتے ہیں کہ سطحی نظر رکھنے والوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت امیر بھی اونھیں میں سے ہیں لیکن نظم کے صنائع و بدائع سے جو واقف ہے وہ بیان کی خوبی دیکھتا ہے اور لطف سخن سے سر دھنتا ہے۔ داد دیتا ہے لیکن اُس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ دیکھو۔ قبل اس کے کہ اصلاح کی باتیں شروع کریں اپنے کلام کو زیادہ موثر کرنے کے لئے پہلے اپنے آپ کو عوام الناس کی سلک میں منسلک کرتے ہیں اور ٹھیک اوسی طرح جیسا کہ ایک عامی ولادت دختر سے دل تنگ ہو جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ بھی کراہت کا اظہار کرتے ہیں اور اس مبالغے سے اس داستانِ الم کا نقشہ ایک شعر میں کھینچتے ہیں کہ جس سے زیادہ متصور ہو نہیں سکتا۔

فلسفہ جذبات اور شکسپیر کے ڈرامے سے مثال

اس مقام و کلام کا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے فلسفہ جذبات کا محققانہ مطالعہ کیا ہوگا۔ ایسی حالت میں جبکہ ایک مجمع مخالف کے سامنے اون کے خیال باطل کا رد مقصود ہو تو اونھیں راہ صواب پر لانے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اون کے

جذبہ فاسدسے فساد کا اندفاع اور اونھیں امر حق کی طرف متوجہ کرنے کا زیادہ موثر پیرایہ کون ساہی؟ اپنے کو پہلے اون کا ہمدرد ثابت کرنا یا اختلاف کا ابتدا ہی سے اظہار؟

انگریزی خواں اصحاب جنھوں نے شکسپیر کے ڈرامے عموماً اور جولیس سیزر کا خصوصاً مطالعہ کیا ہوگا، اونھیں یہ نکتہ یاد ہوگا کہ سیزر کے قتل کے بعد اوس کا دوست انٹنی جب بلوائیوں کے سامنے پہونچتا ہے تو کس انداز سے تقریر کا افتتاح کرتا ہے۔ بروٹس کے افعال کا کس طرح ذکر کرتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی تقریر کے بعد یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ بروٹس ایک شریف آدمی ہے۔ حاضرین آہستہ آہستہ اپنی غلطی اور بروٹس کی شرارت کا احساس کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جوش سے مجمع لبریز ہوجاتا ہے اور انٹنی کا مدعا انھیں بلوائیوں کے ہاتھوں سے پورا ہوتا ہے۔ شاعر کی اسی صنعت وکمال کو اشعار ذیل میں دیکھو۔

خسرو اور زبان عوام کی ترجمانی

اے زعفت فگندہ برقعِ نور ہم عفیفہ بنام ہم مستور

ماہت ازہفت برنرفتہ ہنوز روشنی چوں مہ چاردہ روز

کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی دررحم طفل ہشت مہ بودی

فی الحقیقت کمال شاعری یہ ہے کہ فطرت انسانی پر فلسفیانہ نظر ڈال کر جذبات انسانی کا ایسا نقشہ کھینچا جائے جسے لوگ حیرت زدہ ہوکر نقوش وخطوط کے

فوٹو میں ہو بہو دیکھیں۔ پہلا اور دوسرا شعر فطری جذباتِ پدری کا نقشہ پیش کرتا ہے اور تیسرا شعر اوس جذبے کا پتہ دیتا ہے جو دوں ہمتی و خیال فاسد نے پیدا کر دیا ہی۔ اس لطف کو دیکھو۔

بیٹی کا وجود اگرچہ جاہلانہ و پست خیالات سے مکروہ و قابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جوشش خون؛ علاقہ جزئیت کچھ دلی میلان کا بھی سراغ دیتا ہے۔ اوّل و دوم اشعار میں اوسی شفقت پدری کا اظہار فرماتے ہیں اوس کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہیں اپنی اولاد ہے اس سے اوس کی صورت ایسی پیاری اور حسین معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں رات کا چاند اوس کے مقابل میں ماند ہے یہ سب کچھ ہے لیکن بیٹی ہے جب یہ خیال آتا ہے تو باپ کہتا ہے کہ کاش تو پیدا ہوتی۔ داغ لاولدی اس داغ سے بہتر تھا۔ اور اگر تیرا استقرار حمل میں ہو گیا تھا تو اٹھواسی ہوتی یعنی آٹھ مہینے بعد پیدا ہوتی تاکہ جلد مر جاتی یہ ایک مشہور تجربہ ہے کہ آٹھ مہینے کا بچہ بچا نہیں کرتا اسی لئے ہندوستان کی عورتیں آٹھواں مہینہ زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتی ہیں اور اسے منحوس و شگون بد سمجھتی ہیں اس کا اظہار ان لفظوں کیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک طرف تو اون جذبات کا اظہار ہے جو باپ میں بحیثیت باپ ہونے کے پایا جاتا ہے دوسری طرف اوس کراہت و نفرت کا نقشہ ہے جو جہالت و تاریکی دماغ کا نتیجہ ہے۔

یہاں تک شاعر نے عوام کی زبان بن کر اون کے دونوں جذبات کی تصویر کشی

کی۔ اب اوس کی التفات کروٹ لیتی ہے اور ایسی تدریجی حرکت کرتی ہے کہ اوس کی ہر جنبش میں سابق سے زیادہ قوت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے۔

صلاح عوام اور صنعت التفات

لیک چوں دادۂ خدا ے رواست — با خداداد گان ستیزہ خطاست

من پذیرفتم انچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد

شکر گویم بہر چہ از در اوست — کان دہد بندہ را کہ درخور اوست

ہر چہ او داد بس پسندیدہ است — ہم در اول صلاح او دیدہ است

اشعار مذکورہ بالا میں صلاح عوام میں ترقی جس آہستگی سے کی گئی ہے اور اوس کراہت کا جس طرح آہستہ آہستہ اندفاع کیا گیا ہے وہ کس قدر دلپذیر و پرتاثیر ہے۔ شاعر پہلے شعر میں یہ کہتا ہے کہ بیٹی کی ولادت ناگوار و مکروہ سہی لیکن کیا کیا جای خدا کی دی ہوئی چیز میں بندہ ستیزہ کرے یہ تو بڑی غلطی ہے پھر دوسرے شعر میں یہ کہتا ہے عطاے الٰہی رد نہیں کی جاسکتی بلکہ قبول کی جاتی ہے پس میں نے بھی قبول کیا۔ تیسرے شعر میں اسے نعمت سمجھتے ہوے اظہار تشکر و امتنان ہے چوتھے میں انتہاے پسندیدگی کی صدا ہے۔ سلسلۂ کلام پر غور کرو۔

پہلے ستیزہ پر تعجب پھر اوس کی قبولیت اس کے بعد شکریہ آخر میں انتہاے پسندیدگی۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد شاعر کا بیان ایک اور پہلو بدلتا ہے۔

گراں بہا دلائل سے صنفِ نازک کی اہمیت

پدرم ہم زما درست آخر — مادرم نیز دخترست آخر
گر نہ بر در صدف نقاب شدے — قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے ببار آید — آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم — ق چوں مسیحا ز مریم معصوم
لیک بے مادر خجستہ وجود — ولدے را نگفتہ کس مولود

عورتوں کے وجود کی اہمیت اور صنفِ نازک کا بقا سے بنی آدم میں عنصر قوی و غالب ہونا جس طرح کہ ان اشعار میں ثابت کیا گیا ہے فقیر کی نظر سے کوئی نظم یا نثر اس زور و قوت کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئی۔ بالخصوص آخری شعر جہیں قیاس تمثیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مولود کہے گئے لیکن آج تک بغیر ماں کے کسی کو مولود نہیں کہا جا سکا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بغیر ماں کے مولود کا پایا جانا غیر ممکن اور بغیر باپ کے ممکن تو ماں یعنی عورت کا وجود افزایش بنی آدم میں باپ یعنی مرد سے زیادہ اہم و ضروری۔ اگر مردوں کا وجود تمھیں عزیز ہے تو ان کی افزایش بغیر افزایش اناث نا ممکن ہے دوسرے شعر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی کو سیپ نہ ملے تو پانی پانی ہے لیکن سیپ جو بمنزلہ ماں کے ہے وہ چند دنوں میں اوس کی حقیقت بدل کر اوس مرتبہ کمال پر پہونچاتی ہے جہاں پہونچکر تاج شاہانہ کی زینت اوس سے کی جاتی ہے۔ اسی

طرح ایک کیڑا بصورت علقہ یعنی جونک مادۂ منویہ کے ساتھ باپ کی صلب سے جدا ہوتا ہے اور رحم مادر کی بدولت اشرف المخلوقات اور تمام کائنات پر تصرف کرنے والا اون سے خدمت لینے والا ہو جاتا ہے پس انسان کو کرامت انسانی جس کی بدولت نصیب ہوتی ہے کیا اوس کا وجود قابل نفرت و کراہت ہے؟ کیا یہ ناسپاسی منعم و مربی کے حق میں جائز ہو سکتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں ہرگز نہیں

نصیحت کا شفقت آمیز حصہ

ان دلائل کے بعد خسرو علیہ الرحمۃ بیٹی کو ایسے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ محبت و الفت پدری میں ڈوبا ہوا ہے۔ جس طرح ایک وہ باپ خطاب کرتا ہو جس کے ہر رگ و پے میں اسلامی تعلیم سرایت کر گئی ہو اور اپنے پیغمبر کا اسوۂ حسنہ اوس کے دل پر نقش نگیں بن گیا ہو حقوق اولاد سے واقف ہو اور شفقت پدرانہ اپنے اوپر فرحت بخش و روح افزا فرض جانتا ہو۔

اے تنت را بجانِ من پیوند	کہ ہم مادری و ہم فرزند
تو بدیں مایہ کز قضا داری	گر نہی پا بدیدہ جا داری
سر برآر از مبارک اختر خویش	کہ مبارک تری ز جوہر خویش
انچہ نقش تو با صلاح منست	چوں تو خون منی صلاح منست

یہاں پہونچکر یہ بیش بہا مضمون ختم ہوتا ہے لیکن اس تائید میں کہ خسرو علیہ الرحمۃ

لڑکی کے وجود سے اندوہگین نہ تھے اور ان باتوں سے اپنے دل کی تسلی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصلاح عوام مقصود ہے۔ اگر اس موقع پر وہ اشعار جو خمسہ کی اوّل مثنوی مطلع الانوار میں موجود ہیں نقل کر دیے جائیں تو ناموزوں نہ ہوگا۔

مطلع الانوار سے تائید مزید

اے رُخِ تو چشم و چراغ دلم | خوب تریں میوہ ز باغ دلم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختر اند | نے ز تو در دیدۂ من بہتر اند
گاہِ تماشا بدلِ باغباں | سرو ہماں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود | بے صدفِ تازہ گہر کے شود
بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد | نام تو مستورۂ میموں نہاد

دیکھو اشعار مطلع الانوار میں کہیں نام و نشان بھی اوس نفرت کا نہیں ہے اسلئے کہ وہاں محض اپنی لڑکی کو نصیحت مقصود ہے۔ ابتدا ہی اس شفقت سے فرماتے ہیں کہ تو میرے آنکھوں کی نور دل کا سرور باغ دل کا اچھے سے اچھا میوہ ہے تیرے بھائی بھی گو نیک اختر اور میرے جگر کے پیوند ہیں لیکن میری نگاہوں میں تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ اور ایسا کیوں نہو۔ باغبان جب اپنے ہرے بھرے لہلہاتی باغ کو دیکھتا ہے تو سرو و سوسن دونوں کی تازگی اوس کے لئے یکساں نظرا فروز و تفریح بخش ہوتی ہے۔

اب اگر اتنی تفصیل کے بعد بھی کوئی یہ کہے کہ نہیں خسرو علیہ الرحمۃ بھی مثل عوام

تنگ حوصلۂ تیرہ خیال اشخاص کے ولادت دختر سے دل تنگ ہوئے اور ناقد کی تقریر شاعر کے شعر کی تاویل ہے تو اس سخن فہمی کا کیا جواب۔

اِس شاندار و مرصع تمہید کے ختم ہونے پر نصائح کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسمیں کمال نکتہ سنجی سے ایسی سود مند نصیحتیں کی ہیں کہ ہر نصیحت بجائے خود ایک پوری ارباب دانش سے یہ مراد پوشیدہ نہیں کہ نصیحت کرنے کے لئے تو ہر شخص آمادہ ہوجاتا ہے لیکن جو نصیحت کا حق ہے وہ ہر ایک سے ادا نہیں ہوتا۔ اس میں چند نکات بمنزلۂ اصول ہیں جنھیں معمولی نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ مثلاً

خسرو اور نکات نصیحت

مخاطب کی ضروریات کا اوس کی شان وحیثیت کے موافق لحاظ رکھنا، افراط و تفریط سے نصیحت کا بری رہنا، وہ نصایح ایسے اصول پر مبنی نہوں جو ناصح کے خود تراشیدہ ہوں بلکہ اون کی بنیاد ایسے اصول پر ہو جو محقق و مسلم ہو چکے ہوں خطاب کے وقت اگرچہ ایک ہی فرد واحد مخاطب ہو لیکن نصیحت میں ایسی جامعیت ہو جو کل اجناس کے لئے یکساں مفید ہو۔

خسرو علیہ الرحمۃ کو جہاں دیوان فطرت سے بہت سی نعمتیں عطا ہوئی تھیں وہاں نصیحت گری کا سلیقہ بھی بہ تمام و کمال عطا ہوا تھا۔ یہاں چونکہ نصیحت کی مخاطب بیٹی ہے اِسلئے جو نصیحتیں کی ہیں اون میں طبقہ اُناث کی بہبود و صلاح کا کامل لحاظ کرلیا ہے۔ ایک شریف بہو بیٹی کے مخصوص فرائض کیا ہیں۔ وہ کون سی صفات

ہیں کہ اگر کسی عورت میں نہ پائی جائیں تو وہ اپنی صفات سے خالی و عاری سمجھی جائے گی اس کو واضح طور پر دکھایا ہے۔

عصمت و عفت کی تاکید

ان نصایح کی بنیاد ایسی مضبوط چٹانوں پر ہے جنھیں فرضی و ملمع تہذیب کے طوفان جنبش نہیں دے سکتے۔ خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گرچہ خردی کنوں و بے تمیز — روزے آخر بزرگ گردی نیز

تا بود در بزرگیت دستور — خردہ چند گومیت مستور

از عروسی شوی چو بر سر تخت — عصمتت خواہم اوّل آنگہ بخت

خلاصہ یہ کہ اے بیٹی اگرچہ اس وقت تو کم عمر اور چھوٹی ہے اور اپنے بھلے بُرے کی تجھے تمیز بھی نہیں لیکن آخر ایک روز جوان ہوگی پھولے گی پھلے گی اوس وقت کے لحاظ سے میں چند نادر باتیں کہتا ہوں تاکہ وہی باتیں تیری اوس زندگی میں دستور العمل ہوں۔

اے بیٹی خدا تجھے جب عروس بنائے تو اوس وقت کے لئے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ بخت و اقبال سے پہلے عصمت کی دولت سے وہ تجھے مالامال فرمائے۔

عصمت و عفت اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے لیکن عورت کے لئے اوس سے بہت زیادہ ضروری۔ شریعت میں بے عصمتی کی سزا گو مرد و زن دونوں کے لئے یکساں و مساوی ہے لیکن عورت کی بے عصمتی سے خاندان و قبیلہ

پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے اوس کا اندازہ ہر شریف کر سکتا ہے۔

طاعت و عبادت

از من ایں آنچہ اوّلیں پندست — جہد بر طاعتِ خداوندست
تا توانی خدا پرستی کن — وز نیاز خداے مستی کن

بچوّں کا پہلا مدرسہ جس کی تعلیم بہت ہی اثر کرنے والی ہے وہ ماں کی آغوش شفقت ہے اگر ماں خدا ترس و عبادت گذار ہے تو اولاد میں اللہ کی عظمت، عبادت کی رغبت بچپن ہی سے راسخ ہو جائے گی اور جوان ہو کر اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے اون کا وجود رحمت ہوگا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بغیر دینداری و خداشناسی ایک انسان انسان نہیں ہوتا بلکہ حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔

حیا و پردہ

پا بدامانِ عافیت در کن — رو بدیوار و پشت بر در کن
راہِ در کم کن از درونِ سرا — در مثل خضر در زند مکشاے
زن کہ در کوچہ بہ تگ باشد — زن نباشد کہ مادہ سگ باشد

عورتوں کے لئے حیا و شرم بہترین زیور ہے۔ اگر عورت میں حیا نہیں تو کچھ نہیں سیر و تفریح اور در بدر مارے پھرنا شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا ایسی باتیں گو ابتدا میں معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انتہا میں اون کا نتیجہ حیا سوز نکلتا ہے یہ سب بری عادتیں ہیں۔

جھولا اور سرود

بادِ پیچ و دف کہ لعب زن ست | بروے ایں چنیں بست آں سست
دف شاں بی ہراسِ دشمن و دوست | فتنہ را بانگ می زند در پوست
آنکہ اوّل سرود سادہ بود | در نہایت صلاے بادہ بود

شریف بہو بیٹیوں کے لئے جھولا جھولنا۔ طبلہ بجانا۔ نغمات و سرود سے جی خوش کرنا عیب ہے۔ ابتدا میں یہ تفریح طبع کا سامان ہے لیکن انتہا اس کی شرافت کی بربادی ہے

حد سے زیادہ بناؤ سنوار

در زن آرد دو فتنہ رسوائی | سیم پاشی و پیکر آرائی
بس عروساں کہ فتنہ جوے شدند | از سفیدہ سیاہ روے شدند
چوں شدی بہر ہفت و نہ در رنج | نقد عصمت فتاد در شش و پنج
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال | با رضاے حلال ہست حلال

بناؤ سنوار، زیبائش و آرائش اوسی انداز سے چاہیئے جتنا کہ اوس کے شوہر کو پسندیدہ ہو اور شرافت کی حدود میں ہو۔ ہر وقت پوڈر و غازہ ملنا ہمہ دم اپنی آرایش میں محو رہنا چاہے گھر بنے یا غارت ہو سخت عیب ہے۔ شریف عورتوں کی تزئین بھی ایک امتیازی شرافت رکھتی ہے۔ شریف زادیاں صاف ستھری رہتی ہیں اچھے کپڑے پہنتی ہیں آرایش بھی کرتی ہیں لیکن ان کی ہر ایک شان آبرو باختہ عورتوں سے صاف امتیاز رکھتی ہے۔

خانہ داری وکفایت شعاری

از عروساں خزینہ داری بہ — راست گوئی وراست کاری بہ
مرد اگر یک قراضہ کار کند — زن یکد با نوی ھزار کند
دل نگہبان رخت باید داشت — گرہ خویش سخت باید داشت
چوں ز شو خرچ زن فزوں باشد — حال سامانِ خانہ چوں باشد

عورت کا کمال یہ ہے کہ گھر داری میں ایسا سلیقہ پیدا کرے کہ ایک روپے میں ہزار روپے جیسی عافیت و فراغت شوہر وبچّوں کو پہونچے بغیر مرضی شوہر ایک حبہ بھی خرچ نہ کرے عورت کے لئے سخاوت ہنر نہیں ہے بلکہ شوہر کی کمائی اور اوس کی دولت اوسی کے مطابقِ مرضی صرف کرنا عورت کا کمال ہے۔

ہنر و دستکاری

گرچہ زر باشدت فراخ نہ تنگ — تا نداری ز دوک و سوزن ننگ
دوک وسوزن گذاشتن نہ فن ست — کالت پردہ پوشی بدن ست

عورتوں کا خاص ہنر چرخہ کاتنا اور کپڑا سینا ہے۔ خبردار اس ہنر خاص سے غفلت نہونے پائے چاہے خدا تجھے اپنے فضل سے مالا مال کر دے لیکن ہنر مندی سے بے پروائی نہو۔

ہر ایک نصیحت کو پڑھو اور اس پر غور کرو کہ خسرو یہ نصائح اپنے بیٹی کو فرما رہے ہیں اولاد سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہوگی جب ایک ایسا جلیل الشان باپ اپنی

بیٹی کے لئے ان اوصاف سے متصف ہونا پسند کرتا ہے تو وہ دوسری عورتوں میں بھی ضرور انھیں اوصاف کو ڈھونڈھے گا۔

امرا کا اثر متوسط و غربا پر

تجربہ اس پر گواہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام جہاں ان میں تمول آیا بس کاہلی و بے پروائی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ ادبار و نکبت ہے خسرو اسی لئے بیٹی سے یہہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رزق میں کشایش فرماے اور فراخی دولت تجھے نصیب ہو تو اوس وقت بھی اون ہنروں سے غفلت نکرنا جو شعار عورتوں کا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ امرا و اہل دول کا اثر آہستہ آہستہ اوسط و ادنی طبقہ پر بھی پڑتا جاتا ہے پس جب امرا کا گھر ایسا ہو کہ جہاں نہ گانا ہے نہ بجانا۔ نہ جھولا ہے نہ راگ راگنیاں نہ بناؤ سنوار ہے نہ بیہودہ اسراف بلکہ خانہ داری کا انتظام ہے اور بی بی کی سرگرمی۔ خود بی بی ہر طرح کا سلیقہ رکھتی ہو اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو محسوس کرتی ہو۔ علی الصباح اوٹھ کر دوگانہ فریضہ ادا کرکے تلاوت سے جب فارغ ہوئی ہو تو بچوں کے کپڑے درست کرتی ہو یا اپنا لباس بناتی ہو غرض خود کام کرتی ہو اور کام کرنے والوں پر نظر رکھتی ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اوس گھر کا ساز و سامان درست ہوگا۔ اور اوس کا اثر اوسط و ادنی پر یہ ہوگا کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو عار نہ سمجھیں گے بلکہ بڑائی کی علامت خیال کریں گے رفتہ رفتہ قوم کی قوم میں قوت عملیہ کو ایسی جنبش ہوگی کہ ہر جنس اور اوس کا ہر فرد اپنے اپنے

فرائض میں مصروف ہوگا۔

اس زمانے کے خوش حال طبقہ میں اپنا کسی طرح کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غربا و مساکین کا شعار ہے۔ عورتیں ہیں کہ ہنر و خانہ داری سے ہاتھ اوٹھا بیٹھی ہیں اوس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ شوہر روپیہ کماتے کماتے تھکا جاتا ہے لیکن گھر میں کسی کو آسایش نصیب نہیں۔ شاید خسروؔ کے عہد میں بھی امرا کے گھرانوں کا انھیں لغویات و باطل خیالات کی طرف میلان شروع ہوگیا ہوگا۔

نئی تہذیب کا اعتراض

بہرحال اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ نصیحتیں اسی قابل ہیں کہ ہر شریف بہو بیٹی انھیں اپنا دستور العمل بنائے۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس دور تہذیب کے روشن خیال حضرات خسرو کی ایسی بیش بہا نصائح پر کہہ اوٹھے کہ ”اوس زمانے میں عورتوں کی حالت نہایت پست تھی امیر خسرو اس قدر صاحب دولت و ثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہیں کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی موکھے کے پاس بیٹھ کر ادھر اودھر نہ جھانکنا“ میرے دوستو۔ جوشِ تہذیب میں آکر اسلام کے مایۂ ناز بزرگوں کو اپنے مطاعن کا ہدف نہ بناؤ۔

ناصح کی شان کا علو

ذرا اس کو سوچو کہ یہ نصائح کس نے کئے ہیں۔ کس زمانے میں کئے ہیں نصیحت

کرنے والا کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ اس کی خاندانی وجاہت کیا رتبہ رکھتی تھی علاوہ علم و فضل کے کیسی آب و ہوا میں یہ زندگی بسر کرتا تھا۔ انقلابات ایام کے کیا تجارب اس کے پاس تھے اوس وقت مسلمانوں کی ذی علم جماعت دنیا میں کیا وقار و وقعت رکھتی تھی۔ اگر تم انصاف سے ان امور پر ایک سرسری نظر بھی ڈالو گے تو تم اپنے اس فیصلے پر قائم نہ رہو گے کہ عورتوں کی اوس وقت ایسی ذلیل و پست حالت تھی جو ادن کو ایسی نصیحتیں کی گئیں۔

امیر خسرو اوس باکمال و بلند حوصلہ باپ کے فرزند ہیں جس نے ترکستان سے جب ہندوستان کا ارادہ کیا تو خاک ہند نے کس کس طرح اپنے مہمان عزیز کی میزبانی کی۔ بادشاہ نے جاگیر دی۔ عہدہ دیا۔ منصب کا پایہ بلند کیا یہاں تک کہ امراے سلطنت کی سلک میں منسلک ہو گئے۔

امیر خسرو کی ماں اوس جلیل الشان باخدا رئیس کی بیٹی تھیں جنھیں دینی دولت کے علاوہ ہندوستان میں عماد الملک کا لقب حاصل تھا اگر والدین کی شرافت اون کے حوصلہ کی بلندی ہمت کی فراخی اولاد کے حق میں کچھ بھی مفید ہوتی ہی اور والدین کا خون اگر کچھ بھی اثر رکھتا ہی تو پھر اسے خسرو کے حق میں ماننے سی کیوں دریغ کیا جای خود امیر خسرو کی ذات گوناگوں کمالات کی جامع تھی علوم و فنون میں اونھیں جو یگانہ بلند حاصل تھی اوس کی شہادت اون کی تصانیف ہیں تزکیہ باطن کے لئے محبوب الٰہی کا محبوب ہونا کفایت کرتا ہے۔ تمول کے لیے لفظ امیر کافی ہے انقلاب دہر کا تجربہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ گیارہ سلاطین با آئین ان کے وقت میں گذرے

جن میں سے سات بادشاہوں کے تقرب کا انھیں پورا موقع ملا۔ موقع شناسی اور دماغ میں سلجھاؤ اس سے ظاہر ہے کہ سلاطین کا تغیر سلطنت کا نظام الٹ دیا کرتا تھا۔ لیکن امیر خسرو ہر عہد میں ممتاز و باوقار رہے۔

ایّام سلف کی برکات

وہ زمانہ مسلمانوں کی ایسی اعلیٰ تہذیب کا تھا جس نے ہندوستان جیسے متعصب ملک میں اپنی تہذیب گھر گھر پہونچا دی تھی۔ مسلمانوں کے قوائے عملیہ سست و کاہل نہ تھے اس لئے محض بیکار رہنا موجب عار سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی تخصیص مرد و عورت کی نہ تھی تعلیمات اسلامی کا یہ اثر تھا کہ سلاطین تک شریعت کے فتوے سے کانپ اوٹھتے تھے۔ اوس وقت علما و مشایخ کی ایسی جماعت ہندوستان میں تھی اور روز افزوں ہو رہی تھی جن کی تصانیف آج شریعت و علوم اسلامیہ کی ضامن ہیں۔

دنیا کے مختلف گوشے مسلمانوں کے سیف و قلم سے مفتوح ہو چکے تھے ان کی سطوت و جلالت اکناف عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ پس اوس عہد میں جبکہ ملک اپنے زیر نگیں تھا فاتحانہ و ملوکانہ جذبات دل و دماغ میں تھے۔ سیاست کی تلوار اور شریعت کا تازیانہ ہر طرح کی محافظت کر سکتا تھا۔ اولیائے کرام و علمائے عظام کی پاک صحبتیں خیالات فاسدہ کی بیخ کنی کیا کرتی تھیں فتوحات کے فراخ دروازے بے زری و تنگ دستی کے مفہوم کو مٹا رہے تھے۔ خسرو جیسا عالی دماغ و دل کامل

امیر کبیر آزمودہ کار اپنی بیٹی کو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اگر تمغائے شرافت نہیں ہے تو پھر اس عہد کے مسلمان جن کی حالت ہر پہلو سے زبوں ہے ان کی بات پایۂ اعتبار رکھنے کی کیونکر مستحق ہو سکتی ہے۔ اوس عہد کی ماؤں کی بلندی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اون کی اولادیں دنیا میں ہر طرح کی یادگاریں چھوڑ گئیں۔ علم، عمل دولت، سلطنت، جرأت، شجاعت کیا کچھ فضائل انسانی کے بیش بہا خزائن نہ تھے جو اسلاف نہ چھوڑ گئے۔ لیکن اون کے جانشین ایسی ہی بلند حوصلہ و عالی ہمت پیدا ہوئے جنھوں نے نہایت بدسلیقگی سے اون بیش بہا خزائن کا مالک اغیار کو کر دیا اور خود دست نگر ہونے کا بھی شعور کھو بیٹھے۔

حاصل جواب

وہ شریفانہ معاشرت کہاں گئی۔ جبکہ عورتوں کے کپڑے غیر محرم دیکھ بھی نہ سکتے تھے چہ جائیکہ اون کا سینا اور دھونا۔ تم چرخہ چلانے یا سلائی کا ہنر جاننے پر طعن کرتے ہو یہ تو ویسا ہی ہوا جیسا کہ ناعاقبت اندیش اہل دول لڑکوں کو تعلیم سے محروم اس بنا پر رکھتے ہیں کہ علم غربا کے لئے ہے، ہماری اولاد کو کیا دفاتر میں نوکری یا اسکولوں میں معلمی کرنی ہے۔

ہاں یہ اعتراض کہ کمالات علمیہ اور دیگر فضائل انسانی کی طرف اس بلند آہنگی سے کیوں توجہ نہ دلائی گئی جس قدر کہ امور خانہ داری پر زور دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی خسرو کا ایک کمال ہے کہ جہاں نصیحت کا مخاطب بیٹی کو فرمایا ہے

تو اوس وقت ایسی نصائح جو ما بہ الامتیاز مرد و زن ہیں اونھیں کو غالب رکھا ہے اور جہاں بیٹا مخاطب ہے تو اوس سے وہی باتیں کہی ہیں جن کا سزاوار مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اگر عام پند اور ما بہ الاشتراک نصایح سے خطاب فرماتے جو مخصوص فرائض اناث نہیں بلکہ فرائض انسان و اسلام ہیں تو پھر یہ معلوم ہوتا کہ خطاب دختر کی اس میں تخصیص کیا ہے۔

خطیب کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ مخاطب کا صحیح اندازہ کر کے اوس کو ایسی نصیحتیں کرے جو اوسی سے مخصوص ہوں ورنہ عام نصیحت کے لئے خصوصیت و تشخص بیکار ہے اوس کے لئے پھر خطاب عام چاہئے۔ بہر حال خسرو کے تمام نصائح کو پڑھ جاؤ اوس کے بعد ایک ایسی ذات کا جو ان اوصاف سے متصف ہو تصور کرو تمھیں ایک رحمت الٰہی مجسم نظر آئیگی افسوس ہے کہ یہ مضمون اندازہ سے بہت زیادہ پھیل گیا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ پر جبکہ ایسا قلم معترضانہ رواں ہو جسے اون کے کلام کا صحیح مفہوم لکھنا چاہئے تھا تو پھر اُس کی اصلاح اس سے کم میں ناممکن تھی۔ اس دور کے ارباب قلم کی غلطی تسلیم کرنا اس سے کہیں زیادہ سہل ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ پر ایک بے بنیاد الزام کا اثبات زبردستی کیا جائے۔ ناظرین مجھے معاف فرمائیں میں سلف کا دلدادہ و شیفتہ ہوں ؎

فتنۂ گفتگوے ایشانم مستِ لاے سبوے ایشانم

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ ایسے مضامین تھے جو آغاز مقصد سے قبل مثنوی میں عموماً

خسرو لکھا کرتے ہیں۔ اب اصل قصہ سے اقتباس کرکے حسن کلام کا نمونہ دکھایا جاتا ہے:۔

بیان حسن کنیز چینی

برچو نا بخ نو بشاخ درخت — سخت رستہ ز صحبت دل سخت

رگ نمودہ بروں ز لطف بدن — ہمچو رشتہ درونِ درعدن

شوخی و عاشقانہ انداز کے ساتھ پہلے شعر میں سختی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ بالکل نرالی ہے اور اچھوتا تخیل ہے لیکن معقول۔ دوسرے شعر میں گورے گورے بدن میں سے رگوں کا پھوٹ کر ایک دل فریب رنگ پیدا کرنا کیسا نادر خیال ہے۔ جس کسی نے سلک مروارید کو دیکھا ہوگا اس تشبیہ کے لطف کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ کیسی لطیف تشبیہ ہے۔

قدر اندازی بہرام

آہن تیر چوں محک کردے — خط گوراں ز پشت حک کردے

ورزآہو بدے نشانۂ او — موے بشگافتے ز شانۂ او

ورشدے بر نشانہ سخت انداز — رخنہ درنافِ کوہ کردے باز

صرف تین اشعار میں تمام شعبہائے تیر اندازی کے کمال کو جس صفائی و سلاست سے آپ نے بیان کیا ہے اُس سے کلام کی پختگی و چستی ظاہر ہے یعنی جس طرح چاہتا تھا تیر چلاتا تھا۔ کبھی تو گورخروں کی پشت پر جو خطوط ہوتے تھے اونھیں تیر سے اوڑا دیتا

کبھی ہرن کے بالوں کی موشگافی کرتا۔ اور شکار کو کچھ بھی آسیب و آزار نہ پہونچتا اور جو زخم پہونچانا چاہتا تو ایسی قوت و طاقت سے تیر بیٹھتا کہ گورخر کا تو کیا ذکر پہاڑ میں بھی سوراخ ہو جاتا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت کی بنیا درکھتے ہوے فرماتے ہیں۔

پس نوشتم بکلک مشک سرشت　　　نام این ہشت خانہ ہشت بہشت

تا کسے کاندرو گذر یابد　　　بے قیامت بہشت دریابد

اب اس بہشت کا جسے لطف حاصل کرنا ہو اوس کو ایک سرسری نظر سے پوری کتاب مطالعہ کرنا ضرور ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اشعار کہاں کہاں سے لیے گئے ہیں اور باہم ربط و مناسبت اونمیں کس طرح ہے۔

گنبد مشکیں بہشت دوم

بہرام کے وزیر باتدبیر نے صید و شکار سے جب بہرام کو باز رکھنا چاہا ہے تو اوس نے سات گنبد عجیب و غریب نادر و حسین طیار کرائے ہیں۔ ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے ہر ایک میں ایک شاہزادی ایک ایک اقلیم کی رونق بخش ہے۔ بہرام ہر ایک شاہزادی کے گنبد میں ایک ایک شب جاتا ہے اور کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے۔ شاہزادی قصہ بیان کرتی ہے۔ اس طرح اس میں سات قصے امیر خسرو نے نظم فرمائے ہیں۔ خسرو کی شاعرانہ قوت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ ایک بہشت کا بیان شروع کرتے ہیں تو اوس کے رنگ کو بیان کرتے ہوے ابتدا قصے سے آخر قصے تک اوسی رنگ کی رنگینی معلوم ہوتی ہے۔ جو بات نکلتی ہے اوسی

رنگ میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر اوس رنگ کے فلسفے کو بیان کرکے اپنی رنگینی طبع کا عجیب رنگین ثبوت دیتے ہیں مثلاً گنبد مشکیں کی تمہید میں فرماتے ہیں ؎

روز شنبہ کہ باد مشک انگیز ۔۔۔ شد بدامانِ صبح غالیہ ریز

شہ بگنبد سرائے مشکیں شد ۔۔۔ خانہ زو ہمچو نافہ چیں شد

جامہ را ہم برنگِ کیوانی ۔۔۔ داد ترتیبِ عنبر افشانی

ان اشعار میں قطع نظر اون صنائع لفظی کے جو امیر صاحب کا روزمرہ ہے گنبد کا رنگ چونکہ سیاہ تھا اس لیئے بہرام کا اوس میں داخل ہونا بھی بروز شنبہ رکھا گیا۔ اور ستارہ شنبہ یعنی زحل کا رنگ سیاہ ہے۔ بہرام خود سیاہ پوش ہے شہزادی کا لباس بھی گنبد مشکیں کی طرح سیاہ ہے۔ اس کا التزام مثنوی کے ہر قصہ میں ہے کہ جس طرح ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُسی کی رعایت سے شاہزادیوں کا لباس بھی مختلف رنگ کا ہے۔

ہر یکے ہم برنگ مسکنِ خویش ۔۔۔ جامہ را رنگ داد برتنِ خویش

اگرچہ کمال شاعری و لطف سخن کو ان باتوں سے سروکار نہیں لیکن اس قسم کی رعایتوں سے ایک دل فریب تخیل پیدا ہوتا ہے اور ساری کتاب کو پڑھ جانے سے ایک ایسی مینا کاری معلوم ہوتی ہے جو ہشت بہشت کو اسم بامسمیٰ بنا دیتی ہے۔

گنبد مشکیں یعنی بہشت دوم میں سیاہ رنگ کی رعایت مقصود ہے۔ اسلیئے امیر حسن نے اوس وقت کو جبکہ تینوں شاہزادے غریب الوطنی و رہ نوردی کے بعد باپ کے

پاس آتے ہیں اور باپ خوش خوش بڑے لڑکے کو سلطنت حوالہ کرتا ہے یوں بیان فرماتے ہیں ؎

پدر پیر شادمانی یافت | بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکہ از خوش دلی بہ تمکیں گشت | موے کافور گونش مشکیں گشت
کردہ روشن بہ مہتریں پسراں | بالش مشک وام تاجوراں
چتر مشکینش داد با ہمہ چیز | دیگراں را لواے مشکیں نیز

لیکن اس خیال سے کہ سیاہ رنگ عموماً نشان ماتم ہے اس کو عیش و نشاط، فرحت و انبساط سے کیا علاقہ۔ اس لئے امیر صاحب ختم قصے پر اس فلسفہ کو بیان کرتے ہیں کہ سیاہ رنگ بھی اپنے موقع و مناسبت سے دل آویز و نظرافروز ہوا کرتا ہے ؎

رنگ مشکیں شعار عباسی ست | زیور آرائے چرخ شماسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود | بہر آسایش تمام بود
خون تر در میان نافۂ خشک | تا نگردد سیہ نباشد مشک
خط و خالیکہ دلستاں دارد | مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

بیان و جوہ میں بتدریج ترقی و قوت بھی ملحوظ خاطر رہے۔ قصہ ختم ہوتا ہے۔ بہرام ہم آغوش ہو کر خواب سے راحت پذیر ہوتا ہے۔ اوس عیش کے وقت کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

شاہ کز نازنین مشکیں موئے | ایں فسانہ شنید روئے بروئے

خفت در خواب گاہ حور العین   گل در آغوش و مشک بر بالیں

واقعہ نگاری اور تسلسل

سبحان اللہ ایک رنگ سیاہ نے کتنے خوش آیند خیالات پیدا کر دیے ہیں جس سے شاعر کی قوت متخیلہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اوس کے تمام اجزا اس طرح بیان کیے جائیں کہ تسلسل مضامین کی کوئی کڑی چھوٹنے نہ پائے اس کے ساتھ ہی اس کا بھی لحاظ رہے کہ غیر ضروری بات مذکور ہونے پائے بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کنایہ تصریح سے زیادہ صراحت کرتا ہے اور کلام کی بلاغت اوسی کی مقتضی ہوتی ہے۔ کسی جگہ تصریح و تشریح کے بغیر بلاغت کا حق ادا نہیں ہوتا۔ مثنوی نگار اگر اس کا لحاظ نہیں کرتا ہے تو اوس کی خامی و کم مائگی سمجھی جاتی ہے خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری اس کمال میں بھی کامل ہے۔ ہر ایک قصہ میں اس تفصیل سے جزئیات کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک بات سے دوسری بات خود نکلتی آتی ہے اوس پر زبان کی صفائی اور بندش کی چستی کا یہ حال ہے کہ اوس سے کم عبارت میں اگر اوسی مضمون کو بیان کیا جائے تو لطف ادا کو کھوئے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اگر طول دی جائے تو حشو و زوائد میں شمار ہو۔ اوس کا اصلی لطف تو اوسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو پوری کتاب پڑھ جائے۔ لیکن دو ایک نمونہ جستہ جستہ پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال ہشت دوم کی شاہزادی نے جو قصہ بیان کیا ہے اوس میں تین غریب الوطن شاہزادوں کی فراست اور علم بالآثار کا ذکر ہے۔ اوس وقت جبکہ شاہزادے ایک

بادشاہ کے مہمان ہیں اور اون کی ضیافت میں شراب وکباب مہیا کیا گیا ہی۔ ایک نے شراب میں آدمی کے خون کا لگاؤ بتلایا۔ دوسرے نے کباب کو کتے کا قرار دیا۔ تیسرے نے بادشاہ کو باورچی کا لڑکا کہا۔ بادشاہ پشت دیوار سے اون کی گفتگو سن رہا تھا۔ اپنے متعلق ایسا ہوش ربا حکم سن کر تحقیق شروع کرتا ہے۔ پہلے دونوں حکم صادق آتے ہیں۔ اس سے تیسرا حکم جو خود اوس کے متعلق ہے اوس کے صدق کا پلہ غالب آتا ہے۔ ماں کے پاس جاتا ہے اوس کے غضبناک انکار پر قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ آخر ماں کو جب اپنی موت کا یقین آجاتا ہے تو مجبور ہو کر اقرار کرتی ہے۔ بادشاہ اپنے مہمانوں کے پاس آتا ہے اور اون کی فراست کی داد دینا چاہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم لوگوں نے کیونکر یہ پہچان لیا۔ وہ وجہ بتلاتے ہیں۔ امیر صاحب کا قلم اس طرح اوس کی تصویر کشی کرتا ہے ؎

شہ چو بشنید راز ما درخویش	سر فگند از خجالت اندر پیش
رفت در خود فرو و حیراں گشت	وزچناں پرسشے پشیماں گشت
جست بیروں زکاخ شرمندہ	وز تحیر نہ زندہ نے مردہ
شد بخلوت سرائے مہماناں	بے زباں گشت زاں زباندا ناں
چوں گذشت از شراب دورے چند	راز را بر گرفت مستی بند
گفت کانچہ از شما شنیدم راز	ہمچناں یافتم چو جستم باز

ایسے خجلت انگیز راز کے افشاء نے بادشاہ کی جو حالت کر دی ہوگی اوس کا نقشہ

امیر صاحب کے قلم نے کس خوبی سے کھینچا ہے۔ ایک ایک شعر کو پڑھئے اور ہزاروں داد دیجئے۔ بادشاہ کا ہکا بکا ہو جانا ایک فطری بات ہے لیکن تسلسل بیان اس کا مقتضی ہے کہ بادشاہ خود اپنے منہ سے اس شرمناک راز کی تصدیق کرے تکمیل قصہ کے لئے اوس کے منہ سے اقرار کرانا ضروری تھا۔ اس لئے بیچ میں شراب کو ڈالا۔ اس سے عمدہ ذریعہ اقرار کا ہو نہیں سکتا تھا۔

دوسری مثال اسی طرح ہشت ہفتم کے بیان میں شاہزادہ جب طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگا کر وزیر کے دربار میں نظر سے غائب ہوتا ہے اور اپنے موکل دیو کو اشارہ کرتا ہے کہ بدکار وزیر کو دہول لگاے اس کا بیان بس ہو بہو فوٹو ہے ؎

کرد اشارت بدیو تا برخاست	دست خود کرد بہر سیلی راست
زد قفائے بخواجۂ دیواں	کہ بلرزید زاں طرارق ایواں
کار داراں زجائے برجستند	سرآں حال رابہے جستند
ہمہ ریں گفتگوے بُد ہرکس	کاہرمن باز در رسید زپس
زد چناں سیلی دگر ناگاہ	کز سرِ خواجہ برفتاد کلاہ
کلہ گرد خوردہ رازاں گرد	تا ستاند قفائے دیگر خورد
حیرتے درمیانِ خلق افتاد	دوست آزردہ گشت دشمن شاد
مردماں از خجالتِ دستور	دُور گشتند یک بیک زحضور
ایں زسودائے سیلیش خنداں	واں دگر پشتِ دست بر دنداں

خواجہ جست از خجالتِ سیلی　　　بارخِ زرد گردنِ نیلی

ان ابیات میں جس تفصیل سے دیو کا ہاتھ اوٹھانا اور دہول مارنے کے لئے اوس کو سنبھالنا اور پھر ایک دہول لگا کر ٹھیر جانا لوگوں کا متحیّر ہونا اور آپس میں تحقیق کی نظر سے گفتگو کرنا۔ اس اثنا میں دوسری دہول کا رسید ہونا وغیرہ وغیرہ جس شرح و بسط سے بیان کیا ہے اوس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے سچ پوچھئے تو واقعہ مذکورہ کی تصویر اس سے زیادہ روشن و دل آویز کیا کھینچی جاسکتی تھی۔

ان دو نمونوں سے یہ دکھلانا تھا کہ امیر صاحب جہاں صنائع و بدایع اور محاسن لفظی و معنوی کے خسرو ہیں وہاں بیان واقعات میں بھی اوسی قدر ارفع و اعلی پایہ رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ امیر صاحب مثنوی لکھنے کا حق رکھتے تھے اور صحیح معنوں میں آپ نے مثنوی کا حق ادا کیا۔

حیثیت شخصی کا لحاظ

مثنوی نگاری میں یہ حصہ شاعر کے لئے نہایت ہی معرکۃ الآرا رہے ایک ہی حالت ہوتی ہی مگر اوس کا اثر باعتبار اشخاص مختلف ہوتا ہے اب اگر شاعر حالت کے ساتھ شخص کا لحاظ نہیں رکھتا ہے تو اوس کے بیان کا یہ پہلو کمزور ہو جائے گا۔ مثلاً فرض کرو ایک نبرد آزما ہے جس نے مختلف میدانہائے کارزار میں اپنے شجاعت کا جوہر دکھایا ہے۔ وہ کسی ایسے نازپروردہ کا ہم سفر ہے جس نے تنعم کے سایہ سے کبھی قدم

باہر نہیں نکالا۔ اتفاقاً کسی موقع پر رہزنوں کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو اوس وقت اوس تجربہ کار سپاہی اور ناز پروردہ رفیق کے دل پر جو اثر ہوگا وہ ایک دوسرے سے بالکل مغائر ہوگا۔

سپاہی آزمودہ کار کے حواس درست ہوں گے دست و بازو میں قوت موجود ہوگی رگوں میں شجاعت کا خون دوڑتا ہوگا۔ چہرہ جوش بہادری سے تمتا رہا ہوگا۔ برخلاف اس کے ناز پروردہ کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہوں گی۔ بدن پر لرزہ طاری ہوگا۔ ہوش برجا نہوں گے۔

اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جب کسی واقعہ یا حالت کا بیان ہو تو جس شخص سے اوس کا تعلق ہے اوس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اس کمال کے بھی نمونے ملاحظہ ہوں۔

مثال اوّل۔ بہرام شکارگاہ میں خفا ہوکر دلارام کو گھوڑے سے اوتار دیتا ہے اور خود گھوڑے کی باگ موڑ کر روانہ ہوجاتا ہے۔ دلارام دشت پر خار میں تنہا رہ جاتی ہے اوس وقت اوس کے دل پر کیا گذری اور اوس نے کیا کیا اور کیونکر کیا اس کی ہو بہو تصویر ان اشعار میں دیکھیے یہ یاد رہے کہ دلارام بہرام کی معشوقہ دل جاں نواز ہے عیش و عشرت ناز و تنعم میں نشو و نما پایا ہے۔ دل کی کلی ہمیشہ کھلتی رہی ہے یہ کوئی معمولی حیثیت کی عورت نہیں ہے اس پر جو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تو اس کی حالت بھی معمولی حیثیت کی عورت سے مغائر ہوگی خسرو اسی کو بیان کرتے ہیں۔

ماند بیخویشتن صنم تا دیر — تشنہ و غرقِ آب و ازجاں سیر
پس بصد خستگی زجا برخاست — راہ صحرا گرفت و می شد راست
بسکہ منزل بدشت و دیواں داشت — سایۂ خویش دیو می پنداشت
بسکہ رہ بر سنان تیزش بود — موزہ غربال خاک بیزش بود
ازکفِ پاے خارہاے چو تیر — میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکہ از برگ گل فگار بود — چوں شود چوں بروے خار شود
کس نہ ہمراہ و رہنماش مگر — سایہ درزیر و آفتاب زبر
می نمود اندراں پریشانی — گفتہ و کردہ را پشیمانی
زاں بساط دداں آہو خاے — کردبیم دد انش آہو پاے
بیم بودش کہ پاشود بطواف — چوں سمِ آہو از میانہ شگاف

کس خوبی سے خسرو علیہ الرحمۃ نے اوس کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو
پہلا اثر تو اس ناگہانی آفت کا یہ ہوا کہ وہ ایسی متحیر و ششدر ہو گئی کہ تھوڑی
دیر تک یہ بھی سمجھ نہ سکی کہ واقعہ کیا گذرا جب آہستہ آہستہ اوس کے حواس اپنا صحیح
فعل کرنے لگے تو اوسے اپنی اس نازک حالت کا اندازہ ہوا۔ زبان سوکھ کر کانٹا
ہو رہی ہے جسم ہے کہ پسینہ میں شرابور ہے۔ جینا وبال ہو رہا ہے۔ دیکھئے پہلا شعر
ان سب کیفیات پر کس طرح حاوی ہے ؎

ماند بیخویشتن صنم تا دیر — تشنہ و غرقِ آب و ازجاں سیر

کچھ سوچ سمجھکر اوٹھتی ہے تو جسم میں طاقت نہیں بدن ہے کہ رنج و غم سے چور چور ہے بصد خرابی اوٹھی اور ایک سمت کا رخ کیا۔ اس کیفیت کو دوسرے شعر میں دیکھیئے

پس بصد خستگی زجا برخاست   راہ صحرا گرفت و می شد راست

ایک صحرائے لق و دق مہیب و وحشتناک ہے۔ غولان بیابانی کا نشیمن ہے۔ تنہائی و بیکسی نے ایسا متوحش کر دیا ہے کہ اپنے سایہ کو بھی وہ بھوت سمجھتی ہی انتہائی اضطراب و گھبراہٹ خوف و وحشت میں جو حالت کہ طاری ہوتی ہے اوس کا صحیح نقشہ یہی ہے جو اس شعر میں ہے ؎

بسکہ منزل بدشتِ دیواں داشت   سایۂ خویش دیو می پنداشت

اوس کی نزاکت و لطافت کے ساتھ صحرائے پرخار نے کیا سلوک کیا اوس کو اس شعر میں دیکھیئے ؎

بسکہ رہ بر سنانِ تیز سپرد   موزہ غربال خاک بیزش بود

اسی طرح ہر شعر ایک خاص حالت و کیفیت کا نمونہ ہے۔

دوسری مثال۔ بہشت دوم کے قصے میں بادشاہ نے جبکہ بیٹوں سے تخت و تاج کا مالک بننے کے لئے کہا ہے تو اوس وقت ہر ایک بیٹے نے جو جواب دیا ہے وہ قابل لحاظ ہے مثلاً بڑا بیٹا یہ جواب دیتا ہے ؎

پور دانا بخاک سود کلاہ   گفت جاوید باد دولت شاہ

کی روا باشد از ہوا خواہی   کہ زنم پیش شہ دم شاہی

تا تو ئی ملک بر کسے نہ سزاست | بے تو خود زیستن برائے چہ راست
تخت ما ولے چوں منے نبود | جائے تو جائے چوں منے نبود
مور با آنکہ بر سریر بود | کز سلیمان و تخت گیر بود

بیٹے کی سعادت مندی اسی کی مقتضی تھی کہ باپ کے رہتے ہوئے بیٹا ہوس سلطانی نہ رکھے لیکن ضمن جواب میں اس امر کی ناموزونی جو آخر شعر میں بیان کی گئی ہے وہ حسن التعلیل کے ساتھ عجب ادب آموز نکتہ ہے ؎

مور با آنکہ بر سریر بود | کز سلیمان و تخت گیر بود

اس شعر پر جتنا غور کروگے اتنا ہی لطف آئیگا۔

اب بادشاہ منجھلے بیٹے کو بلاتا ہے اور اوس کے سامنے تخت و سلطنت پیش کرتا ہے منجھلے کا جواب سنئے ؎

گفت مارا بجان و بینائی | کردنی شد ہر آنچہ فرمائی
لیک پیشت حدیث تاج و سریر | عیب باشد ز بندہ عیب گیر
گر بود در سرت کہ افسر خویش | خود مزین کنی بگوہر خویش
مہترے ہست آخر از من خورد | بار سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست ایں معراج | لو لوے خور نیست در خور تاج

اگر منجھلا بیٹا صرف اسی قدر جواب پر اکتفا کرتا کہ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن تاج و سریر کا ذکر آپ کے سامنے کرنا بڑے عیب کی بات ہے اگر اس میں حکم

عدولی ہو تو بندہ کو نافرمان نہ خیال کیا جاے تو بڑے اور منجھلے کی خصوصیت نمایاں نہو تی۔ اس لئے اوس نے اپنے جواب میں اس قدر اور اضافہ کیا کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں تاج شاہی سے مزین فرمائیں تو بسم اللہ بڑا بھائی موجود ہے یہ حق اوس کا ہے اور آپ کے بعد اوسی کو زیب دیتا ہی اُس کی دلیل یہ ہے کہ سر سے بوجھ اوتار کر کاندھے پر رکھنے کا دستور ہے۔ اب جواب کامل ہوگیا۔ بڑے اور منجھلے کا فرق بھی نمایاں ہوگیا۔ باپ کی موجودگی میں سلطنت سے دست برداری بھی ظاہر کر دی اور اوسی کے ساتھ بڑے بھائی کا ادب وحق ملحوظ رکھتے ہوے فرق مراتب باپ اور بڑے بھائی کا بھی "بار سر جز بدوش نتوان برد" کہہ کر قائم کر دیا۔

تیسری مثال۔ ہشت بہشت کے قصے میں جسوقت سوداگر زادہ طلسمی حمام سے ایک سال بعد برآمد ہوا ہے اُس وقت اوس کے غلاموں کو جو مسرت ہوئی ہے اور جس طرح اونہوں نے اپنی خوشی کا اظہار دلی نعمت سے کیا ہے، اوس فرط جوش محبت میں بھی اون کی غلامانہ حیثیت پوری طرح ملحوظ ہے ؎

چوں بدیدند روے منعم خویش — در دویدند خواجہ را در پیش
ہریک از بندگاں بہ آزادی — گریہ میکرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند — بوسہ بر دست و پاش میدادند

جذبات عاشق ومعشوق اور آن کے لوازم | سرسری نگاہ میں عاشق کی

نیازمندی معشوق کی بے نیازی ایک معمولی مضمون ہے جسے ہر سخنور بیان کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزل عشق کی راہیں جس طرح عمل میں دشوار گزار ہیں اوسی طرح اون کا بیان بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں ایسے ایسے لطیف نکات ہیں جنھیں ہر ناظم کی قوت فکریہ پا نہیں سکتی ؎

ہزار آیت خوبی ست در مطالعۂ رو ‏ ‏ ‏ نہ ہر کہ خط بشناسد مفسری داند

پہلی مثال۔ عاشق جب مژدۂ وصل پاتا ہے تو اس روح پرور خبر سے اوس پر ایک عالم وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی عاشق کے لئے معشوق کا وصال بہت ہی دشوار ہو۔ کوشش وسعی کی راہیں مسدود ہوں۔ ہجوم یاس نے اوسے بالکل ہی وارفتہ وازخود رفتہ کر دیا ہو اوس بیخودی کے عالم میں اوسے مژدۂ وصل پہونچے تو پھر اوس کے وجد وطرب کا ایک اور ہی عالم ہوگا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت میں اوس غریب الوطن شاہ زادے کا قصہ جو ملکہ ملتان کی سنگی تصویر دیکھ کر دل ہاتھ سے دے چکا ہے وصل سے مایوس ہو کر پاگل ہو رہا ہے اوسکے پاس جس وقت مژدۂ وصل پہونچا ہے تو اوس کی کیا حالت ہوئی اوس کو بیان کرتے ہیں ؎

سوئے عاشق دو دید یارے زد ‏ ‏ ‏ بردش از دوست مژدۂ مقصود

چوں بگوش وے ایں سخن در شد ‏ ‏ ‏ بے خبر بود بے خبر تر شد

ماند حیراں دراں حکایت نغز ‏ ‏ ‏ جوشے از دل در او فتاد بمغز

خاست چوں بیدلان جاں دادہ　　دل دیوانہ را عناں دادہ
پائے کوباں بوجد و حال آمد　　در نہاں خانۂ وصال آمد

دوسری مثال بہشت ششم میں سوداگرزادہ جبکہ ایک طلسم سے نکل کر ایک طلسمی گاؤں میں پہونچا ہے اور وہاں ایک بوڑھی عورت نے اوسے مہمان بنایا ہے تو اوس پیرزن کی حسینہ و جمیلہ لڑکی سے مہمان کی آنکھ لڑتی ہے تیر عشق دل کے پار ہو جاتا ہے اور وہ محبوبہ اپنی ادائے معشوقانہ سے اوسے بسمل بنا دیتی ہے

زال را بود دخترے عیّار　　دل فریبے چو صد ہزار نگار
دزد دلہا دو چشم پُرفن او　　خون صد بیگنہ بگردن او
گشت چوں یک دگر نظر ہا گرم　　نازنیں سر فرو فگند ز شرم
روے پوشید و کرد آں سو پشت　　میہماں را بہ یک کرشمہ بکشت

معشوقہ کا سر جھکا لینا مُنہ کا چھپا لینا جہاں مقتضائے شرم و حیا ہے وہاں ایک ناز دلربایانہ بھی ہے لیکن شاعر کا کمال اس نکتہ کے ادا کرنے میں ہے جو اس جملہ میں مضمر ہے (کرد آں سو پشت) جس سے اس کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح میرا چہرہ روشن اور آنکھیں پُرفن ہیں پیٹھ بھی ویسی ہی محرابی ہے پیٹھ پھیرنے سے مقصود اظہار اون خوبیوں کا ہے جو پشت پھیرنے سے ہی نمایاں ہوتی ہیں۔

تیسری مثال۔ اسی بہشت ششم میں اوس موقع پر جبکہ سوداگرزادہ طلسمات طے کرتا ہوا آخر طلسم میں مبتلا ہوا ہے اوس وقت اوس کی حیثیت شاہانہ ہے ایک

ملک کا خود مختار بادشاہ ہے عجب عیش و عشرت سے ایام بسر ہو رہے ہیں خاص کر جب رات ہوتی ہے تو ایک گلبدن نازک اندام ایک گلدستہ پیش کرتی ہے اور تمام شب بادشاہ لذت و سرور میں بسر کرتا ہے آخر نوبت اوس معشوقہ کی پہونچتی ہے جس کا وصال طلسم کا خاتمہ ہے -

یہ نازنین ایسی ماہ طلعت و پری پیکر ہے کہ سارے طلسمات میں ایسی دلکش صورت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی بادشاہ بیتاب ہو کر اوس سے ہم آغوش ہوا چاہتا ہے وہ اوس وقت اپنی نزاکت جس پیرایہ میں بیان کرتی ہے اوس سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ حسن کی سرکار ایسا بلند پایہ رکھتی ہے جہاں شاہانہ جاہ و تجمل اور ملوکانہ آرایش بھی ہیچ ہے ملاحظہ ہو ؎

ترک جادوگر فریب انگیز — گفت آیے بزن بر آتش تیز
گرد میدان بارگہ برتست — تن شاہانہ را ببایدشست
تانگردد چو گیرمت بکنار — نازک اندام من زگرد فگار
کہ مرا نام مردم دیدہ است — گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است

لیل و نہار شاعر کا یہ بھی کمال ہے کہ اگر اوسے ایک ہی مضمون بار بار کہنا ہو تو ہر مرتبہ اوسے ایک جدید پہلو سے کہے مثلاً آفتاب کا طلوع و غروب جب عالم شاعری میں ہو تو ایک نئے انداز سے ہو اسی کے ساتھ استعارے ایسے ہوں جو اون واقعات سے جن کا تعلق اوس لیل و نہار سے ہے

مناسبت رکھتے ہوں اس کی مثالیں اس مثنوی میں بیشمار موجود ہیں یہاں صرف چار شعروں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

صبح

(۱) بامداداں کہ صبح جامہ سفید | پردہ برداشت از رخ خورشید
(۲) گنبد آسماں چو شد بیدود | گشت روشن جہان ز راندود
(۳) آسماں چوں ز چشمۂ خورشید | کرد پیراہن زمانہ سفید
(۴) شاہ انجم بر سم ہر روزہ | چوں برآمد بہ تخت فیروزہ

شب

(۱) شب چو دریائے چرخ بر زد رنگ | چشمۂ مہر شد بکام نہنگ
(۲) چوں جہاں رخ نمود در پر زاغ | شد فلک پر ز صد ہزار چراغ
(۳) در پر زاغ چوں نہاں شد مہر | پر طاؤس باز کرد سپہر
(۴) چرخ چوں زلف شب فگندہ بدوش | ماہ گشت از ستارہ زیور پوش

ہر شعر کا استعارہ کیا لطف پیدا کرتا ہے اوس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اصل قصہ پڑھنا ضرور ہے یہ کل اشعار ہشت بہشت سے لئے گئے ہیں ناظرین اگر چاہیں تو صرف ایک ہی قصہ پڑھ کر شاعر کی طبع روشن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وصل و وصال | بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار نہایت ہی مشکل ہوتا ہے کہیں آداب و تہذیب کا قانون زبان کی مقراض بننے کو

تیار ہوتا ہے اور کہیں حیا گلوگیر ہوتی ہے لیکن ایک قادرالبیان چند الفاظ کے
ایرپھیر میں سب کچھ اس صفائی سے کہہ جاتا ہے کہ مخاطب صحیح سمجھ جاتا ہے اور
مقفن منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

خلوت کی باتیں عاشق جانے یا معشوق۔ زبان اوس کا افشا کیوں کر کرے
لیکن جس کے قلم میں زور ہے وہ حسن بیان کا پردہ ڈال کر یوں کہتا ہے۔

پہلی مثال

خویش را کردہ بود لعبت سیم ۔۔۔ بمراد حریف خود تسلیم
او بدنداں عقیق رامی سُفت ۔۔۔ قندمی خست وانگبیں میرفت
زاں لب لعل می کشید شراب ۔۔۔ نقل ہم پستہ بود ہم عناب

دوسری مثال

در برآورد یار زیبا را ۔۔۔ کرد خوش جان ناشکیبا را
یافت آں آرزو کہ در سر داشت ۔۔۔ کام دل دید و کام دل برداشت
ہمہ شب بابت بہشتی خویش ۔۔۔ راند در جوئے شیر کشتی خویش

تیسری مثال

عاشقانہ بپائے یار فتاد ۔۔۔ کار با بوس و با کنار فتاد
او در آویخت در دو زلف چو شست ۔۔۔ گردن خود بطوق مشکیں بست
روئے بر رو نہاد دوش بدوش ۔۔۔ خرمن گل کشید در آغوش

برد غارت بدرج مروارید   این ہمی چید او ہمی بارید

ایک ہی معنی کو گوناگوں رنگیں لباس اور نئے شان اور نئی ادا سے آراستہ کرنا خسرو کا حصہ ہے۔

جزئیات داستان نگاری

داستان نگاری کے ذیل میں بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی آتی جاتی ہیں جن کا کوئی خاص مرتبہ تو نہیں ہوتا لیکن ان کا بیان اس کا ضرور مقتضی ہوتا ہے کہ اس انداز سے کہی جائیں کہ خالی از لطف نہوں۔ مثلاً باغ و راغ کوہ و صحرا یا معشوقوں کا سراپا وغیرہ اثنائے قصہ میں اگر ان کے بیان میں طوالت کی جای تو تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور اگر انہیں معمولی الفاظ میں کہا جاسے تو لطف بیان جاتا ہے۔ بدیں وجہ ایک باکمال شاعر ہمیشہ ایسے مواقع پر پھولوں کا ایک چمن کھلاتا ہوا بلبلوں کے چہچہے سناتا ہوا کسی پری جمال کی ایک جھلک دکھاتا ہوا ناظرین کو اصل داستان کی طرف بڑھائے جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ بھی اس مثنوی میں ایسے مقام کا کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین شعروں میں حق ادا کرتے ہوئے داستان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں ؎

وصف معشوقہ

رخ بزیبائی از گل افزوں داشت   پاے تا سر لباس گلگوں داشت

صبحے دید آفتاب درفش   شقۂ برتن از حریر بنفش

دید کاندر میانۂ بازار | شاہدے ہمچو صد ہزار نگار
زلفِ مرغول عنبر آلودہ | ہندوآسا بگل برآمودہ
نرگسش از کرشمہ شور انگیز | کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

باغ وصحرا

لالہ برکف گرفتہ جام شراب | نرگس از مستی اوفتادہ بخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے | سبزۂ نودمیدہ برلبِ جوے
سو بسو از درخت میوہ قطار | شاخ سر بر زمیں فتادہ زبار
دید در پیشِ غار صحرائے | لالہ وگل دمیدہ ہرجائے
کشت در کشت روضۂ چو بہشت | جوے برجوے برکنارۂ کشت
بر سر سبزہائے مینارنگ | نائے کنجشک پُر زنغمۂ چنگ

اسی طرح کی بہت سی جزئی باتیں ہیں جن کا احاطہ تمثیل وتحریر سے ناممکن ہے ایک وہ شخص جس نے داستان گوئی وداستان نویسی کے فلسفہ کو سمجھا ہے وہی خسرو علیہ الرحمۃ کی واقعہ نگاری کی داد دے سکتا ہے ہشت بہشت وہفت پیکر کے قصص اگر اس نگاہ سے کوئی مطالعہ کرے تو آسے خسرو علیہ الرحمۃ

کی برتری صاف دکھائی دے گی۔

تشبیہ و استعارے

نظم ہو یا نثر، حالت فرحت و انبساط ہو یا رنج و اضمحلال تشبیہ و استعارے سے کلام بہت کم خالی ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات بیخو استہ جذبات کا اظہار تشبیہ و استعارے میں ہو جاتا ہے مثلاً حالت غم و اندوہ میں اظہار غمناکی اس طرح کرتے ہیں کمر ٹوٹ گئی چھاتی پھٹ گئی دل خون ہو گیا۔ حالانکہ ایک غم زدہ مصیبت کا مارا تصنّع و تکلّف کر نہیں سکتا یہ تو جذبات کا زور ہے جو اس کے منہ سے کلمات استعارے میں نکل رہے ہیں۔ اب ایک ایسی چیز جو اس قدر عام ہو سلسلۂ نظم میں کس قدر ندرت و لطافت چاہے گی۔ شاعر کا اس صنف صنعت میں یہ کمال ہے کہ اوس کے استعارے و تشبیہ ایسی روانی و سلاست سے نظم ہوے ہوں جس میں تکلّف و تصنّع کا شائبہ تک نہو۔ ایسی جدت و ندرت اوس تشبیہ و استعارے میں ہو کہ اوسے سنکر سامع میں شگفتگی پیدا ہو جاے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اوس میں پیچیدگی نہو جدت ہو زور ہو لیکن سامع کو سمجھنے میں تکلّف نہو۔

اب ہم جا بجا سے ایسے اشعار التقاط کر کے لکھتے ہیں جن کے طرز ادا اور حسن بیان میں ندرت تشبیہ یا جدت استعارہ یا کوئی دوسری خوبی ایسی پائی جاتی ہے جو مثنوی کے لیے زیور ہے۔ ایسے اشعار کے مواقع سمجھنے کے لیے قصوں کو ضرور پڑھ جانا چاہیے۔ یہاں تو صرف کلام کی خوشنمائی و دل فریبی کا بیان مقصود ہے۔

بہشت سوم

زاں طلسمے کہ کرد مردِ دلیر   مہ ز برشد عطارد آمد زیر

یہ وہ موقع ہے کہ حسنِ زرگر اپنی حکیمانہ چال سے اُس قید خانہ بلند سے رہائی پاتا ہے اور اُس کی بی بی جس نے افشائے راز کیا تھا وہ اوپر پہنچکر قید ہو جاتی ہے۔ عطارد کی منزل چاند سے اوپر ہے۔ یہاں معاملہ برعکس ہو گیا۔ اس لیے خوبی مصرعہ ظاہر۔

بہشت چہارم

جانِ شیریں بداں شکر خا داد   خضرے را دمِ مسیحا داد

بادشاہ ہرن کے کالبد کو چھوڑ کر طوطی کے قالب میں آیا ہے طوطی ہند کی شکر گفتاری مشہور ہے اس موقع پر اُس کو مسیحا دم بتانا اور رنگ سبز کی باعث خضر سے جنھیں حیات جاوید حاصل ہے تشبیہ دینا قابل لحاظ ہے۔

ایضاً

در زماں مرغ را بہ خنجر کشت   کشتہ راہیں کہ باز دیگر کشت

وزیر نابکار کالبد شاہی کو چھوڑ کر مرغ کے مردہ جسم میں آیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ کوئی ایک بار

مرتا ہی یہ بدشعار وزیر دو بار مرا - ایک تو جب اپنے قالب کو رہا کرکے قالب شاہی میں آیا - اور ایک جب مُرغ کے قالب میں آکر ذبح ہو گیا -

بہشت پنجم

بان نوشد نشاط فرماید خسپد وخیزد و فرود آید

جس طرح ایک موصوف کے لیے کئی صفات پے در پے ذکر کرنا صنعتِ تنسیق الصفات ہی اسی طرح چند افعال کا پے در پے ایک فاعل کے لیے بیان یہ بھی صنعت ہی - بادشاہ کی بادہ پیمائی، معشوقہ دل نواز سے طرب انگیزی، خواب شیریں کا لطف اور سحر کے وقت بالاخانہ سے اتر کر باہر آنا یہ سب کس اختصار کے ساتھ ایک شعر میں آگیا ہی -

ایضاً

کردہ رہ تا بجائیگاہ رسید زیر زیر زمین بماہ رسید

جائے گاہ معنی منزل گاہ - زیر زمین چل کر ماہ تک پہونچنے کا لطیفہ کیسا نادر ہی -

ایضاً

شاہ را کامد آں صنم درپیش گم شد اوّل درو پس اندر خویش

بادشاہ ملکہ کو دیکھکر پہلے اُس کے حسن وجمال سے متحیر و ششدر ہو جاتا ہی - پھر اُس کی صورت بعینہ اپنی معشوقہ بادشاہ بیگم سے مشابہ پا کر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہی - الٰہی یہ ماجرا کیا ہی - غیر کا مکان - غریب الوطن میزبان اُس کے گھر بادشاہ بیگم ساقی کی خدمت

کیونکر انجام دے سکتی ہے۔ اس جلسہ میں اُس کا آنا اور اس بے حجابی سے محفل میں حاضرین کو اول دلے محبوبانہ سے والہ و شیدا بنانا کیونکر ممکن ہے ع

گم شد اوّل در دو پس اندر خویش

میں اختصار و وضاحت کو جس طرح جمع کیا ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔

ہشت بہشت

دید کامد بروں ز گوشۂ باغ　　آفتابے بکف گرفتہ چراغ

صد ھزار اں ستارہ گرد و پیش　　خود چو خورشید و شمع اندر پیش

یہ وہ سماں ہے کہ پریوں کی ملکہ پچھلی شب کو چراغ ہاتھ میں لیے باغ میں آتی ہے اور پریاں تاروں کی طرح اس کو حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ شاعرانہ انداز بیان کا لطف ظاہر ہے۔

ایضاً

شمع را پیش برد قبلہ حور　　او چو پروانہ در حوالی نور

یہ وہ موقع ہے کہ پریوں کی ملکہ کی کنیز سوداگرزادہ کو بلا کر لے جاتی ہے۔ خود شمع لیے ہوئے آگے آگے جا رہی ہے اور سوداگرزادہ اُس کی روشنی میں پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ پروانوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں شمع ہوگی وہاں اُڑ کر آئینگے اور جمع ہونگے۔ اب شمع کو جہاں لے جاؤ وہ اُس کے ساتھ ساتھ ہیں سوداگرزادہ جس لطف و کیف میں کہ اُس کنیز کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے الفاظ میں اُس کی بہتر تصویر کشی اس سے اور کیا زیادہ ہوسکتی ہے۔

ایضاً

بر د غارت دُرجِ مروارید — اوہی چید ایں ہمی بارید

لطف بوسہ بازی کی یہ ایک اچھوتی تشبیہ ہے۔ جس انداز سے امیر صاحب نے اس مضمون کو بیان کیا ہے یہ انھیں کا حصہ ہے۔ دوسرے کسی شاعر کے کلام میں اس لطف کے ساتھ یہ مضمون نہیں دیکھا گیا۔

ایضاً

صُبح چوں کرد جیبِ ظُلمت چاک — سایۂ خاک رفت ہم در خاک

تاریکی شب زمین کا سایہ ہے۔ جب صُبح ہوتی ہے تو سایہ جہاں سے نکلا تھا اُسی جگہ پوشیدہ بھی ہو جاتا ہے۔ بیان کا یہ طرز اپنی جدّت میں کیا شان رکھتا ہے۔

ہشت ہفتم

مو پریشان و روخراشیدہ — سمن از برگِ گل تراشیدہ

ملکہ نے حنائی اُنگلیوں سے اپنے چہرہ کو جو نوچا ہے اُس کی کیسی پیاری تشبیہ ہے۔ پھر ایک ہی شعر میں الفاظ پریشان وخراشیدہ وتراشیدہ اظہار رنج وغم کے لیے کس قدر موزوں وجامع ہیں۔ اِس کتاب کی شعر وشاعری کے متعلق جن لطائف کا نمونہ پیش کرنا تھا جستہ جستہ اُن کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

اب دوسری حیثیت سے اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ محاسن شعری کے علاوہ قصّوں کے ساتھ ساتھ کوئی سبق اخلاق کا بھی ملتا ہے

یا نہیں۔ ان داستانوں سے اصلاحِ نفس و حصولِ عزت بھی ممکن ہی یا نہیں۔ قصص کے ذیل میں تدبّر و تفکر کا نتیجہ اور اُس کی ترغیب پائی جاتی ہی یا نہیں۔ مصنف نے تصنیف کے وقت ان باتوں کا خیال رکھا تھا یا نہیں، ناقد کو اس سے کوئی بحث نہیں ہاں اگر مصنف کا خیال بھی کسی طرح معلوم ہو جائے تو یہ ایک اضافہ اُس مصنف کے کمال میں ہوگا۔ لیکن نقد کے لیے صاحبِ تصنیف کے خیال کی جستجو ایک عبث شے ہی۔

الف لیلہ کب لکھی گئی اور آج یورپ اُس پر اپنے نوٹ چڑھاتا ہی جس سے تاریخی معلومات پیدا ہوتے ہیں حالانکہ لکھنے والے کا خیال بھی اس طرف نہیں گیا ہوگا کہ یہ داستان الف لیلہ کسی وقت اُن بیش بہا معلوماتِ تاریخی کا سُراغ بتائیگی۔ مصر کا تمدن بہت قدیم تھا۔ اُس وقت کی لکھی کوئی تاریخ ڈھونڈو تو نہ ملیگی۔ لیکن اُس کے کھنڈروں میں پھر پھر کر اور قدیم آثار میں غور و فکر پیدا کر کے عہدِ قدیم مصر کی ایک تاریخ درست کر دی گئی جس پر بہت کچھ اعتماد کیا جا سکتا ہی۔ ایک سُراغ سے اتنے نہانی سراغوں کا پتہ لگا ہی کہ عقل متحیر ہو جاتی ہی۔

انگریزی میں شیکسپیر کے ڈرامے مشہور ہیں۔ لیکن اب اُن ڈراموں کی شارحین نے وہ بال کی کھال کھینچی ہی اور نکات بیان کیے ہیں کہ شاید شیکسپیر کا وہم بھی وہاں تک نہ پہنچا ہوگا۔ غرض اس سے یہ ہی کہ ناقد کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جس نکتہ کو وہ بیان کرنا چاہتا ہی مصنف کا ذہن بھی اُس طرف منتقل ہوا تھا یا نہیں۔ اُس کو کامل اختیار حاصل ہی کہ مفید یا غیر مفید جیسا کچھ بھی وہ نتیجہ حاصل کرے اُسے بیان کر دے۔ لیکن امیر علیہ الرحمۃ

میں یہ کمال ہی کہ جس طرح نظم کی قوت اُن میں وسیع ہی اسی طرح اخلاق کا دامن بھی اُن کا
طویل الذیل ہی۔ وہ صرف شاعری نہیں کرتے بلکہ امراضِ روحانی کے لیے تیر بہدف نسخہ
لکھتے ہیں۔ ادویات کی تلخی کو قصص و حکایات کی شوخی و شاعرانہ تخیل سے خوش گوار
زود ہضم بناتے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں قصّے تو عیش و عیاشی کے ہیں لیکن ؎

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است　　　ہر کہ دیدش نقد خود مردانہ است

اگر ذرا تعمقِ نگاہ سے کام لیا جائے تو بشیار فواید معاشرت و اخلاق اور تمدن وغیرہ کے
انھیں قصّوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بہشت دوم میں جو قصہ ہی اُس میں شاہزادوں نے
جس طرح آثار و علامات کو دیکھکر حکم لگائے ہیں۔ اُسی سے معلوم ہوتا ہی کہ کائنات کا ہر ذرّہ
گوناگوں علوم و معارف کا دفتر اپنی ذات میں پنہاں رکھتا ہی۔ صحیفہ عالم کے مطالعہ کرنے
والے انھیں پیش پا اُفتادہ چیزوں سے معلومات کے زر و جواہر رول لیتے ہیں۔
ایک غافل وہاں سے بے خبر گذر کر اُن بیش بہا جواہر سے محروم رہ جاتا ہی۔ کائنات
کی طرف امعان نظر سے دیکھنا اور اُس میں تفکر و تدبر پیدا کرنا بڑے بڑے نہانی اسرار
کا انکشاف کر سکتا ہی جو تیز ادعقل۔ اصلاحِ نفس و ترقی تمدن کے باعث ہو سکتے ہیں انگریزی
میں اس طرح کے غور و فکر کو (Observation) آبزرویشن کہتے ہیں
فلسفہ طبیعات میں اس کی صدہا مثالیں ہیں۔ بہشت سوم میں حسن زرگر کے قصہ سے
یہ نصیحت حاصل ہوتی ہی کہ اپنے راز کی حفاظت ضروری امر ہی۔ خاص کر عورتوں سے
اُس کا اظہار بسا اوقات خطرات سے دوچار کر دیتا ہی۔ طبقہ اناث کی خلقت کمزور ہی

اور عقل بھی ناقص۔ حسن زرگر نے اپنے راز کو بیوی سے ظاہر کر دیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ایک بہت ہی بلند منارہ پر اُس کو مقید کر دیا۔ اسی قصہ سے دوسری نصیحت یہ حاصل ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت اگر دامن صبر ہاتھوں سے نہ چھوٹے تو مخلصی آسان ہے۔ جیسا کہ حسنِ زرگر نے قید ہو کر اپنی عقل کو پراگندگی سے بچایا۔ اور پھر عقل سے کام لیکر اپنے آپ کو رہا اور مفشیٔ راز کو قید کر دیا۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ کمال اگر بخت و اتفاق سے مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ اور حساد و اعدا کا وار اُن پر چل بھی جائے پھر بھی کمال آخر میں اُنھیں مرتبۂ اعلیٰ تک پہنچا ہی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حسن زرگر بادشاہ کی خدمت میں بلند منصب تک پہنچا۔ اس کی طرف امیر صاحب بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

از خرد کارش آں روائی یافت کز ملک شغل کدخدائی یافت

تا بدانی کہ ہر کرا خرد است آرزوہاش در کنارِ خود است

اِن دو شعروں سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ خسرو کا مقصد قصہ خوانی نہیں ہے بلکہ تلقین و نصیحت کا یہ ایک پیرایہ ہے۔ ہاں یہ سوال ایک سطحی نظر کا شخص کر سکتا ہے کہ نصیحت کسی ایسے قصہ سے بھی بیان کی جا سکتی تھی جس میں اس طرح کے مضامین خلاف تقدس نہ ہوتے۔ لیکن ارباب فن جو اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے ہیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ نصائح کے محتاج وہی بیچارے گنہگار ہیں جن کا حاسہ اخلاق اسقدر مردہ و بے حس ہو گیا ہے کہ نیکی و کمال کے محاسن سنکر اُن کے حاسہ اخلاق میں جنبش تک نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے سمجھانے کا یہی طریقہ بہتر ہے کہ وہ جن معائب میں مبتلا ہوں

قصہ اُنھیں کے رنگ کا چھیڑا جائے۔ ہم مشربی وہم رنگی اُن کی توجہ کو کامل طور سے مبذول رکھیگی۔ لیکن جب کہ آخر میں نتیجہ رسوا کن نکلیگا تو اُن کو یقیناً خود بخود یہ خیال پیدا ہوگا کہ جس طرح ہمارے ہم مشرب کو رسوا ہونا پڑا ہوسکتا ہی کہ ہمیں بھی رسوائی نصیب ہو۔ بہر حال اس بحث کا یہ محل نہیں۔ یہاں تو صرف اسقدر بیان کرنا ہی کہ خُذ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَرَ۔ ہزل بگزار جدا زو برداز کو پیش نظر رکھکر اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت کچھ زر و جواہر خرابہ سے بھی مل سکتے ہیں۔ کیسے مُبارک نفوس تھے مسلمین سلف کے جن کے ہزل میں بھی فوائد و منافع تھے۔

مقابلہ ہفت پیکر و ہشت بہشت

اس سے پیشتر کہ مقابلہ میں دونوں کا رنگ دکھایا جائے یہ کہدینا مناسب ہی کہ مقصود دونوں حضرات کے لطف کلام کا اظہار ہی نہ کسی کی پستی و بلندی دونوں کا کلام اپنے اپنے رنگ میں ارفع و اعلی۔ پستی کا کسی جانب گزر کہاں۔ دونوں ہمارے ہر حیثیت سے پیشوا و مقتدا۔ ہاں جس کے کلام میں جو لطف و نزاکت کہ فقیر نے سمجھی ہی اُسے اپنی فہم کے مطابق اہل وطن کے سامنے پیش کردیا ہی۔ اگر انھیں بھی پسند آئے تو چشمِ ما روشن ورنہ دلِ ما شاد۔ یہ تو اپنا اپنا مذاق ہی اور اپنا اپنا معیار ؎

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن | نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے | جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

حمد | حمد کا مضمون ایسا دلچسپ ترانہ اور دلکش نغمہ ہے کہ تمام عالم حیوان، نبات
وجماد کی زبان قال وحال کا ساز اوس کے کیف ولطف سے ترنم ریز مستی وسرور
ہی جس کی سبحہ گردانی کا اظہار خود محمود کے اس روح افزا صوت وصدا سے ہو رہا
ہے کہ یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض مگر جس کو دیکھئے ایک نئی دھن سے
گا رہا ہے اور جس پر نظر کیجئے ایک عجیب بیخودی کے جوش میں الاپ رہا ہی الحق ؎

اے ترا با ہر دلے رازے دگر   ہر گدا را بر درت نازے دگر

پھر انسان جس کی دستار فضیلت پر علمہ البیان کی کلغی سجائی گئی ہو اس کی
شیوہ بیانی کا کیا پوچھنا۔ علی الخصوص رہروان سلوک ومعرفت تو کچھ ایسے دلکش
ساز میں حمد کی صدا سُنا جاتے ہیں کہ صدیوں بعد جب کبھی ان کے کلام کا اعادہ
کیا جاتا ہے تو ارباب ظاہر وغفلت شعار بنی آدم بھی تھوڑی دیر کے لئے وجد میں
آکر بیخود ہو ہی جاتے ہیں۔ اس وقت حضرت نظامی وحضرت امیر خسرو (علیہما الرحمۃ)
کی مثنوی ہفت پیکر وہشت بہشت سے چند اشعار لیکر پیش کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو
کہ اوس قادر مطلق نے ان شیریں بیانوں کو کیسی قوت وقدرت عطا فرمائی تھی کہ
باوجود امتداد دہر وتغیرات گوناگوں آج بھی اُن کے کلام کی حلاوت اوسی طرح
ذوق نواز ہے۔

حمد کے ارکان | حمد میں چند باتیں ہیں جنھیں ایک باکمال سخنور علی الترتیب بیان
کیا کرتا ہے سب سے پہلے واجب الوجود وقدیم بالذات کا مسئلہ آتا ہی اس کے بعد

ربوبیت وتخلیق کا مضمون۔ پھر عبد ومعبود کا علاقہ اور آخر میں نیاز مندی و مدعا طرازی انھیں عناصر اربعہ سے ایک حمد کامل حمد کہی جاتی ہے جس کا طریقہ خود اوس جل مجدہ نے سورۂ فاتحہ میں بتادیا ہے۔

اس وقت تفصیلی بحث تو ان دونوں باکمالوں کے مضمون حمد پر مقصود نہیں لیکن جستہ جستہ بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں جس سے اقلیم سخن پر اُن دونوں سخنوروں کے سلطنت کی نوعیت معلوم ہوگی۔

مسئلہ وجوب وقدم

خسرو	نظامی
اے کشایندۂ خزانۂ جود	اے جہاں دیدہ بود خویش از تو
نقش پیوند کارگاہ وجود	ہیچ بودے نبود پیش از تو
بودنی را ہمیشہ بود از تو	آفرنیدۂ خزانۂ جود
بودنابود را وجود از تو	مبدع وآفریدگار وجود

مولٰنا نے جس خوبی سے ذات عز اسمہٗ کا وجوب وقدم اور خالق جملہ کائنات ہونا بیان فرمایا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جس سادگی سے دلیل لائی گئی ہے اور ایک کے تسلیم سے دوسرے کا لزوم جس خوبی سے پیدا کیا ہے اوس کے سامنے حکما و متکلمین کے دلائل ہیچ ہیں اوس پر بود و نبود اور جود و وجود میں صنعت تجنیس و اشتقاق صنائع لفظی کی عمدہ مثال۔

لیکن اسی مضمون کو جس روانی و سلاست سے کہ خسرو کہتے ہیں اوس کی برتری وبلندی صاف عیاں ہے۔ پہلا شعر دوسرے شعر کا جواب ہی اور دوسرا شعر پہلے شعر کا نقش ثانی وہی الفاظ ہیں اور اوسی صنعت تجنیس واشتقاق کے التزام کے ساتھ اوسی مضمون کی تکرار ہے مگر قابل لحاظ یہ امر ہے کہ چند نئے الفاظ کی نئی ترکیب نے اصل مضمون کو کس درجہ اوج کمال پر پہونچا دیا ہے۔ خاص کر دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ "بودنی را ہمیشہ بود از تو" جہاں ذات باریتعالیٰ کے خالق ہونے کا اقرار ہی وہاں مادیین کے ایک ملحدانہ مسئلہ کا جواب بھی ہے۔

یہ حق ناشناس فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر اشیا کا ظہور عالم میں ہو رہا ہے وہ تنوعات حرکت اور مادۂ قدیم کی جنبش کا نتیجہ ہے خسرو اس خیال باطل کا رد کرتے ہیں اور صحیح فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ایسی شے جو ہست ہونے کی قابلیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ ہر آن و ہر زمان تجھی سے خلعت وجود پہن رہی ہے تیرے سوا کوئی خالق کسی شے کا ہو نہیں سکتا۔ اسی شعر کا دوسرا مصرعہ "بودنا بود را وجود از تو" لطف صنعت تضاد کے ساتھ تمام ماسوی اللہ کے وجود امکانی کو جو نیستی سے فضائے ہستی میں آیا ہے جس طرح وجود واجب کی تجلیات کا مظہر بتا رہا ہے وہ بھی قابل ہزار داد ہے۔ مولٰنا نظامی نے جس قدر مضمون کہ اپنے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں کہا تھا اوس سے بہت زیادہ اس دوسرے شعر کے ایک مصرعہ میں موجود ہی۔

اب ایک نظر اس پر ڈالنی چاہیئے کہ خسرو نے ان خوبیوں کے علاوہ بندش

والفاظ میں کیا ترقی کی ہے مولنا نظامی نے خداوند کریم کو خزانہ جود کا آفرینندہ اور امیر خسرو نے خزانۂ جود کا کشایندہ قرار دیا ہے اس وقت فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ خزانہ جود کے لئے اور کو کشایندہ کہنا زیادہ فصیح اور بلاغت کا پہلو لئے ہوئے ہے یا آفرینندہ کہنا کوئی خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اہل مذاق صحیح خزانہ کے لئے فتح و کشود کو زیادہ مناسب سمجھیں۔

اسی طرح مولنا نظامی کے کلام میں مبدع کا لفظ جس کی تفسیر عطف تفسیری کے ساتھ لفظ آفریدگار نے کی ہے وہ لطف نہیں پیدا کرتا ہے جو امیر خسرو کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں صرف ایک لفظ نقش پیوند نے اپنی چست بندش سے ایک خاص خوبی پیدا کردی ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی مقلد کسی مضمون میں کسی موجد کی تقلید اس طرح کرے کہ وہ اوسی مضمون خاص کو اونھیں الفاظ میں ادا کرنا چاہے جس کو موجد نے اختیار کیا تھا تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مقلد چاہے جس قدر کوشش کرے لیکن اوس اصل کے مقابل اہل معنی یہ ضرور امتیاز کر لیتے ہیں کہ وہ اصل ہے اور یہ نقل مگر خسرو میں یہ خاص کمال اور اہل فن ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنے حسن کلام اور زور بیان میں مقلد نہیں سمجھے جاسکتے۔ بلکہ ہر موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنی روش خاص میں اس بندش و ترکیب کے خود موجد ہیں۔

دوسری خصوصیت خسرو کی یہ ہے کہ جس مضمون کو مولنا نظامی نے انتہائے بلندی تک پہونچا دیا ہے اور اس میں کوئی پہلو کمال کا باقی نہیں رہا تو وہاں سے خسرو صاف آگے نکل جاتے ہیں اور اُسے ہاتھ تک نہیں لگاتے لیکن جہاں مضمون تشنہ ہی تو پھر وہاں یہ مینہ برسا دیتے ہیں خسرو کی یہ دونوں خصوصیتیں آپ کو جابجا ملینگی۔

وحدت الوجود

نظامی	خسرو
سازمند از تو گشت کار ہمہ	لائے توحید اژدہاست بپائے
اے ہمہ آفرید گار ہمہ	کہ خدایاں خورد بغیر خدائے
ہستی و نیست مثل و مانندت	اندر آں لائے معرفت پیشہ
عاقلاں جز چنیں ندانندت	لام الف گشت پائے اندیشہ
	ہست بی نیست آشکار و نہفت
	ہم تو بی جز ترا نشاید گفت

مولنا کے شعر میں ہست و نیست مثل و مانند میں جو لفظی تناسب ہے اس کا لطف ظاہر ہے لیکن عقلا کے علم و عرفان کا (ہستی و نیست مثل و مانندت) میں انحصار جیسا کہ واقعہ ہے ویسا ہی دلکش طرز میں ادا بھی ہوا ہے مگر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ وحدت الوجود کا ایک سرجوش جرعہ ہے جو ہزاروں خم کا نشہ رکھتا ہے

ایک ہی مصرعہ میں ایسے اہم مسئلہ کو اس صفائی و سادگی سے بیان کرجانا مولنا نظامی کا حصہ ہوگیا اس مسئلے کی تحقیق جسے حاصل ہوگی وہ (رائے ہمہ آفرید گار ہمہ) کی جب تکرار کرے گا ایک لطف تازہ پائیگا امیر خسرو نے بھی اس مسئلہ کو بیان کیا ہے لیکن آپ نے یہاں بھی وہی طرز اختیار کیا جس طرز کے وہ خود موجد و امام ہیں یہ طرز بیان کچھ اس مثنوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سرکار خسروی کی اقلیم سخن کا یہ بے بہا جواہر اکثر اصناف نظم میں درخشاں و تاباں ہے چنانچہ وہ معرکۃ الآرا قصیدہ مرآۃ الصفا جو خاقانی کے جواب میں ہے اوس میں فرماتے ہیں ؎

زدریاے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر تیمم واجب آید نوح را درعین طوفانش

اس شعر کی شرح میں مولنا جامی کا ایک رسالہ بھی ہے۔ مذکور الصدر اشعار مثنوی کو پڑھئے قطع نظر اس تجنیس و تناسب کے جو بہ یا اور یاے اندیشہ لا و لام الف میں ہے مقام نفی و اثبات کو کس عارفانہ و مجددانہ طرز سے بیان کیا ہے۔ کلمۂ توحید لاالہ الا اللہ کے جو رموز و دقائق ائمۂ تصوف نے بیان کئے ہیں اُن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ توحید الوہیت عین وحدت الوجود ہے۔ افسوس کہ اوس شرح کی یہ تنقید متحمل نہیں ہوسکتی۔ بہرحال یہ اشعار وحدت الوجود کے لئے ایک بلاغت کے ساتھ گویا ایک حق نما آئینہ ہیں فہم من فہم۔

اب خسرو کا تیسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

هست بی نیست آشکار و نهفت   هم تو ئی جز ترا نشاید گفت

یہ شعر دراصل مولانا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے فن معقول میں واجب کی تعریف یہ ہے کہ جس کی ہستی ضروری اور نیستی محال ہست بے نیست اوسی کا ترجمہ ہے۔ ماسوی کا ترجمہ جز ترا واقع ہوا ہے اب شعر پھر پڑھو ہست و نیست آشکار و نہفت میں صنعت تقابل و تضاد کی خوبی عالم امکان کی بے ثباتی وجود واجب کا صورتاً و معناً ثبوت، ہوالاوّل والآخر والظاہر والباطن کی طرف رہبری ایک مضامین گوناگوں کا ہجوم اس شعر میں پاؤ گے۔

ربوبیت

خسرو	نظامی
شب فرستی و شب فروزی ہم	تو دہی صبح را شب افروزی
روزی آری فراخ روزی ہم	روز را نور و مرغ را روزی

مولانا کے یہاں روز و شب کا مقابلہ افروزی و روزی کا تناسب قابل تعریف مگر صبح و شب اور روز و نور کے سلسلے میں روزی مرغ کا ذکر کسی قدر اجنبی مرغ کی صبح سے مناسبت ظاہر لیکن روزی مرغ کی تخصیص ذرہ غریب۔

امیر خسرو کے شعر میں شب و روز کے تقابل اور فروز و روز کے تناسب کے ساتھ اصل مضمون ایک خاص خوبی سے ادا ہوا ہے جس طرح شب افروز ماہ ہے اوسی طرح فراخ روز آفتاب جس کا تقابل تناسب معنوی کا عمدہ پہلو ہے مگر بحالت یاے مجہول

آفتاب کو فراخ روز اور بحالت یاے معروف فراخ روزی کہنا اس ترکیب میں دو معنی کا ایہام ہے جن میں ہر ایک بجاے خود لطف سے خالی نہیں اوّل فراخ روز اُس شخص کو کہتے ہیں جو بخت و دولت میں اوروں سے زیادہ حصّہ رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے تمام کواکب کے مقابل آفتاب اس صفت میں مخصوص ہے۔ دوم فراخ روز و فراخ روزی کی ترکیب لفظی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص روز یا روزی کا ذریعہ ہے وہ فراخ روز یا فراخ روزی سمجھا جائیگا ایسی حالیتں جبکہ آفتاب ہر روز کی روشنی کا ذریعہ اور مربی نباتات ہے بہر نوع وہ فراخ روز یا فراخ روزی ہو سکتا ہے۔

خسرو	نظامی
گر بجاں زندگی ست حیواں را	اے بتو زندہ ہر کرا جانیست
زندگانی تو میدہی جاں را	وز تنور تو ہر کرا نانیست
جاں کہ او را بہا نداند کس	بحیات ست زندہ موجودات
رایگانش دہی بمور و مگس	زندہ لیک از وجود تست حیات

مثنوی کی سلاست موجود رکھتے ہوئے خدا کی رزاقی و حیات بخشی کو معمولی طور پر بیان کیا ہے پہلے شعر میں اس کے سوا کوئی خاص خوبی نہیں ہے ہاں دوسرا شعر مولنا کے کمال کا شاہد ہے اور آپ کی خلاقی مضمون کا نمونہ۔ لیکن خسرو کے یہاں یہی مضمون ایسے طرز سے ادا ہوا ہے کہ اُس میں جان پڑگئی۔ زندگی و زندگانی

کا تناسب اور مورد نگس کا مقابلہ جان کے عزیز و بے بہا ہونے کو تیسرے مصرعہ میں ثابت کرتے ہوئے خزانہ کریم کی بے دریغ بخشش کو "رایگانش دہی" کے ساتھ بیان کرنا عجیب جاں نواز انداز ہے۔

خسرو کا پہلا شعر مولنا کے دوسرے شعر کا نقش ثانی ہے جس کے خط و خال زیادہ دلپذیر ہیں لیکن دوسرا شعر خاص خزانہ خسروی کا درشا ہوا رہے۔

مدعا طرازی

نظامی	خسرو
چوں کہ بر درگہہ تو گشتم پیر	آمدم بر درِ تو بے خود وار
زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر	باخودم دار و بیخودم مگذار
چہ سخن کیں سخن خطاست ہمہ	بکرم زحمت خواجگیم بسوز
تو مرائی جہاں مراست ہمہ	بندہ ام خوانِ بندگی آموز
منِ سرگشتہ راز کار جہاں	دُور کن باد خسروی زسرم
تو توانی رہاند باز رہاں	پُرکن از خاک بندگی بصرم

مولنا کے اشعار دعائیہ پڑھو۔ اُن سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک وہ بندہ جسکی عمر آستانہ خالق پر بسر ہوئی ہے پیری کی حالت میں جب مقام خوف کی سیر کرتا ہے تو (زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر) کی صدا بلند کرتا ہے پھر جب مقام رجا پر پہونچتا ہے اوس وقت (تو مرائی جہاں مراست ہمہ) کا جلوہ اوس کے پیشِ نظر

ہوتا ہے ان سب سے اوس بندے کی شکستگی وخاکساری اور توکل وقناعت کلی
صاف ظاہر ہے لیکن یہی دعا جب خسرو کی زبان سے نکلتی ہے تو سوز و گداز
سوختگی و برشتگی بیہوشی و خود فراموشی میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے پھر دعا کا خاتمہ
جس مدعا پر کیا ہے وہ کمال بلندی حوصلہ سے مشعر ہے۔
بیخود و باخود خاک و باد کا تقابل و تناسب باد خسروی کا ایہام اور خواجہ
و بندہ کا تلازم گویا صنایع لفظی و رعایات معنوی کا گنجینہ ہے اور نفس مضمون کو جس
خوبی سے بیان کیا ہے اوس کا پورا لطف اہل معنی کو آسکتا ہے۔ خاص کر میرے
شعر میں جس مدعا کی خواستگاری کی گئی ہے وہ تصوف و سلوک کے ایک بڑے
مقام کی آرزو ہے بظاہر اس کے یہ معنی ہیں کہ کبر و نخوت کو میرے دماغ سے
دور کر دے اور نیازمندی و بندگی کی خاک سے میری نگاہ کو بھر دے لیکن حقیقتاً
غرض یہ ہے کہ خودی و ہستی کے خیال کو میرے سر سے نکال تاکہ میں خود کو مٹا کر
فضاے خدائی کی سیر کر سکوں جسے اصطلاح صوفیہ میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور
میری آنکھوں کو جو لوازم بندہ و حادث کی دیکھنے والی ہیں اونھیں لوازم بندگی
کی خاک سے پُر کر دے تاکہ مجکو لوازم بندگی بالکل نظر نہ آئیں اور یہ قاعدہ ہے
کہ جب خاک سے بصر پر ہو جاتی ہے تو بینائی کچھہ کام نہیں دیتی ہے۔ حمد کے یہ چند
اشعار جو ان دونوں باکمالوں کے پیش کیے گئے اُن میں اتحاد مضمون تھا جس
سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ایک ہی مضمون و مفہوم کون کس نکتہ سنجی سے ادا کرتا ہے

اب چند اشعار بلا مقابلہ ایسے نقل کئے جاتے ہیں جن کا مضمون باہم متحد نہیں ہے،

نظامی	خسرو
نام تو کابتدا ے ہر نامست	از تو خاکی خوش آتشی ناچیز
اوّل آغاز و آخر انجامست	بولہب خوار و بوتراب عزیز
اوّل الاولی بسبق و شمار	ہر کرا شکر گوے خویش کنی
آخر الآخر بآخر کار	نعمتش را بشکر بیش کنی
ہر کسے نقشبند پردۂ تست	وانکہ باشکر نبودش خویشی
ہمہ ہیچند کردۂ تست	گوشمالی دہی بدرویشی
ہمہ را روے با خدا دیدم	
واں خدا برہمہ ترا دیدم	

مولانا نے دوسرے شعر میں ہوالاوّل وہوالآخر کے مضمون کو جس سہل ممتنع الفاظ میں فصاحت و سلاست کے ساتھ بیان کیا ہے اوس کی خوبی ذوق سلیم چاہتی ہے اسی طرح دیگر اشعار بھی اپنی اپنی روش میں ایک خاص معنی رکھتے ہیں۔

خسرو کے یہاں بھی پہلے شعر میں لف و نشر مرتب اور خاک و آتش خوار و عزیز کے تقابل کے سوا جو معنوی تناسب بولہب و بوتراب میں ہے اوس کی خوبی بیان نہیں ہوسکتی پھر خاک کی خوشی اور آگ کی ذلت پر بوتراب کی عزت اور بولہب کی ذلت کو شاہد بنانا ایسی حسن التعلیل ہے کہ اوس کا اظہار غیر ممکن ہے۔

نعت شریف

حمد کے بعد نعت کا مضمون گویا لازم و ملزوم کے مثل ہے ایک نکتہ داں شاعر نعت میں ایسے مضامین رنگینی کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت آپ کی شان کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے نیز وہ کمالات جو پیغمبر روحی فداہ کے ساتھ مخصوص ہیں اوس کا بیان بھی جذب قلوب کے لئے نعت کا ایک عنصر قوی ہے۔ اگر مضامین نعتیہ کی تحلیل کی جاے تو حسب ذیل اجزا اُس کے قرار پائیں گے۔

(۱) مرتبہ ایجاد میں ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل و اوّل ہونا۔

(۲) رسالت و نبوت کا ذات اقدس پر خاتمہ۔

(۳) آپ کی رسالت کا عامہ و تامہ ہونا۔

(۴) آپ کی شریعت کا تمام شعبہاے حیات انسانی کے لئے ایک کامل دستور العمل ہونا۔

(۵) آپ کے اخلاق مثل شفقت، رحم، عطا، سخا، شجاعت، ہمت وغیرہ اور معجزات۔ انہیں مضامین سے رنگیں بیان شاعر نعت کا ایک روح پرور گلدستہ تیار کرتا ہے۔ اس مختصر تمہید کو یاد رکھتے ہوے بلبلان گلزار مدینہ کی نغمہ سرائی سننا چاہیے۔

خسرو	نظامی
روشنائی دہ چراغ یقیں	نقطۂ خط اوّلیں پرکار
نور بینین و شمع باز پسیں	خاتم کار آفرینش کار

نظامی	خسرو
نو بر باغ ہفت چرخ کہن	نور او کز سپہر صد چند ست
دُرۃ التاج عقل و تاج سخن	مہ شگاف و سپہر پیوند ست
	انبیا پیش آں خجستہ چراغ
	طفل گہوارہ در مقام بلاغ

مولانا نے اوّل ما خلق اللہ نوری اور خاتم النبیین کے مضمون کو نہایت پسندیدہ طور پر بیان کیا ہے اوّل و آخر کا مقابلہ نقطہ و خط کا تناسب نو و ہفت میں سیاقۃ الاعداد کا التزام جیسا کہ قادر البیانی کا مولنا کے ثبوت ہے ویسا ہی عقل و تاج سخن کا درۃ التاج کہنا ایک نکتۂ جاں نواز ہے۔

یہی مضامین اشعار خسرو میں ہیں یہاں مقصود کا بیان بدلالت التزامی ہے جس کا لطف ظاہر ہے پیشین و پسیں شگاف و پیوند کا تقابل روشنائی، چراغ، نور و ماہ و سپہر کا تناسب مہ شگاف و سپہر پیوند کی تلمیح ایسے صنایع ہیں کہ شعرا کو جن کی بندش میں طرح طرح کی دشواریاں واقع ہوتی ہیں اور یہاں بے تکلف زبان قلم سے نکلا پڑتا ہے ان محاسن کے علاوہ مولنا کے مطلع کا پورا مضمون ایک خاص بلاغت کے ساتھ امیر خسرو کے یہاں صرف ایک مصرعہ میں ادا ہو جاتا ہے نور پیشین و شمع باز پسیں پھر یہ کیسی بلیغ نعت ہے اور انّ الخلق کلھم من نوری و سراجاً منیرا کی کیسی معنی خیز تفسیر بیشک آسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تجلیاں ہیں جو انبیاے سابقین کی معصوم و مقدس حیات اور اُن کے

چشمہ تبلیغ کی روانی و شیرینی ہمیں محسوس ہو رہی ہے اور بیشک یہ واقعہ ہے کہ ایک شمع سے ہزاروں شمعیں جگمگا اٹھتی ہیں۔ پس وہ شمع جسے اُس حیّ و قیّوم نے عرب کے دو سوکھے پہاڑوں میں روشن کیا اُس سے بیشمار شمعیں روشن ہوئیں اور ہوتی رہیں گی ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

پھر منہ شگاف کے لفظ میں معجزہ شق القمر اور سپہر پیوند میں آسمان کے خرق و التیام کی تلمیحیں حسن بیان کا نمک ہیں۔ تیسرے شعر کی چستی اور الفاظ کا باہم دست و گریباں ہونا ایسی وجدانی کیفیت ہے کہ اُس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مضمون اس شعر کا ایسا بلیغ ہے جس پر صد آفرین و مرحبا۔ دیکھو تمام انبیاء علیہم السّلام کی تبلیغ ایک خاص قوم تک محدود تھی اور اُن کی شریعت ایک خاص دور ایام کی مصلح۔ ان انبیاء علیہم السّلام کا کیا ذکر جن کی تبلیغ و تعلیم سے اُمت محروم رہی اور اُنھیں اپنی اُمت ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت پینا پڑا۔ اُن اولوالعزم انبیاء علیہم السّلام کو دیکھو جن کی دعوت تبلیغ کو لبیک کہا گیا کہ افرادِ اُمت میں سے کسقدر اُن کے متبع ہوئے اور متبعین پر کہاں تک اُس تعلیم کا اثر تھا۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ سے یہ کہنا کہ یا موسیٰ اجعل لنا الٰھاً کما لھم آلھۃ۔ (یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی تو ایک ویسا ہی معبود تیار کر جیسا کہ اُن لوگوں کا معبود ہے) اور عیسائیوں کی تثلیث کیا ظاہر کرتی ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جل مجدہ نے خاتم النبیین، کافۃ للناس رحمۃ للعالمین فرما کر آپ کے دامن رسالت کو ایسا وسیع فرما دیا کہ تمام عالم علوی و

سفلی اوس کے سایۂ رحمت میں تا یوم محشر آ گئے دعوت تبلیغ و تاثیر توحید کا نقش دیکھنا ہو تو مہاجرین و انصار کا تصوّر کر لو۔ آغاز اسلام میں کیا کچھ مصائب ان نفوس قدسیہ پر نہ گذر گئے مگر توحید سے ذرّہ برابر جنبش نہوئی آج بھی کلمۂ شہادت کا اقرار خالص توحید کا ثبوت دے رہا ہے اس شعر کو اب پھر پڑھو ؎

انبیا پیش آں خجستہ چراغ　　طفل گہوارہ در مقام بلاغ

رسالت ختم المرسلین کے کیسے دقیق نکتوں کی طرف اشارہ ہے فقدبروایا اولی الالباب

نظامی	خسرو
اوّلیں گل کہ آدمش بفشرد	خاتم چرخ زادہ زانگشتش
صاف او بود دیگراں ہمہ دُرد	پدر او چکیدہ از پشتش
و آخریں دور کا سماں راند	اوست جانے کہ قالبش بہ یقیں
خطبۂ خاتمیت او خواند	جان روح اللہ ست و روح امیں
ایں جسد را حیات ازاں جان ست	
ہمہ تخت ند و او سلیمان ست	

مولنا کے اشعار میں اول و آخر صاف و درد جسد و جان کا تقابل اور خاتم و سلیمان و تخت کا تناسب لفظی و معنوی نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ وجود با جود کو اصل الاصول اور بدایت و نہایت کا ذات اقدس سے تعلق ثابت کرنے کے لئے جو الفاظ جمع کئے ہیں ہر ایک اون میں سے ایک درخوش آب (ہمہ تخت ند و او سلیمان ست) ایں

ایک نئی ترکیب سے سلطان کونین کی حکمرانی ظاہر و باطن کا اظہار۔

مگر خسرو نے اس موقع پر نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی جدّت کو اوج کمال پر پہونچا دیا ہے دونوں کے پہلے شعر کو پڑھو ذات گرامی روحی فداہ کے اصل ہونے کو جس طرح خسرو نے بیان کیا ہے اوسکی بلندی علانیہ پاؤ گے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔ انا من نور اللہ و الخلق کلھم من نوری کی تلمیح کیسی لطیف ہے حضرت عیسیٰ جن کا لقب روح اللہ اور حضرت جبرئیل جن کا لقب روح الامین ہے اون کی جانوں کو جان نازنین کا قالب قرار دینا اشعار نعتیہ کی روح ہے۔

خسرو	نظامی
امّی و حرف سنج تختۂ کن	امّی و امّہات را مایہ
قلمش راستکار و راست سخن	عرش سایہ است عرش را سایہ
کاف و نون یک قم ز نامۂ او	پنج نوبت زن شریعت پاک
لوح محفوظ زیر خامۂ او	چار بالش نہہ ولایت خاک
بہترین نقطۂ رسل بشمار	ہمہ ہستی طفیل او مقصود
آسماں دائرہ است و او پرکار	او محمدٗ رسالتش محمود

مولنا کے اشعار میں امی و امہات محمد و محمود کا اشتقاق پنج نو اور چار میں سیاقۃ الاعداد مثنوی کا زیور ہے لیکن آپ کے اُمّی ہونے پر آپ کو مایۂ اُمہات جو کہا ہے ایسی عجیب و غریب نعت ہے کہ مولنا غالباً اُس کے موجد ہیں۔ فقیر کے علم میں

کسی دوسرے شاعر نے اس لفظ کو اس طریق سے نہیں باندھا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ان دونوں فدائیان رسول نے نظم میں بیان کیا ہی نثر میں ایسی تصویر کشی کی جائے کہ تمام خط و خال اُس کے واضح ہو جائیں لیکن مدعی متعصب کا خیال قلم روکتا ہے اس لئے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں کہ اصطلاح شعر لفظ امہات میں ارباب فلاسفہ سے الگ ہے حکما کی اصطلاح میں امہات سے مراد اربعہ عناصر ہوتے ہیں لیکن شعرا کے نزدیک کبھی اس کا اطلاق عالم علوی و عالم سفلی پر ہوتا ہے اور کبھی امہات سے امہات اسماء مراد ہوتے ہیں جو موافق مذہب صوفیہ الاوّل والآخر والظاہر والباطن یہ چار اسماء الٰہیہ ہیں ان لطیف اشارات کا لحاظ رکھتے ہوئے شعر پڑھیے اور ہزاروں داد دیجئے۔

خسرو بھی علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں۔ امّی ہونے پر عالم ماکان و مایکون ہونا لوح محفوظ کا آپ کے زیر خامہ ہونا بہترین نعت ہے اُس پر لوح و حرف تختہ و قلم کاف و نون نقطہ و دائرہ و پرکار کا تناسب نہ بنج میں سیاقۃ الاعداد ان صنائع نے مثنوی کے حُسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ لیکن مایہ امہات جو تاثیر بے اختیار پیدا کرتا ہے وہ لطف کہاں۔

نظامی	خسرو
شاہ پیغمبراں بہ تیغ و بہ تاج	ختم پیغمبران یار خدائے
تیغ او شرع و تاج او معراج	گمرہاں را بصدق راہ نمائے

نظامی	خسرو
امر و نہیش براستی موصوف	منکر شرع راز اصل و زفرع
نہی او منکر امر او معروف	سرزدہ ہم بتازیانۂ شرع
ہر کہ برخاست میفگندش پست	بہدایت دلیل بے دیناں
وانکہ او فتاد میگرفتش دست	بشفاعت پناہ مسکیناں
تیغ ازیں سو بقہر خوں ریزی	چوں محبّت زہر دعوی خاست
رفق ازاں سو بمرہم آمیزی	حجّت او را درست دعوی را ست
مرہمش جاں نواز تنگ دلاں	درجہاں گیری از زبر تا زیر
آہنش بند سارے سنگ دلاں	ہم زبانش درست وہم شمشیر

سیاست نبوی کا سیاست سلطانی سے جس خوش اسلوبی سے فرق بتایا ہے وہ قابل لحاظ ہے جس نے غزوات کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا اس مقام کا لطف اوسے آئیگا ستم شعاروں کی سرکوبی کے ساتھ مجروح دلوں پر رحمت و شفقت کا کیسا پھایا رکھا ہے۔ ان باکمالوں نے حمد و نعت میں مسائل صحیحہ کی ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ اگر صحیح مذاق سے ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو بہت کچھ عقل کی روشن کرنے والی باتیں معلوم ہوں باعتبار مضمون و مفہوم دونوں حضرات کے اشعار یکساں ہیں لیکن شاہ پیغمبراں میں وہ قوت نہیں جو ختم پیغمبراں میں ہے۔ اسی طرح خسرو کے اس مصرعہ میں کہ ”بشفاعت پناہ مسکیناں“ جو شان رافت و رحمت عیاں ہے وہ ”مرہمش جاں نواز تنگ دلاں“ سے زیادہ ہے۔

نعت میں بھی تقریباً وہ اشعار لکھ دیے گئے جن کے مضمون باہم مشترک تھے اب خسرو اقلیم سخن کے اوس نعتیہ مضمون کو دیکھو جس کے یہ خود موجد ہیں اور تمام متاخرین اسی چمن ہمیشہ بہار کے گلچین ہیں۔

میم احمد کہ در احد غرق ست　　　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احــد کمر بند ست　　　　یعنی ایں بندہ آں خداوند ست

احد و احمد کی تجنیس زائد بندہ و خداوند کا تقابل این وآں اور کمر و کمر بند کا تناسب گویا انکا روز مرّہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ کے پےَ و فرق کے الفاظ صنعت تقابل کے ساتھ ممکن کو واجب سے حادث کو قدیم سے عبد کو معبود سے جس طرح ممتاز کر رہے ہیں اوس کی داد دی نہیں جاسکتی۔

قران کریم نے جہاں کہیں مراتب مخصوصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہیں وہاں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد فرمایا ہے مثلاً معراج کا جہاں بیان ہے وہاں یوں ارشاد ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام اسی طرح انتہائے مقام قرب و اختصاص کو یوں فرمایا ہے فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔

اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر اس بیان کی داد دیجیے کہ احمد کا میم جو احد کے وسط میں ہونے کی وجہ سے گویا احد میں فنا ہوگیا ہے فی الحقیقت وہ میم احد و احمد خداوند و بندہ کے فرق و امتیاز کے لئے خدمت و عبادت کا پٹکہ ہے تاکہ خلق جان لے کہ احمد بندہ اور احد خداوند ہے اور احمد ہر وقت بندگیِ خداوند میں کمر بستہ و مستعد ہے۔

منقبت

جس طرح حمد کے بعد نعت کا مضمون لازم ہے اسی طرح مضامین نعتیہ کا ایک قوی عنصر خلفاے اربعہ و دیگر اصحاب کرام کی منقبت ہے کوئی نعت اصحاب کی مدح سے خالی نہیں ہوتی مولانا نظامی نے چاریار باصفا کی منقبت صرف ایک شعر میں مجملاً بیان فرمائی ہے ؎

چار یارش گزیں بأصل و بہ فرع　　چار دیوار گنج خانۂ شرع

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے یہاں بھی حسن بیان و زور کلام کا دریا بہا دیا ہے ملاحظہ ہو ؎

چار یارش بچار سوے زمیں　　چار رکن جہاں صفۂ دیں

اوّل آں اولیں خلیفہ کار　　ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

دوم آن کز شکوہ پایۂ او　　دیو بگریختہ ز سایۂ او

سوم آں جامہ جریدۂ پاک　　چاشنی گیر خوان رسلناک

چارم آں قصر وحی را دہلیز　　در علم و کلید خیبر نیز

آنکہ پاک کند پاک کیشانند　　رضی اللہ عنہم ایشانند

مذکورہ اشعار میں صنایع لفظی و معنوی تناسب و تقابل سیاقۃ الاعداد و تلمیحات عجیبہ جس قدر موجود ہیں اون کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہاں دوسرا شعر جو خلیفہ اوّل کی مدح میں لکھا ہے وہ خسرو کا حصّہ ہو گیا منقبت میں پوری آیۃ کریمہ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کو بحر مثنوی میں موزوں کرکے تلاوت کرنا درا صل اس مدح کی کرامت اور مبدا

فیاض کے فیض خاص کا اثر ہے اوّل کو ثانی قرار دیکر لاثانی ثابت کرنا خسرو اقلیم سخن کا وہ انداز بیان ہے جس میں غیر کی شرکت پائی نہیں جاتی۔ علیٰ ہذا خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی کی منقبت میں قصر و دہلیز و در کا تناسب اور آپ کو در علم و کلید خیبر کہنا ایک بے مثل بیان ہی آپ کے عقد میں جگر پارۂ نبوی بضعۃٌ منّی حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت مولیٰ حضور اقدس کے ساتھ اخوت کی قرابت بھی رکھتے تھے اسلئے آپ کو وحی الٰہی کے محل عرش منزل صحن خانہ کہنا اور انا مدینۃ العلم و علی بابہا کے اعتبار سے در علم قرار دینا ایسا ہی بیان واقعہ ہونے پر روحانی لطیفہ ہی جس طرح خیبر کشائی کی صفت کو کلید خیبر کے استعارہ سے ظاہر کرنا ایک رنگین دقیقہ ہے۔

اہل معانی کے نزدیک کسی آیۃ یا حدیث یا دعا کے پورے جملے کو بے تبدل و تغیر کسی شعر میں موزوں کر دینا شاعر کا کمال سخن سمجھا جاتا ہی اس کمال کی بہترین مثال یہاں دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ اور آخر شعر کے آخر مصرعہ میں موجود ہی۔

معراج

معراج کا مضمون فی الحقیقت نعت اقدس کا ایک جز ہی لیکن شعرا نے اسے ایک مضمون مستقل قرار دیکر علیحدہ عنوان سے بیان کیا ہی اس میں حسب ذیل مقاموں کے بیان سے داد نازک خیالی و سخن آفرینی دیجاتی ہی (۱) شب معراج کی تعریف (۲) جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش (۳) وصف براق (۴) مقامات سیر منازل سیارگان (۵) سیر عرش (۶) مقام قاب قوسین (۷) لامکان (۸) وصل و وصال و تکمیل و کمال (۹) رجوع بعالم صورت

باہزاراں دولت (۱۰) و قف دولت معراج برامت گنہگار۔

معراج کا عنوان قایم کرتے ہوئے دونوں حضرات کی شاعرانہ قوت نے جو عروج اختیار کیا ہے اوس بلند خیالی تک تو اس ہیچمداں کی فہم پہونچنے سے قاصر ہے۔ بادۂ توحید و مے عرفان کا وہ جوش ہے کہ اوبلی پڑتی ہے مسلک نظم میں الفاظ کے موتی نہیں ہیں بلکہ حقایق و معارف کے خم کے خم ہیں بے قیمت اگر اس کا ایک جام روحانی سی و نشیب ہو جاے ارباب فہم و ذکا اگر صحیح مذاق کے ساتھ دونوں حضرات کے پورے کلام کا مطالعہ کریں تو لطف بیان سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

فن شاعری میں یہ بھی ایک خاص صنعت ہے کہ کسی مضمون کا اختتام اس طرح ہو کہ آیندہ مضمون کا اوس سے اظہار ہو جاے اور ماسبق کی انتہائی کڑی مابعد کے ابتدا سے ملکر سلسلہ کلام کو مسلسل کر دے قصیدے میں اسی صنعت کو گریز کہتے ہیں اس صنعت کا لحاظ رکھتے ہوے مولنا نظامی نعت شریف کا خاتمہ اس شعر پر فرماتے ہیں ؎

چوں نگنجید در جہاں تاجش   تخت بر عرش کرد معراجش

اسکے بعد جبرئیل امیں کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش بیان کرتے ہوے اس رات کی تعریف صرف ایک شعر میں تمام کر دیتے ہیں ؎

شب شب قدر وقت وقت دعاست   یافت خواہی ہر آنچہ خواہی خواست

خسرو علیہ الرحمۃ نعت گرامی اس شعر پر ختم کرتے ہوے کہ ؎

گر بود مردم آسماں را تاج   جز محمد کرامت ایں معراج

شبِ معراج کے وصف میں فرماتے ہیں ؎

فرخ آں شب کہ آں چراغ دو کون ‏ ‏ ‏ زد بقندیلِ عرش پرتو عون

شب چو بر سر نہاد چتر سیاہ ‏ ‏ ‏ چتر اسریٰ کشید بر سرِ ماہ

جلوہ گر شد بہ لاجوردی سریر ‏ ‏ ‏ دولتش زیں سرائے دامنگیر

شب از گشتہ زیور ماہش ‏ ‏ ‏ نور از گشتہ مشعلِ راہش

در دلِ شب ز پرتو آں نور ‏ ‏ ‏ حرف باریک غیب خواندہ ز دور

شب، چراغ، قندیل، نور، مشعل، و پرتو کا تناسب، چترِ اسریٰ کا ایہام و تلمیح گویا عارضِ نظم کے رخ افروز خط و خال ہیں۔ بظاہر اشعار کا یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ رات کی سیاہی اور چاند کے سریع السیر ہونے کا بیان ہے اصطلاح عرب میں سرے و اسریٰ رات کے سفر کرنے کو کہتے ہیں، لیکن حقیقتاً چوتھے شعر میں شب، ماہ و نور کا جو استعارہ ہے اُس کے لحاظ سے بطریق ایہام اشعار کے معنی یہ ہوئے کہ جب شب کی تاریکی عالم پر چھائی اور ماہِ فلک تیز روی سے قطع منازل کر کے روپوش ہو گیا اس وقت ماہِ دنیٰ فتدلیٰ نے سر پر تاج سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کا رکھ کر عالمِ بالا کا سفر شروع کیا اور آپ کی شاہدِ دولت یعنی ذاتِ اقدس جس وقت آسمان کے تختِ لاجوردی پر جلوہ آرا ہوئی تو اس وقت گیسوئے عنبریں جو واللیل اذا سجیٰ کے مظہر تھے ماہ رخسار پر جو والشمس والضحیٰ کا پرتو ہیں تجلی آرا ہوئے۔ آپ کے پرتوِ انوار سے وہ شبِ سیاہ اس قدر منور و تاباں ہو گئی کہ غیب کے اسرارِ خفیہ بھی دور سے پڑھے جاتے تھے۔ ان

اشعار میں جن کمالات محمدیہ کی طرف اشارہ ہی اوسے فطرت سلیم ہی سمجھ سکتی ہی۔

مولنا نظامی علیہ الرحمۃ نے جبریل امین کی گذارش چند اشعار میں بیان کی ہے اور رات کے متعلق صرف ایک شعر پر ختم کر دیا ہی۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے جبریل کی گذارش میں صرف ایک شعر پر اکتفا کیا ہی اور رات کے متعلق چند اشعار لکھے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں کہی جا سکتی۔ بہرحال جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری یا براق کی صفت یا منازل سیارگان میں جو شاعرانہ قوت کا اظہار کیا گیا ہی اوسے ترک کرتا ہوں اور صرف اون مقامات پر جہاں زور طبیعت کا اصلی جوہر کھلتا ہی اکتفا کرتا ہوں۔

سیر عرش

نظامی	خسرو
قطرہ قطرہ ازاں محیط گذشت	عرش بر از جنیبہ بارش را
قطرہ بر قطرہ ہرچہ دید نوشت	پاے گم شد جنیبہ دارش را
چوں در آمد بساق عرش فراز	روش افگند ز آفتاب حضور
نردباں ساخت از کمند نیاز	برقنادیل عرش پرتو نور

سیر عرش اگرچہ دونوں حضرات نے ایک نئے انداز سے شروع کی ہی اور ہر ایک اپنے اپنے انداز میں کامل ہی لیکن مولنا کا اول شعر اوس کمال کا نمونہ ہی جس میں کسی غیر کی شرکت ممتنع تسلیم کی گئی ہی۔ ہاں خسرو کے دوسرے شعر میں البتہ مولنا کے دوسرے شعر سے ترقی نمایاں ہی لیکن مولنا کے پہلے شعر کا سرور ایسا غالب ہی کہ اوس کی لذت

کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام افلاک سے ایک چشم زدن میں گذر جانا اور پھر ہر ایک کا تفصیلی ملاحظہ کس بلاغت وسلاست سے بیان ہوا ہی سبحان اللہ۔

اصطلاح میں قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ کسی کام کا کرنا اوس وقت کہا جاتا ہی جبکہ اوسے بالاستیعاب اس طرح انجام دیا جائے کہ ذرہ برابر بھی اوس کے تکملہ سے رہ نہ جاے اور قطرہ بر قطرہ کی اصطلاح نہایت ہی تیزروی و تیز دوی کے معنون میں مستعمل ہے اب شعر پڑھئے پہلا مصرعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقام سیر میں کیا فلک اور کیا سیارہ اوس سے اس طرح گذرے کہ ایک ذرہ برابر بھی ملاحظہ سے نہ چھوٹا اور دوسرا مصرعہ اوس تیزروی کو بتاتا ہی جس سرعت سے یہ مقامات طے کئے گئے کسی محیط سے قطرہ قطرہ گذرنا اور راوس کے ہر حصہ کو قطرہ بر قطرہ طے کرنا کیسا بلیغ استعارہ ہی

مقام قاب قوسین

خسرو	نظامی
جلوہ کرد از برائے کونینش	قاب قوسین او درآں اثنا
سر بدرگاہ قاب قوسینش	از دنیٰ شد بقابِ او ادنیٰ

اس مقام کا بیان دونوں حضرات نے سرسری طور پر معمولی الفاظ میں کیا ہے کوئی خاص لطف کہیں نہیں ہی لیکن عبودیت کی شان خسرو کے شعر میں نمایاں ہی اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خسرو کا شعر بہتر ہے۔

مقام وصل و وصال و تکمیل و کمال

نظامی	خسرو
چوں حجاب ہزار نور درید	شد بجائے کہ جاں نمی گنجد
دیدہ در نور بے حجاب رسید	خود ہم اندر میاں نمی گنجد
گامے از بود خود فراتر شد	دیدہ را نور لایزالی داد
تا خداوندیش میسر شد	سینہ را سر ذوالجلالی داد
از نبی جز نفس نبود آنجا	چوں ز عالم بروں نہاد قدم
ہمہ حق بود و کس نبود آنجا	پیش رو شد بہ پیشگاہ قدم
شربتے خاص خورد و خلعت خاص	یافت در خود متاع موزوں را
یافت از قرب حق زہے اخلاص	دید بیننگ خدائے بے چوں را
جامش اقبال و معرفت ساقی	نکتہ بر خواند بے وکالت ہوش
ہیچ باقی نماند از باقی	قصہ بشنید بے میانجی گوش
	گوش کے سر غیب را سنجد
	بحر اندر صدف کجا گنجد

اس مقام کا بیان جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہے وہاں اسی طرح کے اشارات و کنایات ہیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف دیکھو مقام قرب کا کس طرح بیان فرمایا ہے فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ پہلے امکان و حدوث کا وجوب و قدم سے قرب کان

قاب قوسین سے تعبیر فرمایا اُس کے بعد او ادنیٰ کہہ دیا جہاں پہونچکر فہم گم عقل حیران تکمیل و کمال کا بیان بھی اسی طرح ہی فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ احادیث مصطفویہ بھی اسی انداز خاص سے آیات کی مفسر ہیں۔ جہاں تک سیر کا تعلق ہے وہاں الفاظ صاف بیان واضح لیکن جہاں اس مقام کا بیان آیا وہاں پر عقل خیرہ اور علوم متداولہ بیکار۔ جس نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ کہا وہ نتیجہ اُن علوم کا نہ تھا جو نقوش و خطوط سے حاصل ہوتے ہیں پھر اوسے نقوش و الفاظ میں کیونکر ظاہر کیا جاسے یہ حضرات جو کچھ فرما گئے اور مراتب و آداب جس طرح ملحوظ رکھے وہ اُن کی پاکیٔ نفس کی دلیل ہے۔

مولانا نظامی نے فنائیت و محویت مطلقہ کے ساتھ وحدت وجود کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے عبد و معبود کے فرق کو جس بلاغت و نازک خیالی سے ادا فرمایا ہی اس سحر آفرینی کی داد دی نہیں جا سکتی۔ دوسرے شعر کو پڑھو ؎

گامے از بود خود فراتر شد تا خداوندیش میسّر شد

یعنی جب وہ نور ہزاروں حجابات نورانی طے کرتا ہوا بے حجاب نور تک پہونچا تو اپنے بود سے ایک قدم اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اوسے خداوندی حاصل ہوئی لفظ بود جو مصرعہ اوّل میں ہی یہ لفظ وجود کا فارسی ترجمہ ہی وجود کے معنی مختلفہ کی طرف غور کرو پھر لفظ خداوند و خدا کے حقیقی معنی میں جو فرق ہی اوسے سوچو علواً کبیرا کی تفسیر واضح ہو جائیگی بارگاہ قدم کے عظمت و جلال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائیگا اور بے اختیار دل سے آداب مراتب کی داد نکلے گی۔ پانچویں شعر میں جو کیف دسرور ہی وہ صرف لفظ

باقی سے ظاہر ہوتا ہی۔ یہاں پر لفظ باقی جو قافیہ ہی اوس سے جن معانی کا ایہام ہوتا ہی اُن میں سے ہر معنی موج خیز خمیازۂ مستی و سرور ہی۔

اب خسرو کے اشعار پڑہو اسی مقام کا بیان ہی کلام کی فصاحت، بیان کی سلاست الفاظ و ترکیبوں کا باہمی پیوند، بندش کی چستی اور معانی کی آمد ایک بحر زخار ہی کہ موجیں مارتا چلا آرہا ہی اس مقام کے بیان میں کمال بلکہ بیان کی جان آداب مراتب کا پاس و لحاظ ہی اس کی نگہداشت مولنا کے اشعار میں تم دیکھ چکے۔ خسرو کے اشعار میں اگرچہ وہ رنگینی و مرصع کاری نہیں جو مولنا کے اشعار میں ہی لیکن بیان کی روح جس روانی و صفائی کے ساتھ یہاں پاؤگے وہ اپنی نظیر آپ ہی۔ پہلے شعر کو پڑہو۔ لفظ شد جس سے بیان شروع ہوتا ہی اُس کو ذہن میں رکھتے ہوے دوسرے مصرعہ کو سوچو مقام وصل کو کس ادب سے بیان کیا ہی علی ہذا چوتھے شعر کا پہلا مصرعہ ایک خاص بلاغت کا نمونہ ہی متاع موزوں کو اپنے آپ میں پانا کیسا نادر لطیفہ ہی اب دوسرا مصرعہ اسی شعر کا پڑہو اور ہزار مرحبا کہو وصل و وصال کا بیان ختم ہوتا ہی سب کچھ کہہ گئے اور آخر میں یہ فرماتے ہیں کہ بحر اندر صدف کی گنجد یعنی صدف بحر میں پایا جاتا ہے بحر کی سمائی صدف میں کہاں ممکن۔ صرف اس ایک ہی مصرع میں آداب کے تمام مراتب طے کر دیے اور معارف و حقایق کا ایک دریا بہا دیا۔ مجھ میں بیان کی کہاں طاقت ہے تم خود سوچو اگر مسائل و مقامات تصوف کے صحیح معلومات ہیں تو بے اختیار کہہ اوٹھوگے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ کوئی ہاتف غیبی بول رہا ہی۔

رجوع بعالمِ صورت

خسرو	نظامی
با ہزاراں ہزار نقد مراد	بامدارا ے صد ہزار درود
در شبستانِ دولت آمد شاد	آمد از لوح آں مدار فرود
بہرہ داد از رہِ جوانمردی	ہرچہ آورد بذلِ یاراں کرد
رہ رواں را ازاں رہ آوردی	وقف کارِ گناہ گاراں کرد
کرد چوں بخشش خاصگاں ہمہ چیز	
داد بخشش گناہ گاراں نیز	

روایاتِ معراج اگر محفوظ ہوں تو ان تلمیحات کا لطف ہے جس وقت دربارِ احدیت سے السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ کا خلعت خاص عطا ہوا اس وقت اُس امت نواز پیغمبر نے فرمایا السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین یعنی یہ سلام ہم سب پر اور خدا کے صلحا بندوں پر۔ بجاے علیّ یعنی مجھ پر کے جو علینا یعنی ہم سب پر فرمایا اس رحمت و سلامتی کے دامن میں تمام امت گنہگار کو چھپا لیا۔ اشعار مذکورہ میں انھیں بذل و نوال کی تلمیح ہے دونوں کے اشعار میں ایک ہی مضمون اور ایک ہی مفہوم لیکن خسرو نے الفاظ ایسی روش سے آراستہ کیے ہیں جس سے تاثیر زیادہ ہوگئی۔

⁂

مدح سلطان

حمد نعت و معراج کے بعد شعرا نے مدح سلطان و قت بھی ضرور لکھی ہی اور
یہی وہ مضمون ہی جو سارے کلام میں روکھا پھیکا اور سیٹھا ہوتا ہی۔ علی الخصوص
متاخرین کے کلام میں تو ایسی بدمزگی پائی جاتی ہی کہ منھ بگڑ جاتا ہی۔ ممدوح کی
تعریف میں مبالغہ و اغراق کرتے ہوئے انبیا علیہم السلام پر فضیلت دیتے ہیں
پھر اس سے سیری نہیں ہوتی تو صفات اُلوہیت اُس میں ثابت کرتے ہیں کلمات
کفریہ کہنے سے بھی باک نہیں رکھتے۔

جب اُس کے سراپا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کا قلم ایسا حلیہ کھینچتا
ہی جو کسی معشوق طناز سراپا ناز و ادا کی شکل موزوں ہو۔ بیان جب واقعات سے
اس قدر مبائن ہو گا تو لازمی نتیجہ بدمزگی ہے۔ مثلاً اگر پانی کی یہ تعریف کی جائے
کہ وہ زرد رنگ منجمد مثل پتھر کے سخت آگ کی طرح جلانے والا ہی تو یہ کوئی
تعریف پانی کی نہ ہوئی بلکہ کائنات میں سے کسی ایسی موجود کی یہ تعریف
کی گئی جس کا اسم مجہول ہے۔ بہرحال متقدمین کا کلام پھر بھی کچھ جان رکھتا ہی
اسی بنا پر چند اشعار جستہ جستہ دونوں حضرات کے جو مدح سلطان میں لکھے گئے ہیں
پیش کرتا ہوں۔

تمہید مدح

نظامی	خسرو
چوں اشارت رسید پنہانی	مشتری کوست کاروان سپہر
از سراپردۂ سلیمانی	دوشش سوے من آمد از سرِ مہر

خسرو	نظامی
گفت کلکے از ضمیر دریا کار	برگرفتم چو مرغ بال کشائے
گشتہ بازارگانِ دریا بار	تا کنم بر در سلیماں جائے
زآتش طبع یافتہ جاوید	در اشارت نہاں نمود برید
روز بازار گرم چوں خورشید	کہ ہلالے برآورد شب عید
آمدم تا رواج دُرِ ثمیں	آنچناں کز حجاب تاریکی
سوئے گردوں برم متاع زمیں	کس نہ بیند درو ز باریکی
گوہرے دہ کہ چرخ تاب بود	تا کند صید سحر سازی تو
درخور گوشِ آفتاب بود	جادواں را خیال بازی تو
آں گہرہا کہ آسماں تاب ست	عطسۂ دہ ز کلک نافہ کشائے
کہنہ و زرد و خورد و بے آب ست	تا شود باد صبح غالیہ سائے

دونوں حضرات کی تمہیدیں اپنی اپنی روش میں جداگانہ انداز رکھتی ہیں۔ حضرت نظامی کے یہاں قاصد کی زبان سے مدح کی فرمائش ہے اور دربار خسروی میں مشتری جو قاضی فلک ہے وہ حاضر ہو کر آسمان کی زیب و زینت کے لئے گوہر گرانمایہ کا ملتمس ہے۔ مولانا کا چھٹا شعر خاص بلاغت کا نمونہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی خسرو کی تمہید مولانا کی تمہید سے افضل ہے۔ مگر آئندہ مولانا نظامی نے تمہید کو بہت زور دے کر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

نام ممدوح

نظامی	خسرو
عمدۃ الملک علاؤ الدیں	جم ثانی علاءِ دنیا و دیں
حافظ و ناصر زمان و زمیں	آسماں خاتم آفتاب نگیں
نامِ او زینتِ علا دارد	بادشاہ جہاں محمد شاہ
گر گزشت از فلک روا دارد	سائبانِ جہاں بچترِ سیاہ
فلکِ بے علاقہ دار دیست	مہ سپہر منورش خواندہ
در علاءِ فلک بلندی ہست	دیں علاے مصورش خواندہ

دونوں کے ممدوح میں اتفاق سے مشارکت اسمی ہے اس لئے موازنہ کا موقع پورا ہے کہ کس نے نام کس طرح موزوں کیا اور اُس سے کیا کیا نکات پیدا کئے اگرچہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی طبیعت بادشاہوں کی مدح میں کند ہو جاتی ہے اسی لئے ان کے قصائد میں بھی خاص مدح کا حصہ کمزور رہتا ہے یہی حال ان کا مثنوی میں بھی ہے کہ بادشاہ کی تعریف میں جوش و خروش نہیں پایا جاتا۔ باوجود اس کے کہ اُسی ممدوح کے رعایا ہیں ارکین دولت میں شامل ہیں پھر بھی قلم شاعرانہ انداز سے مدح سلطان میں رواں نہیں پایا جاتا۔ لیکن اگر کہیں متوجہ ہو گئے ہیں تو کسی سے کم بھی نہیں رہتے ہیں جیسا کہ اس مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پلّے برابر ہیں کسی کو کوئی ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

سخاوت

نظامی

پادشاہاں کہ در جہاں ہستند
ہر یکے ابر سے بدست بر بستند
دست ابرِ تو ابرِ نیسانست
واں دگر ابرہا زمستانست
آبِ چشمہ کہ آبِ پاکی شد
با تو چوں آبِ چشم خاکی شد

خسرو

ابر با ایں ہمہ زبر دستی
کرد در پیش دست تو پستی
داد دریا کفِ تو دُر بہوس
کفِ دریا چہ داد مشتے خس
ابر باری تو زاں کفے چو سحاب
ابر بارد و لے سوار کِ آب

مولٰنا نظامی نے ممدوح کے ہاتھ کو ابر نیساں اور دوسروں کے ہاتھوں کو ابرہائے زمستان جو کہا ہے وہ عجب لطیف استعارہ ہے۔ اسی طرح چشموں کے آب کو پاک وصاف مان کر آب چشم و سرشک بنا دینا اور پھر اُن کا خاکی ہو جانا نہایت ہی پسندیدہ اور لطیف خیال ہے اُس پر چشمہ و چشم کی تجنیس سبحان اللہ خسرو کے یہاں زبردستی و پستی کا تقابل پیش و پستی سے پس کا تضاد، لفظ کف کی تجنیس تام مماثل بے مثل ہے۔ نفس مفہوم کسی طرح مضمون سابق سے کم نہیں

کمال تیراندازی

نظامی

نوک تیرش بہر کجا کہ شتافت
گہ جگر دوخت گاہ موئے شگافت

خسرو

نوک پیکانش در مقام ہنر
بردہ داغِ کلف ز روئے قمر

نظامی

تیرش از دست گرگ و پاے پلنگ
بر سمِ گور کردہ صحرا تنگ

مولٰنا نظامی کے اشعار میں دست و پا و سم اور گرگ و پلنگ و گور کا تناسب پسندیدہ ہے اور نفس مضمون سے ایک خاص خوبی ظاہر ہے یعنی اُس کی تیر اندازی کا کمال میدان جنگ اور صید وحوش و سباع دونوں میں بے نظیر ہے۔ خسروؔ نے ایک ہی شعر میں غلو و اغراق کے ساتھ نوک تیر کے کمال کو اپنے فن و ہنر میں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اُس سے زیادہ اوج دشوار سمجھا جاتا ہے۔

تیغ زنی

خسرو	نظامی
تیغش ار برکہ سلیم شدہ	بازی خرس بردہ از شمشیر
کوہ چوں آسیا دو نیم شدہ	خرس بازی در آورندہ بہ شیر
تیغ در مخش کہ خصم را سودند	شہ چو دریا ستاے درغ و دریغ
مار مسکوب و ظل ممدودند	جز رو مدش بہ تازیانۂ تیغ
زد بیک چاشنیِ تیغ چو آب	ہرچہ آرد بزخم تیغ فراز
فتنہ در خواب رفت مست و خراب	بسرِ تازیانہ بخشد باز

نظامی

فتح بر خاکِ پائے او زدہ فرق

فتنہ در آبِ تیغ او شدہ غرق

مولٰنا نظامی نے ایک نئے انداز سے تلوار کے جوہر دکھائے ہیں پہلے شعر کا مفہوم بالکل نیا اور تازہ ہے بازی خرس وخرس بازی کی ترکیب و تقلیب سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے خرس بازی وہی خرسک بازی ہے جو اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اور وہ لڑکوں کا ایک خاص کھیل ہے۔ خرس مکر و حیلہ میں ضرب المثل ہے اس لئے لفظ خرس بازی مکر و فریب کی جگہ بولا جاتا ہے علیٰ ہذا دوسرے شعر میں تازیانہ و تیغ کا جزر و مد بطریق لف و نشر مرتب و تقابل ایک بے مثل بیان ہے مگر آخر شعر کا آخر مصرعہ "فتنہ درآبِ تیغِ او شدہ غرق" ایسا سہل ممتنع واقع ہوا ہے کہ اُس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے پہلے شعر میں کوہ و کاہ کا اشتقاق و تقابل تیغ و آب فتنہ و خواب کا تناسب قابل تعریف دوسرے مصرعہ میں آیۃ کریمہ کی تلمیح اور پھر تلوار و نیزے کی تعریف میں جواب الجواب بلکہ لاجواب ہے۔ چاشنی کا لفظ بطریق ایہام یہاں جرعۂ شراب کے معنی میں نہایت مناسب واقع ہوا ہے آخر شعر کا مضمون مولٰنا نظامی کے آخر شعر سے بہت زیادہ اعلیٰ ہے " فتنہ در خواب رفت و مست و خراب" فتنہ کے لئے جس قدر کہ خواب موزوں ہے غرق مناسب نہیں۔ بہرحال میدان شمشیر زنی میں دونوں کی تلواریں یکساں روا

ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔

مولنا نظامی نے بادشاہ کی مدح میں پوری قوت سے زورِ کلام کا جوہر دکھایا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح کرتے ہوئے ایسا ناصحانہ پہلو بدلا ہے جس سے اسلاف کی حق گوئی کا ایک بے نظیر جلوہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

سبب نظمِ کتاب

مولنا نظامی نے سبب تصنیف کا کوئی خاص عنوان قرار نہیں دیا ہے بلکہ تمہید مدح سلطان میں جو قاصد سے گفتگو ہوئی ہے اُس کے کچھ اشعار سبب تصنیف قرار دیئے جا سکتے ہیں مگر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کا ایک خاص عنوان قرار دیا ہے اور ایسی طرز جدید سے اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کیا ہے کہ دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ دونوں کی روش اس طرح جدا ہے کہ اُن کا صحیح مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تقریباً خسرو ہی کے اشعار پر اکتفا کرنا ہوگا۔

نظامی

گفتمش گفتنی کہ بہ پسندند ۔۔۔ نہ کہ خود زیرکاں بر و خندند

گفتم ایں نامہ را چو دیر مجوس ۔۔۔ جلوہ دادم از اں ہعبت عروس

تا عروسانِ چرخ اگر یک راہ ۔۔۔ در عروسانِ من کنند نگاہ

از ہم آرایشی و ہمکاری ۔۔۔ ہر یکے را یکے کند یاری

آخر از ہفت خط کہ یار شود　　نقطۂ بر میانِ کار شود
نقشبندے کہ نقش دہ دارد　　سرِ یک رشتہ را نگہ دارد

طوالت کے خوف سے تمام اشعار نقل نہیں کئے گئے پورے مضمون کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی فکر رسا بحر مواج کی ایک طوفان خیز موج ہے جو دمبدم جوش مارتی ہوئی چلی جا رہی ہے اور رہ گزر کے نشیب و فراز اُس کے سد راہ ہو نہیں سکتے۔ اشعار مذکورالصدر میں عروسانِ چرخ سے مراد وہی سبعہ سیارہ ہیں جن کی نسبت کو ہفت گنبد بہرام کی تعمیر میں ملحوظ رکھا ہے۔ ہفت خط جام جمشید کے وہ ساتوں خط ہیں جو علم نجوم کے موافق ہفت افلاک و ہفت اقلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

نقش دہ سے مراد نقش دہ در دہ ہے جو اصول تکسیر کے موافق تسخیر کا اثر رکھتا ہے۔ ان اصطلاحات کے مفہوم ذہن میں ہوں اور پھر اشعار پڑھے جائیں تو کلام کی خوبی اچھی طرح سمجھ میں آئے۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کی اس طرح ابتدا کی ہے۔

توصیف ایام

شبے از روز بیغمی خوشتر　　وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت و نہ گرد ماہِ چاردہ روز　　ماہتابی شدہ جہاں افروز
بر کشادہ ہوائے نورانی　　آسماں را گرہ ز پیشانی

ہفت، نہ اور چہاردہ میں صنعت سیاقۃ الاعداد جس خوبی سے موزوں کی ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔ ہفت و نہ کردن بمعنی آراستگی تمام جسے اہل ہند سولہ سنگار

کہتے ہیں ماہِ چہار دہ روز بدر کامل ہے جو چودھویں تاریخ کو پورا ہوجاتا ہے اس کے علاوہ شب کو روز بینی سے خوش تر کہنا اور بدر کامل کی آرائش تمام و کمال کے بعد اس کی چاندنی کو جہاں افروز قرار دینا کیسا لطیف خیال ہے۔

موسم بہار

زحمت از باغ بردہ بادِ خزاں　　بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پُر از نسیم شدہ　　پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہائے مشک سرشت　　باز کردہ درِ بہائے بہشت

ان اشعار میں بادِ خزاں اور بادِ نوروز کا تقابل شبنم و نسیم کا تناسب دُر و دَر کا اشتقاق و تجانس قابلِ لحاظ ہے۔ موسم کی خوش گواری کا ایک عجب دلکش انداز میں بیان ہے خزاں کے جھونکے باغ و راغ کو ویران و سنسان کر دیتے ہیں نہ پھولوں کی شگفتگی رہتی ہے نہ بلبلوں کی زمزمہ سنجی، طبائع مضمحل جذبات افسردہ لیکن شاعر یہاں یہ ثابت کرتا ہے کہ بادِ خزاں کا جانا چمن دنیا کی تر و تازگی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ ہر قسم کی زحمت و بے رونقی خزاں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ گلزار عالم ایک لہکتا مہکتا چمن قدرت بن گیا تھا۔

کیفیت شاعر

من در احرامِ کعبۂ دل خویش　　نخل بر دست چاہِ زمزم پیش
گشتہ کلکم کلید سینۂ من　　داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو رفتہ سرم　　پر گہر گشتہ دامن ہنرم

شعر اوّل میں چند الفاظ جو تناسب کعبہ کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور دیگر اشعار

میں جو استعارات نمکیں اور بلاغت رنگیں موجود ہے وہ شاعر فصیح اللسان کے قادر الکلام ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

تقریر بزبان ہمنشیں علی نامی

کامد آں ہمنشین جانی من — ناقدِ سکۂ معانی من

ہم علی نام و ہم بہ بینائی — چوں علی در کشائے دانائی

گفت اے جادوئے طلسم انگیز — موشگاف از زبانِ خامۂ تیز

گاہ فکرت چو خوئے کند رویت — صد عطارد چکد ز ہر مویت

حضرت امیر خسرو نے اس عنوان کے تحت میں ۰۷ شعر لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک انتخاب و لاجواب ہے۔ زور سخن قوت کلام جدت شاعری میں ہر ایک شعر چشمۂ صافی کی طرح رواں ہے چوتھا شعر جو شاعر کی مشقت علیہ کا مظہر ہے اُس کی قادر الکلامی کے کمال کا کیسا آئینہ ہے یعنی وہ ہمنشیں شاعر سے یہ کہتا ہے کہ مشقت فکر کے وقت جو پسینہ آئے وہ ایسا ابر نیساں ہو کر نہ برسے جس سے موتی پیدا ہوتے ہوں بلکہ ہر بن مو صدہا عطارد کا مینھ برسا دے اس مقام کا بالاستعاب جو صاحب ذوق سلیم مطالعہ کرے گا اُسے شاعر کی طبع کامل کا ایسا زور دکھائی دے گا کہ بحر مواج بھی اُس کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ بے حقیقت ہے۔

ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشتر — دوختی دامنش بدامنِ حشر

ہر جریدہ کہ ساز کردہ تست — درے از لطف باز کردہ تست

سکۂ معنی از چہار سواد — کردی آراستہ چو سبع شداد

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف　　　تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

رقعہ کا ایہام اور پھر اُس کے دامن کا دامن حشر سے پیوند چار ربع پنج کا سیاق ایک ایسا وجدانی کیف ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

پہلے شعر کا مفہوم شاعر کی کس درجہ قوت متخیلہ کی بلند پروازی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس داستانِ کہنہ کو تو نے اپنی تازہ بیانی سے شہرت دی ہے اُس کے دامن کو دامن حشر سے وابستہ کر دیا اب اُس کا آوازہ قیامت تک آویزہ گوشِ روزگار رہے گا۔

ترتیب خمسہ

دادی اول بہ گنبدِ دوار　　　روشنائی ز مطلع الانوار

کردی آنگاہ با نشاط تمام　　　شہد خسرو و شیریں اندر جام

باز در عالم خرد مندی　　　شورِ مجنون و لیلےٰ افگندی

پس دہاں پر در دری کردی　　　شرح راز سکندری کردی

ایں زماں کز جواہر انجم　　　سے نگاری صحیفہ پنجم

کوش کیں خط چناں نگاری چیست　　　کہ فرود آید از چہار نشست

ان اشعار میں پنج گنج کے چار خزائن جو پہلے گوہر معانی سے معمور ہو چکے تھے اُن کا تذکرہ اُن کے ناموں کے ساتھ ہے چونکہ حضرت نظامی نے سکندر نامہ میں جو آپ کی آخری مثنوی ہے اپنی تصانیف سابقہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے اس لئے امیر خسرو بھی خمسہ کی آخری مثنوی میں اُس کے دیگر ارکان اربعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ نظامی کے اشعار اس موقع پر اگر نقل کر دیئے جائیں تو کچھ نامناسب نہ ہونگے اگرچہ اُس کی

بحر غیر ہی مگر باعتبار مضمون پورا مقابلہ ہی کہ کس نے کس طرح کتابوں کے نام شمار کئے ہیں

سوے مخزن آوردم اول پسیچ | کہ سستی نکردم دریں کار ہیچ
وزو چرب دستی بر انگیختم | بشیرین و خسرو در آمیختم
وزانجا سراپردہ بیروں زدم | در عشق لیلیٰ و مجنوں زدم
چو از عشق مجنوں بپرداختم | سوے ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساطِ سخن گستری | زنم کوسِ اقبالِ اسکندری

ہر شعر کا مولٰنا نظامی کے خسرو کے اشعار سے مقابلہ کر لو۔ خسرو کی برتری اس مقام پر ایسی نمایاں ہی کہ محتاج تشریح و بیان نہیں۔ مولٰنا نظامی کا پانچواں شعر البتہ لطیف ہی باقی اشعار معمولی ہیں خاص کر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ تو بہت ہی سست ہی۔

اب اس عنوان کا صرف ایک مضمون اور لکھنا ہی جس میں مصنف نے کتاب کا نام اور اُس کا موضوع ایک خاص بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہی فرماتے ہیں ؎

گویم افسانہاے طبع فزاے | از لب لعبت فسانہ سراے
ہر فسانہ صراحیِ ز شراب | دو در مستی و بلکہ داروے خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم | جام و کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت و گوہر ہفت | ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم ز کلک مشک سرشت | نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گزر یابد | بے قیامت بہشت در یابد

صنعت سیاق و اشتقاق وغیرہ تو شاعر کا روزمرہ ہی اُس پر طبیعت کا جوش لطف زبان و سلاست بیان کے ساتھ کوثر و سلسبیل کی روانی کا مزہ دیتی ہی۔

آغاز قصہ بذکر بہرام

نظامی	خسرو
گوہر آمائے گنج خانہ راز	گنج پیمائے ایں خزانہ پر
گنج گوہر چنیں گشاید باز	از خزانہ چنیں کشاید دُر
کاسماں را ترازوے دو سرست	کآفتابِ جمال بہرامی
در یکے سنگ و در یکے گہرست	چوں شد از نور در جہاں نامی
گاہ آید چو گوہر از سنگے	پدرش رخت زندگانی بست
گاہ لعلے چو کہربا رنگے	او بجائے پدر بہ تخت نشست
گوہر و سنگ شد بہ نسبت تام	سر موئے کجی زد بر نخاست
نسبت یزدگرد با بہرام	جز سرے کو بشانہ گرد د راست

آغاز قصے کی تمہید دونوں باکمالوں کی ایک ہی طرز سے شروع ہوتی ہے۔ گزشتہ ایام کا واقعہ ہے اس لئے عہد سلف کا مورخ دونوں کے دربار میں بہرام کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ صنائع و بدائع دونوں کاموں میں یکساں۔ پہلا شعر بھی ایک دوسرے کا جواب ہے۔ لیکن امیر خسرو عہد بہرام کے امن وامان سکون و قرار کو عجیب لطف سے بیان فرماتے ہیں ؎

سر موئے کجی زد بر نخاست   جز سرے کو بشانہ گرد د راست

یعنی اُس کے عہد میں زمانہ سے کجی بالکل دُور ہوگئی تھی کسی جگہ بال برابر بھی فتنہ و فساد نہ پایا جاتا ہاں ارباب نعمت کے سر شانہ کشی کے وقت البتہ کج دکھائی دیتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ملک آباد تھا اور اہل ملک ناز و تنعم میں زندگی بسر کرتے تھے۔

تیراندازیِ بہرام

خسرو	نظامی
آہنِ تیر چوں محک کردی	پیش تیرش گرار زنے بودی
خطِ گوراں ز پشت حک کردی	بسنانش چو حلقہ بربودی
ور زِ آہو بُدے نشانۂ او	تیرش از حلق شیر حلقہ ربائے
موئے بشگافتے ز شانۂ او	تیغش از قفل گنج حلقہ کشائے
ور شدی در نشانہ سخت انداز	در نظرگاہ راست اندازی
رخنہ در ناف کوہ کردی باز	بیلکش را بموئے بُد بازی
زانکہ باران تیر محکم بود	
کہ کمانش کمانِ رستم بود	

مولانا نظامی بہرام کی قدر اندازی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اگر دانہ ارزن کو جسے ہندی میں چینا کہتے ہیں وہ اپنے تیر کا نشانہ قرار دیتا تو اُسے حلقہ کی طرح بنا لیتا تھا۔ اور اگر شیر کی طرف تیر ڈالتا تو اُس کے حلق سے اُس حلقہ کو جو قمری و فاختہ کی طرح اُس کا طوقِ گلو ہوتا ہے اُڑا لیتا تھا پھر اس پر مولنا ترقی فرماتے ہیں اور اُس کے کماں کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ اُس کا پیکان تیر بال کو بھی دو حصوں میں چیر دیتا تھا۔ مبالغہ میں اغراق وغلو کا جو لطف ہے اُس پر حلق و حلقہ کا اشتقاق و تجانس اور بھی لطیف ہے۔

امیر خسرو نے جس انداز سے جواب دیا ہے اُس کا لطف بیان سے باہر ہے

پہلا شعر خسرو کا مولنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہی۔ وہاں حلقۂ حلق شیر کو بہرام کا تیر نشانہ بنا کر اُڑاتا تھا اور یہاں گورخروں کی پشت خط کو جو بعینہ حلقۂ حلق شیر کی طرح ایک قدرتی سیاہ سیلی ہوتی ہی اُس کا تیر امتحان کے وقت مٹاتا ہی وہاں راست اندازی کے وقت موشگافی کی جاتی ہے یہاں نشانہ آہو کے بال کو چیرا جاتا ہی۔ غرض یہ کہ دونوں کا بیان لاجواب ہی۔

صفتِ اسپِ بہرام

نظامی	خسرو
اشقرے بادپائے بودش چست	گرچہ بودش چو برق کوہ گزار
بہ تگ آسودہ و بگام درست	صد طویلہ بہ سر طویلہ ہزار
پر برآورد پائے زاندامش	لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ
دست ہر کس شکستہ از گامش	چیرہ تر ز ابلق سپید و سیاہ
رہ نوردے کہ چوں نوشتے راہ	بادپائے کہ چوں بگام شدی
گوئی بردے ز چرخ و مہر و زماہ	تگ زدن بر صبا حرام شدی
اشقرے گو ہم چو زیں کردی	ور بآہنگ تگ بروں جستے
گور بر گردش آفریں کردی	وہم را دست و پائے بربستے

مولنا نظامی نے گھوڑے کی تیزروی و تیزدوی کو نہایت لطف سے بیان کیا ہی فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا ایسا سریع السیر تھا کہ اُس کے پاؤں کو پاؤں نہ کہنا چاہیئے بلکہ وہ پر تھے

کہ اُس کے جسم سے نکلے تھے۔ کسی کا ہاتھ اُس کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا تھا گورِ صحرائی جن کی تیزی ضرب المثل ہے وہ بھی اُس گھوڑے کی گرد پر آفریں خواں تھے۔ اظہارِ سرعت کے لیے جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا تھا انھیں چند اشعار میں ادا کر دیا گیا۔ اُس پر دست و پا کا تقابل چرخ و مہر و ماہ کا تناسب، آسمان و مہر و ماہ کے مقابل لفظ گو کا لانا نظم کا زیور ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی وہی اشقر ہے اور وہی اُس کی تیز روی مگر بندشیں جُدا ترکیبیں نئی خیالات نرالے مضامین انوکھے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ صفت آپ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ ہرگز امتیاز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کتاب کے مقابلہ میں آپ کوئی دوسری کتاب لکھ رہے ہیں یہاں وہ اشقر سریع السیر ابلق لیل و نہار سے زیادہ تیز ہے صبا اُس کے سامنے قدم نہیں اُٹھا سکتی دوڑ کے وقت وہم تک کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہے پر بہونے پر مُرغ تیز کا کام کرتا ہے اس کے علاوہ اشقر و ابلق کا تقابل اور باقی الفاظ کا تناسب قابلِ تعریف ہے۔

زندہ گرفتاریِ گور

نظامی	خسرو
چوں کمندِ شکار بگرفتے	بعد ازاں چوں بروں شدی شکار
گورِ زندہ ہزار بگرفتے	کم رسیدی رمندہ را آزار
نام خود داغ کردہ بر رانش	در کمندش بحکم بر بستے
دادہ سرہنگیِ بیابانش	باز گشتے و شاد بہ نشستے

خسرو	نظامی
گرم بر رانش داغ فرمودے	چوں کہ داغِ ملک براں دیدے
خطِ آزادیش ہماں بودے	گردِ آزار او نگردیدے
چرخ زاں گور گیریِ بہرام	بندۂ راز بند بکشادے
گورخانہ زمانہ کردش نام	بوسہ بر داغ گاہ او دادے
تا دریں کہنہ گورخانہ پست	در چنیں گورخانہ مورے نیست
گورخاں ہم ز داغ گور نہ رست	کہ برو داغ دست زورے نیست

مولنا کا مقصود یہ ہے کہ آخر میں بہرام گورخروں کو زندہ گرفتار کرتا اور اُن کی ران پر اپنے نام کا داغ ڈال کر چھوڑ دیتا۔ دوسرے شکاری جب شاہی مہر اُس پر دیکھتے تو اُس کا ادب کرتے اور کسی طرح کی تکلیف اُسے نہ پہنچاتے۔ آخر شعر میں ایک عبرتناک نتیجہ ظاہر فرمایا ہے کہ عالمِ فنا میں ایک چیونٹی بھی نہ ملے گی کہ وہ کسی زبردست کی داغ دار نہو۔

اب دیکھنا یہ ہی کہ اسی مضمون کو سادگی کے ساتھ مقابلہ کی حالت میں امیرخسرو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں خسرو کے اشعار پڑھو اُسی مضمون کی سادگی وصفائی کے ساتھ ایسی خوبی سے تکرار ہی کہ باہم مقدم و موخر کا فرق غیر ممکن ہے لیکن نتیجہ جو خسرو نے بیان کیا ہی وہ اُس نتیجہ سے زیادہ عبرتناک ہی یعنی اس دُنیا کے پرانے گورخانے میں خود زمانہ کا گورخان بھی داغ گور سے نہ بچا اور آخر کار وہ بھی قبر کا غلام بنا۔

واقعہ نگاری

بہرام نے اپنی معشوقہ دلارام سے پوچھا ہی کہ تو فرمایش کر کہ کس طرح ہرن کو اپنے تیر سے شکار کروں نظامی علیہ الرحمۃ نے دلارام کی یہ خواہش بیان فرمائی ہے کہ ایسا تیر لگایا جائے جو گورخر کے سر کو اُس کے سُم کے ساتھ بخیہ کردے۔ خسرو یہ بیان کرتے ہیں کہ دلارام نے کہا کہ کمال جب ہی کہ تیر آہوئے نر کو مادہ بنائے اور مادہ کو جامۂ نر۔

دونوں کے اشعار یہ ہیں۔

نظامی	خسرو
گورے آمد بگو کہ چوں تازم	بازگو تا ز نم بدانائی
وز سرش تا سمش چہ اندازم	ہر یکے را چنانکہ فرمائی
گفت باید کہ رُخ برافروزی	سیمبرہم برخصتِ شاہی
سرآں گور بر سمش دوزی	گفت ایں خواہش از زمن خواہی
شاہ چوں دید پیچ پیچی او	ناوک زن بر آہوئے سادہ
چارہ گر شد ز بد بسیچی او	کہ بود مادہ نر، نرش مادہ
	شاہ دریافت خوردہ دانی او
	تاخت مرکب بہ ہم عنانی او

دونوں کے اشعار موجود ہیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو دونوں پلّے برابر ہیں۔ اگرچہ فرمایشِ دلارام دونوں کے یہاں غیر غیر ہے مگر صفائی و بے ساختگی میں دونوں کا

کلام مساوی ہے۔ ہاں آخر شعر مولنا نظامی کا اہلِ زبان ہونے کو بتا رہا ہے اور خسرو کا آخر شعر اُن کے زبان داں ہونے کا مقر ہے پیچ پیچ اور بد لیسی خاص اہلِ زبان کا لب ولہجہ ہے خسرو کے یہاں لفظ خوردہ دانی واقع ہوا ہے ارباب مذاق صحیح امتیاز کر سکتے ہیں کہ اہلِ زبان و زباندان ہونے میں اسی طرح کا ایک فرق لطیف پایا جاتا ہے۔

نظامی	خسرو
خواست اوّل کماں گروہہ چو باد	بخدنگے دو شاخ آہوئے نر
مہرۂ در کماں گروہہ نہاد	بردہ زاں گونہ کو نداشت خبر
صید را مہرہ در فگند بگوش	چو بہ بر فرق او بداں ساں اند
آمد از تاب مہرہ مغز بجوش	کہ ازاں نر بمادہ فرق نماند
سم سوئے گوش برد صید زبوں	دو یک انداز را بہم پیوست
تا ز گوش آرد آں غلولہ بروں	پس بر آہو روانہ کرد بشست
تیر شہ برق شد جہاں افروخت	ہر دو در سر چناں نشاندش غرق
گوش و سم را بہ یکدگر بر دوخت	کہ دو شاخش پدید کرد بہ فرق
چوں سر و سم بدوخت شاہ بتیر	زاں دو شہ طاہنر کہ در خور کرد
بسر و سم در آمد اں نخچیر	کرد نر مادہ - مادہ را نر کرد

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اُس کے اجزا و لوازم اس طرح بیان کئے جائیں کہ سامع کی نگاہ میں اُس کی ہو بہو تصویر کھینچ جائے مولنا نظامی نے دلارام کی ایک

انوکھی فرمایش بیان کی تھی بہرام کی قدر اندازی اسی کی مقتضی تھی کہ عجیب سے عجیب تر فرمایش بھی پوری کی جائے۔ انھیں امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مولٰنا بہرام کے کمال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ بہرام نے بجائے تیر وکمان کے پہلے غلیل کو اُٹھا کر ایک غُلہ اُس گورخر کے کان میں پہنچایا جس سے اُس کا مغز جوش مارنے لگا۔ گورخر نے اپنے سم سے کان کھُجلایا بہرام کا برق رفتار تیر فوراً آپہنچا اور گورخر کے سم کو اُس کے سر سے بخیہ کر دیا۔

چند اشعار میں واقعہ کی تصویر کھینچ کر صورت حال کو اس طرح دکھا دینا کہ گویا ہم اُس کو بچشم سر دیکھ رہے ہیں مولٰنا کا حصہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی برابر کا جواب ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں گور کو شکار بنایا ہے اور یہاں ہرن کو نشانہ ٹھیرایا ہے۔ بہرام نے ایک خدنگ سے آہوئے نر کے دونوں شاخوں کو سر سے ایسا اُڑایا کہ اُس کو خبر بھی نہوئی۔ اور دوبارہ اپنے تیر دو شاخہ کو دوسری آہوئے مادہ کے سر پر ایسا جمایا کہ گویا وہ اُسی کی دو شاخیں ہیں اس طرح چشم زدن میں آہوئے مادہ نر اور نر مادہ کر کے دکھا دیا۔

تشبیہ و استعارہ مبالغہ و اغراق جو عروس سخن کے زیور ہیں ان کی چند مثالیں گزر چکیں انھیں نمونوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کو نظامی جیسے ملک الکلام کے ساتھ ان انواع میں پہلو بہ پہلو رہنے کا پورا استحقاق ہے۔ اور یہ محض بُہتان ہے کہ خسرو صنائع لفظی کے ایسے دل دادہ ہیں کہ اس کے التزام سے لطف معنی خاک میں مل جاتا ہے۔

واقعہ نگاری جسے مثنوی کی جان کہا جا سکتا ہے اُس میں خسرو کا پلہ نظامی سے ہرگز کم نہیں۔ اب ایک موقع مرقعہ نگاری کا دکھایا جاتا ہے جس میں ایک شاہد ناز کا سراپا کھینچا گیا ہے۔

مولنا نظامی کا یہ کمال خصوصیت کے ساتھ ہر مقام پر نمایاں و بے مثل تسلیم کیا گیا ہے آپ کا خامۂ فکر ایسی تصویر بت طناز کی کھینچتا ہے جس کے مقابل مانی و بہزاد کے اصنام بھی سربسجود ہو جاتے ہیں۔

نظامی	خسرو
داشت با خود کنیزکے چوں ماہ	خاصہ ترزاں ہمہ کنیزے بود
چست و چابک بہم رکابی شاہ	آفتابے بزیر چرخ کبود
فتنہ نامی ہزار فتنہ درو	اصلش از چین و رخ چو صورت چیں
فتنۂ شاہ و شاہ فتنہ برو	گیسوش چوں سواد چیں مشکیں
تازہ روے چو نوبہار بہشت	قامتے در خوشی چو عمر دراز
خوش خرامے چو باد بر سر کشت	ہوس انگیز تر ز عشق مجاز
انگبینی بروغن آلودہ	
چرب و شیریں چو صحن پالودہ	

مولنا نظامی نے اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے بالخصوص دوسرے شعر میں فتنہ کا انقلاب لاجواب ہے اُس کے شیریں لب شکر گفتار ہونے کے لئے جو تشبیہیں لائی گئیں سب کی سب حلاوت بخش ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار پڑھو وہی کیفیت یہاں بھی ہے لیکن ادائیں نرالی - غمزے نئے۔ کرشمے جدید۔ مولنا نے اُس کے رخِ دلفروز کو ماہ کہا ہے۔ خسرو نے "آفتابے بزیرِ چرخ کبود" فرما کر سرکارِ حسن کے عجیب و غریب کرشموں کا خاکہ کھینچ دیا۔ پھر تیسرے شعر میں قامت کی ایک نئے انداز سے تعریف کرتے ہوئے "ہوس انگیز ترز عشق مجاز" صرف اسی ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر لکھ دیا۔ انصاف شرط ہے ایک مصرعہ میں اس جامعیت کے ساتھ جس کے قلم نے سراپا کشی کی ہو اُس کے خسرو اقلیمِ سخن ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک اور موقع

	نظامی	خسرو	
قد و رخ	خرمنِ گل ولے بقامتِ سرو	روئے گل رنگ داد گل را رنگ	رخ و دہن
	شستہ روئے ولے بخونِ تدرو	دہنش تنگ با شکر ہم تنگ	
غمزہ	خوبیِ غمزہ اش سحر گہ خویش	نرگسش دُور باش غمزہ خدنگ	چشم و لب
	بستہ خوابِ ہزار عاشق پیش	لعل در آشتی و عشوہ بجنگ	
لب	لبِ لعلش چو برگ تر باشد	خال او گو ہزار پردہ درید	خال
	برگ آں گل پر از شکر باشد	عالمے را بگنجدے نخزید	
چشم	چشم چوں نرگسی کہ خفتہ بود	گیسوئے پیچ پیچ از سر ناز	گیسو
	فتنہ در خواب او نہفتہ بود	داد در دستِ فتنہ رشتہ دراز	

خسرو	نظامی
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن	عکس روشن بزیر زلف بتاب
ہم چو رشتہ درون دُرِ عدن	چوں حواصل بزیر پر عقاب
بر چو نارنج نو بشاخِ درخت	خالش از زلف عنبر افشاں تر
سخت رستہ ز صحبتِ دلِ سخت	چشمش از خال نامسلماں تر

مولنا نظامی کے پہلے شعر میں استعارہ کی لطافت اور حسنِ تکرار کا لطف قابل دید ہے قامت و عارض کی تعریف چونکہ ایک ہی شعر میں کی گئی ہے اس لئے دوسرا شعر جہاں چہرہ کی تازگی و سُرخی کو ظاہر کرتا ہے وہاں خوش رفتاری سے بھی مشعر ہے عموماً شعرا کے کلام میں شراب سے مُنہ دھونا چہرہ کو زیادہ گل گوں کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن نظامی نے اُس گلِ رخسار کے رنگیں چہرے کو شراب سے نہیں دھویا ہے بلکہ خونِ تدرو سے دھوتے ہیں جس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ تدرو جس کی خوش رفتاری ضرب المثل ہے اُس کے خرام ناز نے اُس کا خون کر دیا تھا۔ اسی طرح تیسرے شعر میں لبِ لعل کو برگِ گلِ تر لکھکر پر شکر کہنا موصوف واحد کے لئے صفات متعددہ ثابت کرنے کی ایک عمدہ مثال ہے۔

پانچویں شعر میں عکس رخسار اور گیسوئے تاب دار کے لئے جو تشبیہ مولنا نے بیان کی ہے غالباً اس کے موجد خود مولنا ہیں کسی دوسرے اہلِ زبان کے کلام میں یہ نادر تشبیہ دیکھی نہیں گئی۔

زلف عنبر بو جو اُس کے گلابی چہرے پر بار بار جھوم جھوم کر آجاتی ہے اُس نظارے کو یوں تشبیہ سے سمجھاتے ہیں "چوں حواصل بزیر پرِ عقاب" حواصل ایک بحری پرند ہے سفید و چمکدار عقاب سیاہ شکاری پرند ہے۔ اب مصرعہ پڑھیے اور اقلیم سخن پر مولنا کی پر جلال آزادانہ سلطنت کی ہزاروں داد دیجئے۔

اب خسرو کے اشعار پڑھو دوسرا شعر ان کی جدّت پسند طبیعت اور قادر الکلامی کا پورا ثبوت دے رہا ہے ایک ہی شعر میں مضامین گوناگوں بیان کرنا خصوصیات خسرو ہے۔ چشم مخمور و نیم باز کو دور باش قرار دیتے ہوئے غمزہ کو دل و جگر کے شکار میں مصروف رکھنا لب لعلین کو صلح جو و آشتی پسند کہتے ہوئے عشوۂ فتنہ انگیز کا جنگ و جدال سے باز نہ آنا کس خوش اسلوب و جدت طرازی سے بیان ہوا ہے خال و گیسو کے اشعار پڑھو چار مصرعوں میں کس قدر محاورات جمع کردیے گئے ہیں اس پر خال و گنجد گیسو پیچ پیچ اور رفتنہ و رشتہ کی درازی میں تناسب لفظی و معنوی کس قدر قابل تعریف ہے۔ اگر ناظرین غور کریں گے تو خسرو کے اکثر اشعار میں تشبیہیں نہ صرف لطیف و نادر انھیں ملیں گے بلکہ اکثر کو جدت و ایجاد خسروی کا نمونہ پائیں گے خاص کر پچھلا شعر۔ اُس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ تھوڑی ہے۔ غرض سراپا لکھنے میں بھی خسرو اپنے مقابل سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

موضوع کتاب اور اُس کے اجزا

ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ہفت گنبد بہرام کی ہفت اقلیم کی شاہزادیوں سے زیب و زینت

ہے ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُس رنگ کی مناسبت سے بہرام و شاہزادی کا لباس
بھی رنگین ہوتا ہے۔ بہرام شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ بادشاہ کو
دعا دیتے ہوئے ایک قصہ کہتی ہے ختم داستان پر بہرام ہم آغوش ہو کر داد عیش دیتا ہے
اس طرح ہر قصے میں پانچ چیزیں ہوتی ہیں ایک تو بہرام کا داخلہ دوسرے
شاہزادی کی دعا تیسرے شاہزادی کی زبان سے داستان چوتھے رنگ کی
بوقلمونی۔ پانچویں استراحت بہرام۔

داستانیں دونوں کتابوں میں بالکل مختلف ہیں اس لئے ان میں مقابلہ نہیں
ہو سکتا پھر یہ بھی ہے کہ واقعہ نگاری و داستان نویسی میں خسرو کی برتری ایسی نمایاں
ہے جو مقابلہ سے بے نیاز ہے باوجود اختصار و ایجاز کے ہر داستان کے اجزا و لوازم
اس استیعاب سے خسرو نے بیان کئے ہیں کہ اس کمال کی داد نہیں دی جا سکتی۔ اب
مقابلہ میں صرف داستان کے بقیہ چار ارکان سے بعض نمونے مقابلتہً پیش کئے جاتے ہیں

رنگ سیاہ گنبد اوّل

نظامی	خسرو
در سیاہی شکوہ دارد ماہ	رنگ مشکیں شعار عباسی ست
چتر سلطاں ازاں کنند سیاہ	زیور آرائے چرخ شماسی ست
ہیچ رنگے بہ از سیاہی نیست	ظلمتِ شب کہ مشک فام بود
راست ماہی چو پشت ماہی نیست	بہر آرایشِ تمام بود

خسرو	نظامی
خون تر در میان نافہ خشک	از جوانی بود سیہ موئی
تا نگرد دسیہ نباشد مشک	وز سیاہی بود جواں روئی
خط و خالے کہ دلستاں دارد	بسیاہی جہاں بصر بیند
مشک رنگ ست زیب ازاں دارد	ہر کسے بر سیاہ بہ نشیند
	گر نہ سیفور شب سیاہ شدی
	کی سزاوار مہر و ماہ شدی
	ہفت رنگے ست زیر ہفت اورنگ
	نیست بالاتر از سیاہی رنگ

فضیلت سیاہی پر جو دلائل قائم کیے ہیں اگرچہ واقعی ہیں مگر طرز بیان زیادہ چست نہیں لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کے دلائل زیادہ دلپذیر اور طرز بیان بہت ہی چست ہے۔

گنبد چہارم رنگ سرخ

خسرو	نظامی
رنگ گلنار دل کشائے بود	سرخی آرایشِ نو آئین ست
چوں مے لال جاں فزائے بود	گوہرِ سرخ را بہا این ست
زیب باغ ست رنگ گلناری	چونکہ آمیزشِ رواں دارد
چوں شفق بر سپہر زنگاری	سرخ زاں شد کہ لطف جاں دارد

نظامی	خسرو
زر که گو گرد سرخ شد لقبش	ہر کہ شد بخت و دولتی یارش
سرخی آمد نکو ترین سببش	رخ بسرخی بود چو گلنارش
	ہست گلنار ہمچو نار کلیم
	گل نار ست باغ ابراہیم

اس مقام پر بھی مولنا کے دلائل و طرز بیان سابق کی طرح سادہ اور جدت و چستی سے خالی ہیں برخلاف اس کے خسرو کے دلائل میں جدت اور طریقہ نہایت ہی چست و معنی خیز ہی اس پر صنعت تقابل و تناسب لفظی و معنوی نے اور بھی بیان کو رنگین بنا دیا ہی صنائع لفظی کا ایسی صنعت سے لانا جس سے معنی میں رنگینی و لطافت پیدا ہو جاے خسرو کا حصہ ہی۔

گنبد ہفتم رنگ کافوری

نظامی	خسرو
ہر چہ ز آلودگی شود نا مید	جامہ کافور گوں بہ ست بساز
پاکیش را لقب کنند سپید	کہ بخیر الثیاب یافت طراز
در پرستش بوقت کوشیدن	پاک رنگ ست رنگ کافوری
سنت آمد سپید پوشیدن	تا مہارا بیاض مغفوری
	چوں شود مشک آدمی کافور
	موے او را خدا ے خواند نور

خسرو

روز روشن کہ سر بسر نور است
ہمہ نورش برنگ کافور است

اس جگہ بھی سابق کی طرح خسرو کے دلائل میں قوت و فضلیت موجود ہے۔ سات رنگ میں سے تین کا مقابلہ کر کے کمال خسرو کا نمونہ دکھا دیا گیا۔ ایک اول اور دوسرا وسط اور تیسرا خاتمہ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ان مقامات کا بیان نہایت صاف وسلیس ہے اس لئے وجوہ افضلیت کا تفصیلی اظہار غیر ضروری سمجھکر ترک کر دیا گیا۔

خواب بہرام با معشوقانِ طنّاز

اس موقع کو کہ شاہزادی جب قصہ ختم کرتی ہے تو بہرام اس سے ہم آغوش ہو کر سو رہتا ہے دونوں حضرات نے بیان کیا ہے۔ لیکن نظامی کے یہاں عموماً بہرام کا خواب ایک معمولی خواب ہے لیکن خسرو علیہ الرحمتہ جب بہرام کو سُلاتے ہیں تو عاشق و معشوق کے سونے کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ دو تین نمونے اس کیف کے بھی مقابلتہً لکھے جاتے ہیں۔

داستان اوّل خواب با ملکہ ہندی

نظامی	خسرو
چونکہ بانوئے ہند با بہرام	شاہ کز نازنین مشکیں موے
باز پرداخت ایں فسانہ تمام	ایں فسانہ شنید روے بروے

خسرو	نظامی
خفت درخواب گاہ حور العیں	شہ بران گفتہ آفرینش گفت
گل در آغوش مشک بر بالیں	در کنارش گرفت شاہ و بخفت

خسرو کے اشعار میں جو لطف و کیف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ موئے و روئے ۔عین و آغوش و بالیں کے تناسب کے علاوہ اُس محبوبہ ہندی کو مشکیں موے سے موصوف کرنا اور حالت خواب کو مشک بر بالیں قرار دینا ایک خاص صنعت طرازی ہے۔

داستان دوم ملکہ گنبد زعفرانی

خسرو	نظامی
شاہ را چوں نگار شکر خاے	شہ چو ایں داستاں شنید تمام
زعفراں وار شد نشاط افزاے	در کنارش گرفت و خفت بکام
در برآورد شاہ زرد قباش	
زعفراں سای گشت بر حلواش	

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس مقام پر بلیغ و دقیق استعارہ کے ساتھ جس طرح مضمون بیان کیا ہے اس کا صحیح اندازہ کافی مذاق سخن چاہتا ہے۔

خواب بہرام با ملکہ گنبد سُرخ

خسرو	نظامی
ماہ گلنار چہرہ چوں بہ تمام	روے بہرام ازاں گل افشانی
گفت افسانہ خفت با بہرام	سُرخ شد چوں گلاب ریحانی

نظامی

دست بر سرخ گل کشید دراز
درکنارش گرفت و خفت بناز

یہاں خسرو نے سادگی واختصار سے کام لیا ہے اور مولنا کے اشعار میں رنگ آمیزی ہے لیکن پھر بھی دو نمونے رنگینی کے جو پہلے اشعار خسروی میں دکھائے گئے ہیں ان کے مقابل میں یہ سرخی پھیکی ہے۔ بہرحال من حیث المجموع خسرو کا پلہ اس مضمون میں بھی راجح ہے۔

داخلۂ بہرام بہ گنبد

شام ہوتی ہے اور بہرام معشوقۂ دلنواز کے گنبد میں داخل ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولنا نظامی کا یہ بیان گنبد سرخ میں نہایت ہی بلیغ ہے۔ اس لئے صرف مقابلہ میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نظامی	خسرو
شب چو منجوق بر کشید بلند	شب چو پرویں نمائے گشت سپہر
طاق خورشید در کشید بلند	ماہ بر خویش بست زیور مہر
شاہ زاں سرخ سیب شہد آمیز	داد فرماں خدائیگان سریر
خواست افسانۂ نشاط انگیز	کاید آں ماہروے در تقریر
	بہ فسون و فسانۂ چو نبات
	مغز شہ تر کند بآب حیات

مولانا کے ہاں لفظ منجوق کا ایہام ایسا دقیق اور لطف انگیز ہی اور اُس کو یہاں ایسے مخفی استعارہ کے پہلو سے بیان کیا گیا ہی کہ اُس کا مذاق اہل زبان سے دریافت کیا جا سکتا ہی۔

پھر لفظ در کشید و بر کشید میں ایسی فصاحت موجود ہے جو سہل ممتنع کی ایک بے مثل مثال ہی۔ مقصود یہ ہے کہ سورج غروب ہوا۔ اور آسمان پر چاند نکلا۔ اس کے لئے جو اہتمام کیا گیا اور جس آمد و بے تکلفی سے ادا کر دیا وہ مولانا کے کمال کا نمونہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا بھی وہی مقصد یعنیہ ہی سورج چھپ گیا رات ہوئی اور چاند نکلا لیکن انصاف طلب یہ امر ہی کہ مقابلہ میں منہ کھولنا اور وہ بھی مولانا جیسے اہل زبان کے سامنے اور پھر بازی میں پیچھے نہ رہنا سوائے خسرو کے اور کس کو نصیب ہوا۔

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ اول مصرعہ کے ساتھ ہمکناری کا جو لطف ظاہر کر رہا ہی اُس کے علاوہ ایسے خاص لطیف استعارہ کا حامل ہے کہ اُس کی داد مولانا نظامی ہی دے سکتے ہیں۔

خسرو کا ہر ایک شعر مقابل کا جواب الجواب بلکہ لاجواب واقع ہوا ہے۔ لیکن نگاہ منصفانہ شرط ہی۔

ایک اور موقع

اگرچہ ایک مثال بھی اپنے مقام پر کافی ہوتی ہے لیکن بعض اہلِ خیال کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مثال بھی پیش کر دی جائے۔

خسرو	نظامی
چوں شب تیرہ گشت گوہر سنج	چوں پری سبزۂ زمرد وار
در زمیں در شد آفتاب چو گنج	باغ انجم فشاند برگ بہار
شاہ مست و حریف ہم سرمست	زاں خردمند سرو سبز او رنگ
رفتہ بیروں عنانِ ہر دو ز دست	خواہست تا پُر شکر فشاند تنگ
گفت فرمان دہ سر بلند	
کہ شکر لب زلیستہ ریز د قند	

مولنا نظامی کے یہاں اوّل شعر میں شب کا ہونا اور دوسرے شعر میں اُس نازک اندام محبوبہ سے قصّہ کی فرمایش جس آب و تاب سے بیان ہوئی ہے وہ تمام الفاظ کے تناسب و تقابل سے ظاہر ہے خاص کر بہرام کو سروِ سبز اورنگ کے ساتھ استعارہ کرتے ہوئے اُس کی زبان سے یہ کہنا "خواست تا پُر شکر فشاند تنگ" کس قدر با حلاوت و شیریں تقریر ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار میں اگرچہ گنبد سبز کے تلازم کو نظر انداز کر دیا گیا ہی مگر ایک ہندی شاعر ایک ایرانی کے مقابل کہتا ہی کہ (در زمیں در شد آفتاب چو گنج) اور قند مکرر کی شکر ریزی یوں کرتا ہے (کہ شکر لب زلیستہ ریز د قند) واقعہ ہے کہ اگر ارباب سماع پر کیف ہوں تو یقیناً یہ سمجھیں گے کہ یہ طوطی ہند نہیں ہے بلکہ بلبل شیراز چہک رہا ہی۔

خسرو کے اسی زور قلم کا نتیجہ ہے جو اہل زبانوں نے بھی ان کے سامنے سرِ تسلیم

خم کر دیا ورنہ اہلِ زبان کب کسی زبان داں کو خاطر میں لاتے ہیں۔

اشعار دعائیہ

ہر شاہزدی نے جو آغاز داستان سے پہلے بہرام کو دعائیں دی ہیں ایک دو نمونے اُس کے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ملکہ گنبد ریحانی

نظامی

پری آنگہ کہ بردہ بود نماز
بر سلیماں کشادہ پردۂ راز
گفت کاے جان من بجان تو شاد
ہمہ جانہا فدائے جان تو باد
خانۂ دولت ست خرگاہت
تاج و تخت آسمان درگاہت
تاج را سر بلندی از سر تست
تخت را بادشاہی از در تست
گوہرت عقد مملکت را تاج
ہمہ عالم بدرگہت محتاج

خسرو

لعبت سیم با ہزار نشاط
سود رخ را بہ پائگاہ بساط
گفت شاہا جہاں بکام تو باد
در جہاں ہرچہ ہست رام تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں
دوزخی باد ہمچو بے دیناں

مولنا کے اشعار میں نماز بردن خاص اہلِ زبان کا محاورہ ہے جو اُن کی ہی زبان سے

بھلا معلوم ہوتا ہے معنی اس کے اطاعت کرنے کے ہیں۔ پری و سلیمان کا تقابل و تناسب بھی اک خاص لطف پیدا کرتا ہے باقی مضمون دعا معمولی ہے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

اشعار خسروی کی بندش صاف اور چست ہے مگر دعا کا مضمون یہاں بھی معمولی و سادہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں جو محاورہ آداب بجالانے کے معنی میں ذکر کیا ہے وہ مولنا نظامی کے پہلے شعر کے اُس محاورہ کا جواب ہے جو اہل زبان کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اور مثال

نظامی	خسرو
چوں ز فرماں شہ گزیر نبود	نازنیں بر زمیں نہاد جبیں
عذر با نا ردلپذیر نبود	گفت کاے شہریار روے زمیں
گفت رومی عروس چینی راز	بخت ہموارہ ہم عنان تو باد
کاے خداوند روم و چین طراز	سر بد خواہ بر سنان تو باد
تا شدی زندہ دار جان ملوک	ہر مرادی کہ بشمری زانگشت
عز نصرت خدائگان ملوک	یک بیک جملہ بادت اندر مشت
ہر کہ جز بندگیت راے کند	شرم دارم کہ پیش در ز دری
سر خود را نثار پاے کند	کہربا راکشم بجلوہ گری

مولانا کے پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ عذرہا نار دلپذیر بود " آپ کی فصیح البیانی کا
خاص نمونہ ہے طراز ترکستان کے شہروں میں ایک حُسن خیز شہر ہے جس کا ذکر اس جگہ
ایک لطف پیدا کر رہا ہے ۔ دُعا کا پہلو جو اختیار کیا گیا ہے اُس کی بلاغت
بھی قابل تحسین ہے بظاہر کوئی فعل دعا پر دلالت نہیں کرتا ہے اور حقیقت میں سب دعا ہے۔
امیر خسرو کا تیسرا شعر ہزاروں اشعار دعائیہ کا جواب ہے تمامی مرادات کے
حصول کے مضمون کو شاعر قادر الکلام نے جس خوبی سے بیان کیا ہے اُس سے
ظاہر ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو جس صنعت و خوبی کے ساتھ بیان کرنا چاہے بے تکلف
اُسے ادا کر سکتا ہے۔
پھر آخر شعر میں دُر دُری کا باہمی صنعت تجنیس و اشتقاق کی جلوہ گری اُس پر
کہربا کے ساتھ تقابل قابل دید ہے دری بضم دال مہملہ بمعنی ستارہ روشن کے ہے
اضافت تشبیہی کے نسبت سے در بالضم کا مضاف الیہ بنانا کیسی پاکیزہ ترکیب اور
زبان دری کی کیسی چست بندش ہے۔
ساتوں قصوں میں مضامین مشترکہ کا مقابلہ ضرورت سے زیادہ کرکے دکھا
دیا گیا جس سے ثابت ہے کہ مولانا نظامی کو تقدم زمانی کا شرف خسرو علیہ الرحمۃ پر
حاصل ہے۔ ورنہ خسرو کی مثنوی کسی طرح اپنا پایہ کم نہیں رکھتی ہے کہیں نظامی کو ترجیح ہے
اور کہیں خسرو کو ہاں کہیں کہیں بعض محاورات اہل زبان کی خصوصیت البتہ ظاہر کرتے ہیں
مثنوی کا خاتمہ دونوں حضرات کے یہاں بہرام کی موت نے کر دیا ہے۔ گورخر کے

تعاقب میں بہرام کوئیں میں گر کر موت کا خود ہی شکار ہو جاتا ہے مولنا نظامی اپنی کتاب بادشاہ کے دُعائیہ اشعار پر ختم فرماتے ہیں۔

نظامی

دولتی باش ہر کجا باشی | در رکابت فلک بفراشی
دولتت را کہ از زیادت باد | خاتم کار با سعادت باد
ایں دعا را ز قدسیاں آمیں | میرسد ہر زمان بعلییں

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی جہاں ختم ہوئی ہے وہاں ناصحانہ اشعار لکھتے ہوئے اپنے شیخ طریقت کی طرف عجب اخلاص و ارادت سے ملتفت ہوئے ہیں۔

خسرو

خسروا پائے نیک مرداں گیر | با مسیحا نشین و پیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست | از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از خاک بر سپہر خرام | خاک شو زیر پائے شیخ نظام

اس کے بعد خسرو نے اپنی کتاب کا تمام ہونا سنہ تصنیف تعداد اشعار وغیرہ بیان کئے ہیں آخر میں اپنے استاد علامہ شہاب کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مولنا شہاب علاء الدین خلجی کے عہد میں ایسے جامع معقول و منقول فاضل جلیل الشان تھے کہ اکثر فضلا نے آپ کے تلمذ سے شرف حاصل کیا تھا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ اپنی تصنیف جس طرح کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے

سامنے فاتحہ کی غرض سے پیش فرماتے، اُستاد علامہ کے ہاتھوں سے بھی اُسے مشرف کرتے تھے۔ یہ خصوصیت کچھ خمسہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اعجاز خسروی کے متعلق بھی ایسے ہی کلمات خسرو علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمائے ہیں کہ شہاب نے تمام اغلاط کے جنون کو اپنے قلم اصلاح سے بند کر دیا ہے اب کوئی اس میں کسی طرح کی غلطی نہ پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کی تصانیف عجیب گوناگوں فوائد و برکات سے مالا مال ہیں اُنھوں نے اشعار کے ضمن میں بہت سے اہم اخلاقی مسائل کی تعلیم فرما دی ہے کہیں والدہ ماجدہ سے جو ملے ہیں اُسے نظم کیا ہے تاکہ لوگ شفقتِ مادری کو جانیں اور ماں کا حق اپنی سعادت سے ادا کریں کہیں بھائی کا مرثیہ لکھکر اخوت کے حقوق بتائے ہیں کہیں اُستاد کی تعلیم کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اُستاد کے فضل و کمال کا ایک بلیغ خطبہ پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ؎

نور دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کار من ہم افگندہ
من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راند خامۂ خویش
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار — شستہ چوں دوستانِ آئینہ وار
ہرچہ او گفت می نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربتِ نوش
وانچہ بنمود من نجستم پے — عیب آں بر من ست نے بر وے
انچہ او دید بس نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

یارب او چوں بہ پنج نامۂ من | بر و بیروں خطائے نامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد | در قیامت خط امانش باد

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام کا مقابلہ امام مثنوی گویان مولٰنا نظامی کے ساتھ جب دکھا دیا گیا تو اب کسی اور کے کلام سے مقابلہ کرنا ایک عبث فعل ہوگا۔

اس لئے کہ خسرو کے بعد اگر کسی نے مثنوی کا حق ادا کیا ہے تو وہ صرف جامی علیہ الرحمہ ہیں لیکن انھوں نے اس داستان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اس بحر میں آپ کی مثنوی سلسلۃ الذہب ہے لیکن وہ خالص صوفیانہ رنگ میں ہے۔ حمد و نعت بھی اس مثنوی میں مولٰنا نے گہرے صوفیانہ رنگ میں لکھی ہے۔ بعضوں نے ہموزن کو ہم رنگ سمجھ لیا اس لئے وہ لکھ گئے کہ سلسلۃ الذہب ہفت پیکر و حدیقہ کے ہم رنگ ہے۔ خیر اس طرح کی غلطی مقلدین سے نقل کرنے میں ہو ہی جاتی ہے۔

یہاں یہ مقصود ہے کہ خسرو کے کلام کا مقابلہ ان کے مابعد کے شعرا سے کرنا ایک فضول امر ہے بدیں وجہ ہاتفی کی ہفت اورنگ سے مقابلہ نہیں کیا گیا لیکن بہ نظر مقابلہ خواجو کرمانی اور ہاتفی دونوں کی مثنویاں مطالعہ کی گئی تھیں اس لئے محض چند اشعار دونوں کے حمد و نعت سے نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کرام اسی سے ایک سرسری اندازہ کرسکیں گے۔

ہفت منظر ہاتفی

حمد

سایۂ آفتاب نہ خورشید | آفتاب تو سایۂ جاوید

مسجد و دیر را تو کردی ساز | در ایمان و کفر کردی باز
دیری و مسجدی ترا جویند | گرچه هر یک در دگر کوبند
جمله موجود را توئی معبود | هستی و بوده و خواهی بود
پشه را دهی ز مطبخ جود | طعمه از مغز کله نمرود
از پئے دیدن سیاه و سفید | نے چراغت بکار و نے خورشید
دیدنِ تو چو دیدنِ ما نیست | وان شنیدن شنیدنِ ما نیست
تاج شاهان و خسروانی کوس | هست بر درگهت چو تاج خروس

مناجات

روز محشر که سر زنم از خاک | سینه صد پاره و گریبان چاک
پشت آیم ز جرم فرسوده | پائے تا سر گناه آلوده
نکنی کردهٔ مرا منظور | رحمتِ خویش آوری بظهور
دانم این را که جمله بد کردم | بد من سرنوشت خود کردم
در ازل هرچه کرده ام تقصیر | بنو دغیه گردش تدبیر
رحمت از ما تفی دریغ مدار | ز فنایش بزیر تیغ مدار
نیز طعبش کنی ز رحمت غنی | در ثنائے محمدِ مدنی

نعت و معراج

اے بلند از تو پایهٔ معراج | انبیا را سر اولیا را تاج

قرشی تخت و ہاشمی افسر — ابطحی رائے و یثربی مہتر

شہ بطحا محمد عربی — پے شرار تو شرار بولہبی

مہ مشرق طلوع عالمگیر — نور گیر از تو آفتاب منیر

نہ نشستت کسے بہ بالا دست — زیر دست تو بود ہر کہ نشست

خضر آب روان ز جوئے تو یافت — سوے آن چشمہ رہ بسوے تو یافت

رفعت عیسی اگر بچرخ کبود — بودی از وے ہزار پایہ فزود

اے خوش آن شب کزان ہلال صبا — سوے اقصا نہاد رخشت پاے

مرد طور تجلی ذاتی — بسر ماہ رخ تو مرآتی

آن شنیدی ہزار گونہ کلام — نہ زبان بود در میان نہ کام

سخنانش نداشت پیش نپسے — ہمہ بودند جمع ہم نفسے

خواہش دل ز حد برونت داد — آنچہ می خواستی فزونت داد

شد یقینت کہ خانہ بے غیرست — مژدہ دادت کہ عاقبت خیرست

سفرت بود طرفۃ العینی — آن شد آمد نداشت مابینی

کس و بیکس گناہگارے چند — بامید شفاعت خرسند

گر شفاعت گری بجا آری — نیست اندیشہ از گنہگاری

خواجو کرمانی

حمد

بسم من لا الہ الا ہو — صنع لفظی و زین معناہ

قادرے کو منزہ است از عیب — صانعے کو مقدس ست از ریب

رزمہ پرداز کارگاہ وجود — نقش بند نگارخانۂ جود

آنکہ ہم اول ست و ہم آخر — وانکہ ہم باطن ست و ہم ظاہر

روح در کیش اوست قربانی — کفر در دین او مسلمانی

عقل قاصر ز کنہ آلایش — وہم عاجز ز حصر نعمایش

خلعت جاں بہ انس و جاں دادہ — و آب حیواں بخضر جاں دادہ

حسن ذاتش نگر بحسن صفات — در صفاتش ببیں تجلی ذات

آنکہ روزی بمور و مار دہد — روشنائی بہ نور و نار دہد

برقع از صورت سخن بکشاد — شمع معنی بدست خواجہ داد

اے ز دل کردہ شمع منظر گل — نے ز گل کردہ برج اختر دل

بدر رالالہ کہ ہست قاصد شام — در رہت بندہ منیر ست نام

مہدی مہد خاک یعنی روح — یافتہ از تو زندگانی روح

اے ز عشق تو عقل شیدائی — ہمہ پنہانیت ز پیدائی

ابتدائے ترا نہایت نیست — وانتہائے ترا بدایت نیست

من دل مردہ را حیاتی بخش — وز غم نیستی نجاتی بخش

بے نوایم مرا نوائے ساز — دردمندم مرا دوائے ساز

شربت از مشرب یقینم دہ — میوہ از بوستان دینم دہ

در توحید بر دلم بگشای — ره ایوان وحدتم بنمای

خانهٔ غفلتم ز بر برکش — دامن عصمتم بسر درکش

عالم هستیم بباد مده — خرمن هستیم بباد مده

مرغ طبع مرا بگلشن راز — بلبل پرده ساز معنی ساز

ظلمت ظلم از روان بزدای — وآب حیوانم از زبان بگشای

ملک معنی مسخرم گردان — حکم و حکمت میسرم گردان

دل نوآموز شمع دل افروز — چشم تجریدش از جهان بردوز

نعت

ای رخ ماه مطلع لولاک — وی بقد سرو گلشن افلاک

سید انبیا پناه رسل — مقصد کن فکان امام رسل

نبی هاشمی رسول خدای — مرغ دستان سرای هر دو سرای

حجت حق خلاصهٔ کونین — رحمت خلق و هادی ثقلین

شمع بطحی چراغ بیت حرم — صدر و بدر جهان جهان کرم

راه بنمای الذی اسری — مجلس آرای قصر ما اوحی

مروه را زینت و صفا از تست — رونق ملک اصطفا از تست

تو کمان دار قاب قوسینی — عرش را زیب و فرش را زینی

بو البشر خوشه چین خرمن تو — روضه خرم به بوی مسکن تو

شرفۂ بام کبریائت مهر — کاسه ریزۂ مطبخ تو سپهر

تو مه و مطلع تو اوج فلک — تو شه و لشکر تو فوج ملک

خادم خوان دعوت تو خلیل — مرغ باغ نبوتت جبریل

کشتۂ تیغ غمزۂ تو ذبیح — وز دمت روح پرورده مسیح

آستان تو سجده گاه فلک — وآستین تو بوسه جای ملک

سدره را منتها تو دیدن و بس — گل باغ دنا تو چیدن و بس

گر یتیمی به غم که از تعظیم — پیش باشد بهای در یتیم

دمبدم چشم ما که رفت برود — می فرستد به روضۂ تو درود

رفتم از دست عذر من بپذیر — مهربان ورز خاک و دستم گیر

در حریم شفاعتم بنشان — وآستین بر ابنا عقوبتم مفشان

کار خواجو چنین خراب مهل — زورقش در میان آب مهل

بگشایش در سرای امید — بر سرانش جهان سحاب سپید

خواجو کرمانی کی یہ مثنوی اخلاقی و صوفیانہ ہے چھوٹے چھوٹے اخلاقی فسانے پند و موعظت کے اس میں لکھے ہیں۔

حمد و نعت میں جو اشعار کہ تذکرۂ مضمون واقع ہوئے ہیں اگر خسرو سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ مثنوی نگار خسرو سے بمراحل دور ہیں

تائید تنقید از بہارستان جامی

بہارستان جامی میں سخن سنج جام نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کی قادر الکلامی کی جو داد دی ہے وہ فقیر کے دعوی پر ایک روشن برہان ہے۔ فرماتے ہیں۔

"امیر خسرو علیہ الرحمہ در شعر متفنن است قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ و ہمہ بکمال رسانید۔ تتبع خاقانی می کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نہ رسیدہ اما غزل از وے گذرانیدہ و غزل ہائے بواسطہ معنی آشنا کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و وجد آں خود را در می یابند مقبول ہمہ کس افتادہ است خمسہ نظامی بہ از وے کسے در جواب نگفتہ و ورائے آں مثنویہا دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع"

اب بعد اس کے کہ ایسی زبردست شہادتیں کمال خسروی کے متعلق پیش کی جا چکیں اصناف سخن کا بھی ایک نمونہ پیش کر دیا گیا خصوصیت کے ساتھ صنف مثنوی میں مولانا نظامی کے کلام سے مقابلہ بھی کر کے دکھا دیا گیا ان مراحل کے بعد شاید اس دعوی کی تصدیق میں کہ خسرو کا وجود نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں ایک جوہر فرد ہے کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کی جامعیت اور کمالات گوناگوں کے کیا وجوہ ہوئے اس کے لئے صرف حضرت سعدی کا مشہور فیصلہ کفایت کرتا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کمال خسروی کے متعلق روایات عجیبہ کی وجہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پیشتر دنیا اس خبط میں مبتلا ہے کہ جہاں کسی فرد بشر میں کوئی قوت عامۂ ناس سے زیادہ ہوئی بس اوسے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا گیا

چنانچہ حکماے یونان میں سے فلاطون وغیرہ اسی لقب کے مستحق سمجھے گئے۔ آج یورپ باوجود اس کے کہ علم وفن میں اپنے کو انتہا مرتبۂ کمال پر سمجھتا ہے لیکن کیا مجال کہ اوس قدیم خبط سے ہوش میں آسکے وہی رٹ لگی جاتی ہے کہ عیسی خدا ہے خدا کا بیٹا ہے۔

لیکن تعلیمات اسلامیہ نے جبکہ دنیا کے عقول صحیح کر دیے تھے تو کسی کو یہ جرأت تو نہو سکی کہ کسی صاحب کمال کو اس لقب سے یاد کر سکے لیکن پھر بھی جب کسی کے لئے غیر معمولی کوئی وصف ثابت کیا جاتا تو اوس کے لئے غیر معمولی وجوہ بھی تراشے جاتے۔

اگر خسرو علیہ الرحمہ جیسا شخص اسلام سے قبل دنیا میں آیا ہوتا تو اوس کے محیر العقول کمالات بھی ملک و قوم سے اوسی لقب کی سفارش کرتے جو ایسی باکمالوں کو ملک و اہل ملک کی جانب سے ملا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسب واکتساب تعلیم وتعلم سے جہاں تک طبیعت میں ملکہ اور قوائے دماغی کی تربیت علی العموم ہوسکتی ہے اوس مقدار خاص سے اگر کسی کی طبیعت میں ملکہ یا دماغی قوت میں نشو ونما زیادہ پایا گیا تو پھر اوس کے بیان وجوہ میں عجیب غریب رنگ آمیزی کی جاتی۔

خواجہ حافظ شیرازی اور مولانا نظامی کے متعلق جو روایات کہ عوام میں مشہور ہیں وہ اثبات دعوی کے لئے کافی ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اکتساب کمال کے لئے جہاں صحیح استعداد طلب کامل محو و انہماک شرائط و لوازم ہیں وہاں نفوس قدسیہ اور ارواح زاکیہ کی توجہ و دعا بھی ایک اثر خاص رکھتی ہے۔

خواجہ حافظ و مولٰنا نظامی وغیرہ چونکہ زمرۂ صوفیہ میں ہیں اس لئے ان حضرات نے اپنے عہد کے شیوخ سے ضرور استفادہ و استفاضہ دعاے مقبول کا فرمایا۔ یہ اونھیں بابرکت دعاؤں کا اثر ہے کہ ان حضرات کے قلم نے معارف و حقائق کے ایسے مینہ برسائے کہ آج تک رہروان معرفت اُن سے سیراب ہو رہے ہیں۔

عوام نے اونہیں برکات و فیوض کو اپنے الفاظ میں اس طرح شہرت دی جس سے رفتہ رفتہ واقعہ طلسمی افسانہ بن گیا۔ اور اصل حقیقت مخفی ہو گئی یہ نیتجہ اوسی استعجاب کا ہے جو حافظ و نظامی کے شاعرانہ کمال نے عوام میں پیدا کر دیا تھا۔ اس طرح کی روایات سے گو واقعہ کی صورت مٹ جاتی ہے لیکن یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اوس کا کمال غیر معمولی تسلیم کیا گیا۔

ایسی صورت میں پھر اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ خسرو علیہ الرحمہ جیسے جامع کمالات کے متعلق اس طرح کی روایتیں مشہور نہ کی جاتیں عوام میں کیا کیا مشہور رہے اوسے ہم عوام ہی کے حوالہ کرتے ہیں ہاں جو واقعہ نفس الامر ہے اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہے۔

امیر سیف الدین جو خسرو علیہ الرحمہ کے والد ماجد ہیں اونہیں قصبہ پٹیالی عرف مومن پور یا مومن آباد ضلع ایٹہ میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ وہاں ایک ولی کامل مجذوب

حال رہا کرتے تھے خسرو علیہ الرحمہ کے والدین اون کے معتقد و خدمت گذار تھے جب
خسرو علیہ الرحمہ پیدا ہوے تو آپ کے والد ایک خرقہ میں لپیٹ کر اس مولود مسعود کو اوس
صاحب ترک و تجرید کے پاس لے گئے وہ واقف اسرار دیکھتے ہی یہ الفاظ زبان پر لایا
"آوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد برد"
یہ روایت تقریبًا ہر اوس کتاب میں موجود ہے جس میں خسرو علیہ الرحمہ کا تذکرہ ہے
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں مجذوب کے اس جملے کو نقل فرماکر
اس کا مطلب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "قصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد" یعنی
خاقانی صرف قصائد میں اوستاد تھا اور اس کا کمال علاوہ قصائد کے مثنوی اور غزل میں بھی ہوگا۔
اس روایت کی نقل سے مدعا یہ ہے کہ ایک صاحب حال واقف اسرار آگاہ
حقیقت ولی کامل کے منہ سے ایسے بابرکت مژدہ کا نکلنا ایک ایسی دعاے مستجاب تھی
جس کے حاصل کرنے کے لئے خسرو ہی جیسا بلند طالع مولود ہو سکتا ہے۔
دوسری یہ روایت ہے کہ جب خسرو علیہ الرحمہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور آپ کی
شاعری کا عہد شباب شروع ہوا تو اوس وقت آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ
اگر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تو اُن سے لعاب دہن کی التماس کرتا تاکہ
اوس کی برکت سے کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی۔

اعجاز سخن اور شیخ طریقت کا فیض

چنانچہ ایک روز جب کہ دولت زیارت حضرت خضر کی نصیب ہوئی تو اُن سے
اپنی دلی تمنا کا اظہار نیازمندانہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا
کہ "ایں بیچہ را شیراز برد" یعنی شیرینی سخن کی دولت

شیخ سعدی شیرازی کو نصیب ہو چکی۔ اس مایوس کن جواب سے خسرو علیہ الرحمۃ شکستہ خاطر ہوئے اور شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین محمد سلطان الاولیا قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں صورت واقعہ درد انگیز لہجہ میں عرض کی۔ شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شکستہ خاطر ہونیکی کیا بات ہے حلاوت سخن میں عطا کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے چند پارے مصری کے خسرو کے سر سے نچھاور فرمائے اور ایک ٹکڑا آپ کے منہ میں بھی ڈالدیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خسرو علیہ الرحمۃ جب حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اوس وقت اون سے لعاب دہن کی التماس کی ہی شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیرینی تو سعدی کے حصہ کی ہو چکی نمکینی باقی ہے یہ فرمایا اور ایک کنکری نمک کی اپنے منہ میں ڈالکر پھر اوسے خسرو کے منہ میں ڈالدیا۔

جب شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے خسرو واپس تشریف لائے تو اوسوقت اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا اور شیرینی سخن کے طالب ہوئے اوسوقت حضرت نظام المشائخ نے مصری کھلائی اور حلاوت سخن عطا فرمائی۔

صاحب سیر الاولیا مولٰنا سید محمد کرمانی المعروف بامیر خرد جو امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصر ہیں اور شیخ المشائخ حضرت سلطان الاولیا کے مرید و خلیفہ بھی ہیں سیر الاولیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزے در مدح سلطان المشائخ پیش سلطان المشائخ شعرے گذرانید فرمان شد کہ چہ میخواہی چون ہوس سخن در نظم داشت شیرینی سخن خواست فرمان شد کہ آں طاس شکر کہ زیر کھٹ ست بیار و بسر خود نثار کن و قدرے ازاں بخور امیر خسرو ہم چناں کرد لاجرم شیرینی سخن او شرق و غرب عالم گرفت" سیر الاولیا کی روایت اختلاف اصل حقیقت میں سب روایتوں سے زیادہ

قابل وثوق ہے۔ اگرچہ بہت ممکن ہے کہ عطاے شیرینی کی دولت چند بار نصیب ہوئی ہو
اور جس کو جو روایت پہونچی اوس نے اوسی کو نقل کیا۔

لیکن خود امیر خسرو علیہ الرحمہ مثنوی نہ سپہر میں ایک اشارہ کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ یہ جامعیت اور زور کلام خود شیخ طریقت حضرت نظام المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بذل و نوال کا صدقہ ہی فرماتے ہیں۔

من از وے لعاب دہاں یافتم — کزاں گونہ آب دہاں یافتم

دو قطرہ ازاں در دوات افگنم — تظلم در آب حیات افگنم

اسمیں کوئی شک نہیں کہ خسرو علیہ الرحمہ نے جہاں اور برکات مخصوصہ اپنے شیخ
سے حاصل کیں وہاں حلاوت سخن بھی شیخ کی دعاء مقبول کی بدولت حاصل کی۔ رہی یہ بحث
کہ خاصان خدا کی دعا یا لعاب دہن میں یہ قوت و تاثیر ممکن بھی ہے یا نہیں اس مقام پر ایک
امر زاید ہے اور موضوع سے بہت دُور جا تا ہی جس سعید ازلی کو نفوس قدسیہ کی مقدس و مقبول
دعائیں نصیب ہوئی ہیں وُہی خوب جانتا ہے کہ "رب اغبر اشعث لو اقسم باللہ لابرہ" جو ایک
زبردست بشارت صادق و مصدوق ہے وہ کیا کچھ قوت و تاثیر رکھتی ہے اور جو شخص اس
نعمت عظمیٰ سے محروم ہے وہ اگر انکار کرتا ہی تو اوس کی محرومی اوس کی عذر خواہ ہی ع

ہر کہ ایں کار ندانست در انکار بماند

واللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ الکریم وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین۔

حررہ بقلمہ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ
بہار شریف۔ محلہ میرداد ضلع پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ای کشایندهٔ خزانهٔ جود ‏ ‏ نقش پیوند کارگاهِ وجود

کوکب آرای آسمانِ بلند ‏ ‏ هم زمین ساز و هم فلک پیوند

بودنی را همیشه بود از تو ‏ ‏ بودنا بود را وجود از تو

آفرینش رستم کشیدهٔ تست ‏ ‏ هرچه جز تست آفریدهٔ تست

در نیابی بفکر عالمیان ‏ ‏ در نگنجی بوهم آدمیان

آدمی کیست خاک بی سر و پای ‏ ‏ کو بداند خدای را چو خدای

سخن آنجا که از خدادانی ست ‏ ‏ لافِ دانش دلیل نادانی ست

آنکه خود را شناخت نتواند ‏ ‏ آفریننده را کجا داند

آنکه در کارِ خویش گم باشد ‏ ‏ دمِ غیب از وی اشتلم باشد

ن۱ جدم = خزائن ‏ ‏ ن۲ ستم = بفهم ‏ ‏ ن۳ رم = که ‏ ‏ ۵۴ لفظ ترکی ست بمعنی ستم و ظلم را از حد گذرانیدن ۱۲

مور کا فتد میانِ دریا[۱] بار | کے رسد از شناوری بکنار
عقل گو[۲] صد ہزار رنگ آمیخت | از خجالت بپائے پس بگریخت
ہر چہ اندر جہاں نداند کس | ہمہ دانند کاں تو دانی و بس
کردنی ہر چہ در جہاں شاید | آنچناں نش کنی کہ می باید
حرف انگشت چون نشست بہشت | کس بحرف تو چوں نہد انگشت
ساختی از قضا جریدۂ راز | بستی از حرف کاف و نونش طراز
لائے توحید اژدہاست بپائے | کہ خدایاں خورد بغیر خدائے
اندراں لائے معرفت پیشہ | لام الف گشت پائے اندیشہ
ہمہ ہستی ز ملک تا ملکوت | یک رقم زاں جریدۂ جبروت
ہست[۳] بے نیست آشکار و نہفت | ہم[۴] تو نی جز ترا نشاید گفت
تو بُدی و نبود ایں ہمہ چیز | ہم تو مانی و کس نماند نیز
کے کسے چوں تو پایدار شود | بندہ کے آفریدگار شود
ہر چہ نتواں ز پادشاہی کرد | کردی و میکنی و خواہی کرد
تو توانی کہ بخشی از شاہی | ہر چہ خواہی و ہر کرا خواہی

---

[۱] دریائے بزرگ ۱۲ لغ جب = گر[۲] وجودیکہ در آن عدم راہ نیابد و ہم آشکار و ہم پنہاں باشد آن وجود پاک تست ہم درین معنی مولانا عبد العلیم آسی غازی پوری قدس سرہٗ شعرے فرمودہ و در گفتہ: بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار + اُس پہ گھونگھٹ[۳] یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے ۱۲ لغ[۴] ر = آں

کارسازی وکارسازت نہ | ہیچکس کاردانِ رازت نہ
گر بجان زندگیست حیواں را | زندگانی تو میدہی جاں را
جاں کہ او را بہا نداند کس | رایگانش[1] دہی بمور و مگس
تو نگاری زخاک صورتِ پاک | تو توانیش باز کردن خاک
خاک را آدمی توانی کرد | آدمی نیز خاک[2] دانی کرد
گل برآری زگل بجلوہ گری | ہم برآری وہم فرو دری
سنبل آری زخاکِ صحرائی | ہم بیاری وہم بیارائی
گوہر اندر صدف بہ بندکُنی | پس برآری وارجمند کُنی
شب فرستی و شب فروزی ہم | روز دادی[3] فراخ روزی ہم
دہی از لطف ہر کرا خواہی | چشمہ را آب و آب را ماہی
پشّہ را میہمانی جود | طعمہ بخشی زکاسۂ نمرود
عاجزی را چو دل بزور کُنی | شیر شرزہ زبون مُور کُنی
از تو خاکی خوش آتشی ناچیز | بولہب[4] خوار و بوتراب[5] عزیز
ہرکرا شکر گوئے خویش کُنی | نعمتش را بشکر بیش کُنی

---

[1] مفت و بے عوض ۱۲ [2] آدمی را خاک کردن ہم میدانی ۱۲ شوکت [3] رس = آری [4] لہب بمعنی شعلہ ؛ ابولہب کنیت عبد العزی ست کہ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودہ و در مذمت او سورت تبت یدا نازل گشتہ ۱۲ [5] تراب بمعنی خاک ابوتراب کنیت حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ است روزے حضرت مولیٰ بزمین مسجد استراحت میفرمود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از غایت شفقت برائے بیدار کردن قم یا ابا تراب فرمودند و خاک را از جامہ و جسم بدست مقدس خویش پاک فرمودند پس از آن روز کنیت حضرت علی ابوتراب گشت ۱۲

وانکه با شکر نبودش خویشی | گوشمالش دہی بدرویشی

اے بصد لطف کارساز ندہ | ق | بندہ را از کرم نوا زندہ
بندگاں را بخواجگی شب و روز | ۲ | خواجگی بخش بندگی آموز
بکرمم[۱] رخت خواجگیم بسوز | | بندہ ام خواں و بندگی آموز
آمدم بر در تو بے خود و ار | | با خودم دار بے خودم مگذار
دور کن باد خسروی ز سرم | | پُر کن از خاک بندگی بصرم
بے نیازم کن از در ہمہ کس | | جز ز درگاہ بے نیازی و بس
آنچناں رہ بخویش کن بازم | | کز تو با دیگرے نہ پردازم
ہمہ جا لطف خویش یارم دار | | بر در خویش رستگارم دار
اندراں تلخئ[۳] کہ در انجام | | ز اندۂ نزع تلخ گردد کام
اولم کن بشربتے سیراب | | کآخرم تلخئ نیارد خواب
در قیامت کہ حشر[۴] کار شود | ق | عاصی از کردہ شرمسار شود
چوں بصحرا[۵] نہی نہان ہمہ | | شرمسارم مکن میان ہمہ
از گنہ آنچہ در جہاں کردم | | رحمتم داد[۶] دل ازاں کردم
چوں ز رحمت شد ایں عمل یارم | | ہم برحمت حوالہ کن کارم
چوں رسد خواجۂ نکوکاراں | ق | در شفاعتگہ گنہ گاراں

ر۱ ںج = زبندگی ر۲ اضافہ بوجب بسبر ر۳ بس = تلخیم ۵ میدان محشر ۱۲ ۶ دل داد یعنی دلیر ساخت ۱۲

زانکہ[۱] شفاعت رواج کارم بخش | بشفیعِ[۲] بزرگوارم بخش

دُرُود روان سُوی روضۂ محمّدی کہ ہشت بہشت
راگلِ خلود از گلابِ عرقِ او شگفت اللھم صلّ علیٰ محمّد

سخن آں بہ کہ بعد حمد خدائے | بود از نعت خواجۂ دوسرائے
احمد آں مرسل خلاصۂ کون | پردہ پوشِ اُمم بدامن عون
میم احمد کہ در اَحَد غرق ست | کمر خدمت از پئے فرق ست
احمد اندر اَحَد کمر بند ست | یعنی این بندہ واں خداوند ست
عاصیاں را در آفتابِ[۳] نشور | ظلّ[۴] ممدود داد از منشور[۵]
نورِ او آفتاب را مایہ | سایۂ خلق و ابرِ بے سایہ
بہرِ تعظیمِ اوارادتِ پاک | سایۂ او رہا نکردہ بخاک
پایۂ قدرش آسماں پیوند | سایۂ نورش آفتابِ بلند
روشنائی دہِ چراغ یقیں | نور پیشین و شمعِ باز پسیں
نور ادکز سپہر صد چند ست | مہ تنگافت و سپہر پیوند ست
انبیا پیشِ آں خجستہ چراغ | طفلِ گہوارہ در مقامِ بلاغ

---

[۱] ج - از [۲] ب - برسول [۳] روز قیامت ۱۲ [۴] ظل بمعنی سایہ و ممدود بمعنی دراز [۵] و منشور بمعنی فرمان شاہی و اینجا فرمان الٰہی ۱۲

کارپردازِ کارخانۂ غیب | خازنِ گنجِ خانۂ لاریب[٥٢]

اُمّی و حرف سنجِ تختۂ کُن | قلمش راست کار و راست سخن

کاف و نون یک رقم ز نامۂ او | لوحِ محفوظ زیرِ خانۂ او

بهترین نقطۂ رسل بشمار | آسمان دائرہ است او پرکار

در سرشتِ خود از دقیقۂ عون | ذاتِ پاکش خمیرمایۂ کون

نہ سپہر از وجودِ او شد چیز | بلکہ ہژدہ ہزار عالم نیز

زبدۂ ہر چہ بود و ہر چہ بود | دولتے زین بزرگ تر چہ بود

درۃ التاج کُن فکان نسبش | قرۃ العین انس و جان لقبش

ہستی از دست علم بر آوردہ | او تفاخر بہ نیستی کردہ

گفت عیسیٰ خود از کتابِ احد | یاتی من بعدی اسمہ احمد

ذاتِ او خلق را کلیدِ نجات | ہم حیاتِ جہان ہم آبِ حیات

عیسیٰ از کیمیائے جانش بوست | بیگمان کیمیائے عیسیٰ اوست

خاتمِ چرخ زادۂ انگشتش | پر براو چکید از پشتش

اوست جانے کہ قالبش بہ یقین | جانِ روح اللہ است و روحِ امین

ختمِ پیغمبران بار خدائے | گمرہان را بصدق راہنمائے

منکرِ شرع را ز اصل و ز فرع | سر زدہ ہم بہ تازیانۂ شرع

لاب = کارخانۂ ٥٢ مراد از قرآن پاک ست کہ در توصیفش ع اسمہ ذالک الکتاب لاریب فیہ فرمودہ ١٢

بهدایت دلیلِ بے دیناں — بشفاعت پناہِ مسکیناں

چون بحجت زبہرِ دعویٰ خاست — حجّتِ او درست دعوی راست

در جہانگیری ازز برتا زیر — ہم زبانش درست دہم شمشیر

بر سریرِ فلک بحجّت[۱] میر — لاے لولاک دورباشِ[۲] سریر

پنج[۳] منشور از حیے ظلمات — سوے نُہ بام نردبانِ نجات

کنگر نشینِ شرعش از ہمہ راہ — برشدن را فگندہ حبل اللہ

بردہ بر عرش خواجگی را تاج — عرشیانش بہ بندگی محتاج

اوج بر بُلبُلانِ مازاغش — غلغل مرغِ سدرہ در باغش

آنکہ او سنگ زد بدندانش — یافت گوہر[۴] ز لعل خندانش

عذر خواہ امم بہ پردۂ راز — عذر او جرم سوز و مجرم ساز

وصفش از حدِّ عقل و جاں برتر — بارگاہش ز لامکاں برتر

آفریں باد بر چناں خاکے — کہ ازو زادہ شد چنیں پاکے

نور او از زمیں بروں دادہ — آسماں و زمیں ازو زادہ

---

۱ ریخست امیر ۲ دورباش بواو معروف نیزہ باشد کہ سنان آن را دو شاخہ سازند و چوب آنرا بزر و جواہر مرصع ساختہ پیشاپیش سواری بادشاہاں برند تا خلق از دور مشاہدہ نمودہ یکسو شوند و نیز اگر عدوے کند بجانب بادشاہ اندازد بداں دفع کنند. پس لاے (لا) لولاک را دورباش گفتن عجب استعارۂ بلیغ است و للہ در قائلہ ۱۲ ۳ در حدیث آمدہ است بنی الاسلام علی خمس یعنے بنیاد اسلام بر پنج چیز نہادہ شدہ است کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج پس از پنج منشور ہمیں مراد باشد یا نماز پنجگانہ و از چہ ظلمات کفر و ضلالت ۱۲

۴ از گوہر مراد دعا در حق کفار ست ۱۲ شوکت

خاک و آبش بکارخانهٔ راز — گشته نه بام را عمارت ساز

چار یارش بچار سوئے زمین — چار رکن و چار صفهٔ دین

آن بزرگان که همنشینِ ویند — روشن از پرتوِ یقینِ ویند

اوّل آن اوّلین خلیفهٔ کار — ثانی اثنین اذ هما فی الغار

دوم آن کز شکوهِ پایهٔ او — دیو بگریخته ز سایهٔ او

سوم آن جامعِ جریدهٔ پاک — چاشنی گیرِ خوانِ ارسلناک

چارم آن قصرِ وحی را دهلیز — درِ علم و کلیدِ خیبر نیز

دوستان دگر کزاں جمعند — صبح را نور و شام را شمعند

آنکه پاکند پاک کیشانند — رضی الله عنهم ایشانند

راهِ شان را که نه فلک ز پس است — توشه خوشنودی خدائے بس است

هر یکے سرِّ سرمدی دارد — زانکه نورِ محمّدی دارد

همه را داد دولتش همه چیز — آفرین بروے و برایشان نیز

ابدالدّهر بار رضاے تمام — از خدا بادشان درود و سلام

گرد آن انجم سپهرا فروز — پرتوِ نورِ مصطفیٰ شب و روز

هر که از مصطفیٰ ندارد نور — سایه اش دور باد از ما دور

نامِ پاکش که مردهٔ آنم — زنده بادا بیاد[۱] او جانم

---

۱ ج = زیاد

بندهٔ خسرو که در پناهش باد | مرده و زنده خاک راهش باد

صفت معراج سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی الله علیه وسلم

گر شود مردم آسمان را تاج | جز محمد کراست این معراج

فرخ آں شب که آں چراغ دو کون | زد بقندیل عرش پرتو عون

شب چو بر سر نهاده چتر سیاه | چتر اسریٰ کشید بر سر ماه

دولتش زیں سرائے دامن گیر | جلوه گر شد به لاجورد سریر

شب[1] او گشت زیور ماهش | نور او گشت مشعل راهش

در دل شب ز پرتو آں نور | حرف باریک غیب خواند ز دور

جبرئیل آوریدش از درگاه | راهوارے که وهم را زد راه

بر نشست و عنانش داد فراز | تا شتابان شود براه دراز

اوّل آں دم که کوس اسریٰ زد | خیمه در بارگاهِ[2] اقصیٰ زد

رفت زانجا همه نوا بخشید | خسته[3] خویش را دوا بخشید

پس به پیشش عطارد نامی | برد شعر یمانی و شامی

---

[1] مراد از شب گیسوے معنبر و از ماه چهره انور صلی الله علیه وسلم ۱۲

[2] مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ۱۲

[3] خسته خویش باعتبار معجزهٔ شق القمر ماه را قرار داده ۱۲

چوں ازآنجا جنیبہ راند بہ پیش　　زہرہ در رقص شد ز قبۂ خویش

در رہش آفتاب روشن و پاک　　پیش[۱] ازاں رو نہادہ بود بخاک

چوں بہ پنجم سپہر کرد خرام　　طرقوا[۲] زد چو چاؤشاں بہرام

چوں ششم خانہ شد قرارگہش　　مشتری از عمامہ رُفت رہش

زحل از سہمناکی کیشش　　گشت غلطاں چو ہندواں پیشش

چوں ز اختر بثابتات گذشت　　زین تحرک درآں ثبات گذشت

ہم ثوابت خجستہ ذات شدند　　ہم بدریوزۂ[۳] ثبات شدند

چوں علم پیش برد زیں پرکار　　ماند بر جا ز ماندگی رہوار

عرش بر داز جنیبہ بارش را　　پائے گم شد جنیبہ دارش را

رویش افگند ز آفتاب حضور　　برقنادیل عرش پرتو نور

چوں برخ عرش را منور کرد　　زاں[۴] مکاں سر بلامکاں بر کرد

جلوہ کرد از ورائے کونینش　　سر بدرگاہ قاب قوسینش

برگرفت از میاں حجاب خیال　　تا درآمد بجلوہ گاہ جمال[۵]

شد بجائے کہ جاں نمی گنجد　　خود ہم اندر میاں نمی گنجد

دیدہ را نور لایزالی داد　　سینہ را سر ذو الجلالی داد

---

(۱) ج ب = بہراو　(۲) معنی طرقوا (کہ صیغہ امر حاضر ست) یکسو شوید و راہ دہید و معنی چاؤشاں نقیباں ۱۲

(۳) ح = بدریوزہ　(۴) ب = از　(۵) ج ب = وصال

چون ز عالم برون نهاد قدم | جلوه[۱] گر شد به پیشگاهِ قِدم
هستی دیده کش زوال نبود | نیستی را در و مجال نبود
یافت در خود متاع موزون را | دید بی‌شک خدائے[۲] بیچون را
نکته برخواند بے وکالت ہوش | قصه بشنید بے میانجی گوش
گوش کی سرّ غیب را سنجد | بحر اندر صدف کجا گنجد
با ہزاراں ہزار نقد مُراد | در شبستانِ دولت آمد شاد
بہره داد از رہِ جوانمردی | رہ روان را از آن رہ آوردی
گرد چون بخش خواجگان[۳] ہمه چیز | داد بخش گناه گاران نیز
ہر یکے را نوید احسان داد | یادگارے زیادِ یزدان باد
تا شدیم از جہان متاعِ امید | ما گدایان توانگرِ جاوید
بین که چون گنج خانهٔ داریم | که چو ایمان خزانهٔ داریم
چه غم ار ہست نقب زن بقفا | حَسْبُنَا اللّٰه وَحدَه وَکفیٰ

مدح قدوة الخافقین نظام الحق فی الدنیا والآخرة

رضوان ریاض ریاضت که گلہائے تازہ وجوہ یومئذ ناضرة و برگہائے ترالیٰ ربہا ناظرة در فردوس ارادت

ن۱ ح = پیش رو ر = پیشتر ن۲ جب = لقاے ن۳ حس = خاصگان

او تواں یافت بلغہ اللہ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

چوں من از خوانِ نعمتِ خواجہ خویش — نعمتے تازہ یافتم در پیش
زلہ کردم ازاں رقاقی چند — تا کنم توشۂ ابد پیوند
گندمے بود زلہ آدم را — خوانچۂ نیز بود مریم را
زلہ ام کز رسول والا بود — نہ کم از آدم و مسیحا بود
کنم اکنوں ازاں نعیم جلال — خوانچۂ مدح شیخ مالا مال
غوث عالم نظامِ ملت دیں — قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں
رہبر پیش بیں محمد نام — زدہ پے بر پئے محمد گام
صوفیِ در شعارِ صوف سلیم — چرخِ اطلس نہفتہ زیر گلیم
در قدم راہش از ملایک بیش — پایش از بوسہ ملایک ریش
قدمش را کہ آسماں محل است — پایۂ خطوتین قد وصل است
از کرامت بر آسمانش جائے — و ز ریاضت ہواش در تہ پائے
سعدی از سر نوشت خود مسعود — خطِ پیشانیش طراز سعود
مردم دیدہ ستارہ و ماہ — گفت چرخش علیک عین اللہ

لہ جب = منکہ — ۵۲ زلہ بفتح را و تشدید لام انچہ از طعام بہر کسی نگاہ دارند و رقاق بضم اول نان تنک ۱۲
۵۳ توشہ موصوف ابد پیوند صفت ۱۲ — لہ ج = نہادہ — ۵۵ مسافت میان ہر دو قدم ۱۲
۵۴ ہوا یعنی خواہش نفس را در تہ پا آوردہ و پامال ساختہ ۱۲

پاک روحِ الٰہی بدینِ قوی — زندہ دارِ شریعتِ نبوی

شہپرِ ہمتش بہ بازوے دیں — سُفتے[۱] از جناحِ روحِ امیں

شرفِ آدم از نکو خلقی — نائبِ مصطفیٰ بوحیِ خفی

ہو معکم براتِ حاصلِ او — کُنتُ کنزاً خزانۂ دلِ او

کاردانِ ممالکِ ملکوت — مشرفِ[۲] کارخانۂ جبروت

پادشاہاں[۳] بہ بندگی شرفش — خواجگانِ زمانہ در کنفش

بر زمیں جبرئیلِ نورانی — زادہ از بیضۂ مسلمانی

آفتابی ست ز آدمی زادہ — و آسمانی ست از زمے زادہ

نے ز ابرار دیدہ کس عملش — نے ز ابدال یافتہ بدلش

سفرش زیں نہ آشیانہ بروں — روزہ از ماسوی اللہش بدروں

ہر شبش زاوجِ عالمِ اسرار — صبحِ دولت دمیدہ از شبِ تار

پاکبازے فگندہ بر سر گنج — ہفت و[۴] چارِ زمانہ در شش و پنج

آہِ او تیرِ چرخ گاہ کشاد — نفسش تیغِ تیز ہمچوں باد

زدہ دہلیز قدر بر درِ دیں — میخش اوتاد در رشتۂ حبلِ متین

---

(۱) س = نسخہ ۱ (۲) نویسندہ کہ بالاے نویسندگاں متعین شود تا از خیانت ایشاں خبردار بودہ باشد ۱۲

(۳) جب = پادشاہے (۴) از ہفت مراد ہفت آسمان و زمیں و از چار عناصر اربعہ کہ موالید ثلاثہ جماد و نبات و حیوان از ان بوجود آمدہ یا ربع مسکوں و از شش و پنج متحیر و عاجز یعنی چنداں گنج عرفاں دارد کہ ہمہ عالم را متحیر ساختہ ۱۲

خاک دهلیزش آسمان سلب ست — بوریای وی ارچه از قصب[1] ست

در رواقش بجوسش دیوار — خانه کرده فرشتگان بسیار

دیواز سیلیش بدست صفا — هم سیه روے وهم کبود قفا

سروران سلوک در کویش — مسح کرده زآب پاشویش

وان سواکش[2] که عمدهٔ دین ست — دُرج دُر را کلید چوبین ست

در دل عاشقان به پردهٔ راز — بانگ نعلین[3] ارغنون نیاز

نوربخش درونه عین عطاش — رهنماے امید دال دعاش

چون زوجد آمده دلش درسوز — شمع را کرده خاطرش پرسوز

چشم مهرش زپرتو جاوید — سنگ را کرده لعل چون خورشید

کیمیا سنج کورهٔ مقصود — کرده حل جملهٔ عقدهاے وجود

دلش از عشق خون و دیده پرآب — انست کبریت احمر آن سیماب

درد و درمانش در ته[4] فرمان — گنج درد و خزینهٔ درمان

پیش استاد دل بکوشش چیست — گشت سبق شکستگیش درست

وان مریدان رهروان یقین — هر یکے والی ولایت دین

همه شیطان کُش و فرشته خدم[5] — در روشش بر هوا نهاده قدم

---

[1] نے و هرچه مانند نے باشد ۱۲ [2] سواک یعنی مسواک ۱۲ [3] جب نعلینش [4] جب = ره

[5] جب = قدم

زنده دارِ شب از دمِ تسبیح | غلغل افگنده در رواق[1] مسیح
برسر از شین شرع ساخته تاج | دلِ[2] شان عرش و سجده شان معراج
ملکِ وحدت بنام ایشان ست | بنده خسرو غلام ایشان ست
نام من زان ستوده کیشان باد | حشرِ من درمیانِ ایشان باد

مدح سلطان خلد بزم سدره علم طوبیٰ قلم علاء الدنیا والدین اعلاه اللہ علیٰ اعلیٰ علیین

مشتری گوست کار دان[3] سپهر | دوش سوئے من آمد از سر مهر
گفت کاے از ضمیر دریا کار | گشته بازارگانِ دریا بار
ز آتشِ طبع یافته جاوید | روز بازارِ گرم چون خورشید
آمدم تا ز دُرجِ دُرِّ ثمین[4] | سوئے گردون برم متاعِ زمین
گوهرے ده که چرخ تاب[5] بود | درخورِ گوشِ آفتاب بود
کان گهرها که آسمان تاب ست | کهنه و خورده و زرد و بی آب ست
گفتمش کان گهر که کردی یاد | دهمت گر بها توانی داد
گفت گر بود م بها داری | هست دیدار رایگاں باری

ملہ رواق بالکسر و بالضم بمعنی خانه و پرده اینجا مراد فلک چهارم ۲ے اشاره بایں هر دو حدیث شریف ست (۱) قلب المومنین عرش اللہ (۲) الصلوٰۃ معراج المومنین ۱۲ ۳ے دانندهٔ کار اسے قاضی فلک ۱۲

۴ے حبب = را ۵ے ترکیب مقلوب فاعلے اے تابندهٔ چرخ ۱۲

من چو گیرائی[1] ش نظر کردم | حقهٔ[ن۲] مهر بسته بر کردم[3]
وانگهی ریختم برون ز نهان | گوهر مدح پادشاه جهان
جم ثانی علاء دنیا و دین | آسمان تاج[ن۴] و آفتاب نگین
پادشاه جهان محمد شاه | سایبان جهان ز چتر سیاه
مه سپهر منورش خوانده | دین علاء مصورش خوانده
شاه دیهیم بخش و تاج ستان | از عرب تا عجم خراج ستان
علمش سر بر آسمان سوده[ن۵] | سایه بر آفتاب بگشوده[ن۶]
دور باش وی از صف منصور | شمع خورشید را زبانه نور
او چو گردون مظفر از شمشیر | ابلق روزگارش اندر زیر
آفتابی طلوع کرده ز شرق | غرب را بسته به تیغ چو برق
ظل چترش پناه اهل زمان | بانگ کوسش ندای امن و امان
تیغش ار بر که تسلیم[7] شده | کوه چون آسیا دو نیم شده
زد به یک چاشنی تیغ چو آب | فتنه در خواب رفت و مست و خراب
مجلس از آسمان ربوده کلاه | پرچم او شده محاسن ماه

---

۱ گیرائی معنی رغبت و خواهش ۱۲   ن۲ ج = حقه را   ۳ بر کردم ای بر داشتم ۱۲
۴ نگین = خاتم   ن۵ ج = برده   ن۶ مسجب = گسترده
۷ تسلیم صفت کوه است و ار بمعنی اگر ۱۲

تیغ و رمحش کہ خصم را سودند | ماءِ مسکوب[۱] و ظلِ ممدوداند
نوکِ پیکانش در مقامِ ہنر | بردہ داغِ کلف ز روئے قمر
فتح با تیغِ ملک گیرش باد | جانِ دشمن شکارِ تیرش باد

دُرفشانیِ لبِ مادح بر نطعِ انبساطِ زمین بوسِ جنابِ رفعتِ سلطانی

اے جہاں در پناہِ دولتِ تو | آسماں بارگاہِ صولتِ تو
ہفت اختر کہ خاکِ راہِ تواند | سایہ پرورِ بارگاہِ تواند
خاک پایت ز اوج کونینے | یافتہ قربِ[۲] قرۃ العینے
بر درت خسروانِ غرب و شرق | ہمہ اصلع[۳] شدہ ز سودنِ فرق
آستانت کز وست انورِ چشم | گشتہ[۴] نور از سیاہیِ ہر چشم
بسکہ قصرت شدہ بگردوں تنگ | آمدہ پائے[۵] آسماں بر سنگ[۶]
آفتاب از جبینت[۷] شد مستور | گرچہ او گرد کرد چنداں نور
ابر با آں[۸] ہمہ زبردستی | کردہ در پیشِ دستِ تو پستی
دادہ دریا کفِ تو در بہوس[۹] | کفِ دریا چہ داد مشتے خس

ف۱ ماءِ مسکوب آب جاری کردہ شدہ و ظلِ ممدود سایہ کشیدہ اشارہ است بمضمون آیتہ کہ در صفت جنت بسورۂ واقعہ نازل شدہ پس تیغ ممدوح باعتبار آبداری از ماءِ مسکوب و چترش را از ظلِ ممدود استعارہ آوردہ ۱۲ ل۲ عجب = شغل ف۳ اصلع گنجہ) شوکت ۱۲ ل۴ رحہ = بست ف۵ پائے بر سنگ آمدن عاجز شدن۔ شوکت ۱۲ ل۶ سجب = در ل۷ جب = زشت شدہ ۱۲ ل۸ یک = این ف۹ یعنی کف تو کہ دریاست اہلِ ہوس را در حسب ہوس شان بخشیدہ ۱۲

آب باری توزاں کفِ چو سحاب   ابر بار و دوسے سوارک[۱] آب

سایۂ مهرِ تو شکسته[۲] پناه   ذیلِ عفو تو پرده پوشِ گناه

مهد[ن۳] گردوں که ذوالامانت خواند   مهدیٔ آخر الزمانت خواند

عدل سرمایه تاج و تختِ ترا   چرخ بازیچه طفلِ بختِ ترا

شحنۂ عدلت از رعایت خویش   گرگ را داده آشتی بامیش

رزم و بزمِ تو بسکه در کارست   دولتت مست[۴] وبخت بیدارست

چوں خدایت سریرِ شاهی داد   ملکت از ماه تا بماهی داد

کوش کآسوده داری از شاهی   عالمے را ز ماه تا ماهی

بر ستمکش ز عدل کم نه کنی   بر ستمگار جز ستم نه کنی

خار بن را بر افگنی ز گذر   خارکن را کُنی نهال ز سر

چوں به پیلاں علف دهی خالی   از غمِ مور دل مکن خالی

عالم آسوده کن ز نعمت وجود   تا تو خوش باشی و خدا خوشنود

چوں بخاصاں دهی نواله و جام   ق   کام شاں خوش کُنی بنعمت و کام

یاد کُن زاں گدائے بے توشه   که شب اُفتد گرسنه در گوشه

---

[۱] بمعنی سواران آب ست که حباب و موجۂ آب باشد ۱۲   [۲] شکسته پناه اضافت مقلوب یعنی پناهِ شکستگاں ۱۲   [ن۳] ح = مهر   [۴] دولت تو مست اُفتاده است پس از غایۂ مستی یارائے رفتن جائے دیگر ندارد و بخت تو هشیارست پس پاسبانی او می کند ۱۲

[ن۵] ح = جهاں ۱۲

کت چو فرد اشمارِ کار کنند — اوّل از مفلساں شمار کنند

بیغمی بایدت بعالمِ ملک — غمِ عالم خور و مخور غمِ ملک

تا چو عزمی بود لواے ترا — عالمے غم خورد براے ترا

شه جهانگیری از سوار[1] کند — شیر[2] بے دست و پا چه کار کند

مردم از بهرِ آں شود زسراں — که کند کار سازیِ دگراں

خدمت از بهرِ بخشش و کرم ست — ورنه یک تن زِ دیگرے[3] چه کم ست

تا توانی بدین و داد گراے — که بود ملک زیں دو پایه بپاے

بنده در خوں کند چو دامن جست — دیت از پادشاه باید جست

پیل چوں مور را تهِ[4] پا سود — پرسش از پیلبانش خواهد بود

گرچه در ستهٔ آهنی معصوم — مشو ایمن زناوکِ مظلوم

گرچه بینی بگردِ خود صد دوست — زاں یکے دشمنت بود در پوست

ورچه کس نیست دشمنِ تنِ تو — غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو

آں چناں دار پاسِ جانِ عزیز — که تو خوش خسپی و ولایت نیز

ورچه صد پاسباں بوند از پس — پاسِ تو به ز تو ندارد کس

بر چنیں پایه کاستواریِ تست — پاسبانِ تو هوشیاریِ تست

ن[1] سوار مقابل پیاده واینجا بمعنی لشکر آمده ۱۲ — ن[2] رس حجب = سر بے دست و پا

ن[3] جب = دیگراں — ن[4] جب = به پاے بسود

پاسبانی که بهرِ مزد بود | پاسباں نے که سیم دزد بود
چوں درآئی بصفتِ تیغ زناں | از تزلزل کشیده دار عناں
لشکرے کز عدو فرار کند | چوں بسلطاں رسد قرار کند
لیکن ار شه نعوذ بالله تافت | کی فراهم شود صفے که شگافت
شاه کوهے بود بسنگِ وقار | جنبشِ کُه[۵۱] قیامت آرد بار
گرچه برنا[۵۲] برزم کارگر ست | کوششِ کاردیدگاں[۵۳] دگر ست
در صفِ رزم با جواناں پوے | لیک تدبیرِ آں ز پیراں جوے
من کیم تا ز نم[۵۴] ز پند نفس | دولت و بخت پند گوی تو بس
هست بیدار کردنِ بیدار | همچو باراں بروے دریا بار
نسزد چرب کردنِ بادام | نے حلاوت بشیره دادنِ[۵۵] ام
لیکن آرد بحضرتِ شاهی | هر کسے قدرِ خود هوا خواهی
گر پذیری مرا خود احسان ست | ور نگذاری خود از در آسان ست
نرزد[۵۶] ایں تحفه عرض پیشِ سریر | تو کریمی کرم کن و بپذیر
باش تا هست چرخ زنگاری | در جهانگیری و جهانداری
ز آرزو صد نوید در گوشت | و آرزو ها همه در آغوشت

---

۵۱ رس = او ۵۲ برنا بمعنی جوان ۱۲ ۵۳ تجربه داں ۱۲ ۵۴ حجب = کت زنم
۵۵ جب = سزاے من آن ست ۵۶ نرزد مخفف نیارزد ۱۲

دولتت را ز کامرانی نور | گردِ ناکامی از جنابِ تو دور
بختِ نیکو همیشه یارِ تو باد | ایزد از بدنگاه دارِ تو باد

در سببِ بنیاد نهادنِ هشت بهشت اصحابِ یمین وروی نسیم مدام نوشین وسقٰهم ربهم شرابًا طهورًا

شبے از روز بے غمی خوشتر | وقتے از نوبہار دلکش تر
هفت[۵۱] و نه کرده ماهِ چارده رو | ماهتابی شده جہاں افروز
برکشاده ہوای نورانی | آسماں را گره ز پیشانی
رحمت[۵۲] از باغ برده بادِ خزاں | بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پر از نسیم شده | پرده دارِ دُرِ یتیم شده
جنبشِ بادہاے مشک سرشت | بازکرده دریچہاے بہشت
من دراحرامِ کعبهٔ دلِ خویش | نخل[۵۳] بردست چاهِ زمزم پیش
نخلِ من چوں مسیح در گفتار | حالِ باد گشته مریم دار
گشته کلکم کلیدِ سینهٔ من | داد بیروں همه خزینهٔ من
درگریباں فرو درفته سرم | پرگہر گشته دامنِ ہنرم

---

۵۱ هفت و نه کردن بمعنی آرایش تمام کردن ست که هندیاں آنرا سوله سنگار گویند ۱۲

۵۲ یعنی موسم بہار بود ۱۲ ۵۳ یعنی قلم در دست داشتم و دوات در پیش ۱۲

فکرتم در گرفته پنهانے — گنج پاشے و گوهر افشانے

خاطرِ من بگوهر افشاندن — و آفرینش بآفرین خواندن

اوج پرگشته بلبلانِ ضمیر — کردمستم ز ارغنونِ صفیر[1]

هر نوردی که می‌کشادم باز — می‌کشیدم هزار نکتهٔ راز

گشته زاں نکته‌هائے نور آگیں[2] — روی کاغذ نگارخانهٔ چیں

نَفَسِ روح پرورِ نغزم — بادِ نخوت دمید در مغزم

خامه می‌گفت کز سوادِ هنر — بعطارد فرو نیارم سر

دل متاعِ گزیده می‌افشاند — مشتری رازِ آسماں می‌خواند

من بدینساں بطبعِ گوهر زائے — بسخن نکته بند و عقده کشائے

کامد آں همنشینِ جانیِ من — ناقدِ سکهٔ معانیِ من

هم علی نام و هم به بینائی — چوں علی در کشای دانائی

جبهه از اخترِ خرد پُر نور — طرفه روئے[3] که چشمِ بد زو دُور

سینه ز اندیشه چوں خزینه پُر — نکته بر نکته چوں علاقهٔ دُر

آدمی صورت و فرشته خوئے — صورتِ مردمیش رو با روئے

چوں مرا باز[4] یافت پنهانی — در گهر سنجی[5] و زر افشانی

---

(۱) ر = صفیر — (۲) دج = مشک — (۳) ر سجب = نورے

(۴) سجب = یار یافت پنهانی — (۵) ح = سخن

گفت کای جادوی طلسم انگیز — موشگاف از زبانِ خامهٔ تیز

چون شود خامهٔ تو در تحریر — جان برقص آید از نوای صریر

گاهِ فکرت چو خوی کند رویت — صد عطارد چکد ز هر مُویت

از هنرهای بیش از اندازه — در فگندی بعالم آوازه

بردی اندیشه را علم جائے — که نگنجد بوهمِ دانائے

زان معانی که راه در جان یافت — بیش زان یافتے که بتوان یافت

هر یکے رقعه را که کردی نشر — دوختی دامنش[1] بدامنِ حشر

هر جریده که ساز کرده است — درے از لطف باز کرده است

سکهٔ معنی از چهار[2] سواد — کردی آراسته چو سبع[3] شداد

چون بعنوان پنجم آمد حرف — تا چه گنجینه کرد خواهی صرف

دادی اوّل بگنبدِ دوّار — روشنائی ز مطلع الانوار

کردی آن گاه با نشاطِ تمام — شهدِ خسرو و شیرین اندر جام

باز در عالم خردمندی — شورِ مجنون و لیلیٰ افگندی

پس دهان پُر درِ درے کردی — شرحِ رازِ سکندری کردی

وین زمان کز جواهرِ انجم — می نگاری صحیفهٔ پنجم

---

[1] جیب = جیب او

[2] یعنی چهار کتاب ۱۲

[3] هفت آسمان محکم ۱۲

کوش کین خط[1] چنان نگاری چیست | که فزون آید از چهار نخست
کاولین[2] نکته[3] گرچه چیست بود | آخرین بهتر از نخست بود
مرد هر پیشه را که بیش کند | زان نکوتر بود که پیش کند
حرف طفلان زیرک از که و مه | پنجشنبه به آید از شنبه
کرسی کشش در و دگر سازد | هر چه بیشتر لطیف تر سازد
من کز و کردم این فسانه بگوش | آمد از غیبتم[4] درونه بجوش
دل نهادم بهمت والا | کارم از سینه بولوی لالا
برگشادم خزینهٔ خانهٔ راز | گشتم از نوک خامه گنج انداز
پاسے از شب خاطر چو چراغ | کردم اندر دل عطارد داغ
از سخنهاے چون ذر ناسفت | آن قدر گفته شد که نتوان گفت
پس ازین با دل هنر پیشه | من و بیغوله[5] و اندیشه
این ورق را چنان کنم تحریر | که نیابیش در زمانه نظیر
وز طریق سخن شعراے[6] کهن | هر چه دیدم دقیقه هاے سخن
کنم[7] اول بحرف[8] هاے غریب | نکته هاے کتاب را ترتیب
دل پاک منش[9] بمستورے | ساخت دستور من بمستورے

---

[1] دجب = را   [2] مر = اولین   [3] س = نسخه   [4] ج = غیرتم
[5] بروزن قیلوله گوشه وخلوت ۱۲   [6] مراد از نظامی ست ۱۲   [7] ج = دادم   [8] ج = طرہاے
[9] ضمیر شین راجع بسوے مثنوی هفت پیکر ۱۲

حقه بگشادم و شکر دیدم — چاشنی را نمونه برچیدم

جرعهٔ را که عقل چید از وے — همه ریزم درین قرابهٔ مے

آں موذارِ هفت پیکرِ او — ویں برآئینِ هفت زیورِ او

واں بهر گنبدے به مجلس و جام — عیشِ خوبان و عشرتِ بهرام

یک بیک را نمونه برسازم — نزدِ نو بر بساطِ نو بازم

نمطِ رنگ هائے گنبد نیز — سازِ دیگر برآرم از تمیز

رنگے آرم که بوی هم باشد — وانچناں رنگ و بوی کم باشد

هر مشامے بعنبر افشانے — صندلے و بنفش و ریحانے

وانکه زرد ست و زعفرانی فام — کمش رنگِ زعفرانی نام

آنکه باشد سیاه رنگین نیز — خوانمش عنبرین و مشکین نیز

وانکه سرخ و سپید پنداری — اینت کافوری آنست گلناری

گویم افسانهائے طبع افزاے — از لبِ لعبتِ فسانه سراے

هر فسانه صراحیِ ز شراب — دورِ مستی و بلکه دار و خواب

هر یکے را بهشت نام کنم — حور و کوثر درو تمام کنم

هفت باشد بهشت و گو هر هفت — هشتم آں کاندرو بود هر هفت

پس نویسم ز کلکِ مشک سرشت — نامِ ایں هشت خانه هشت بهشت

---

۵ یعنی چاشنی کلام نظامی را نمونهٔ خود کردم ۱۲ ل ۲ من ے نور ل ۳ من ے شانِ ل ۴ من ے تنبور

تا کسے کاندر و گذر یابد | بے قیامت بہشت دریابد
خود برآں دل کہ خازنِ ہنرست | ہر بہشتے قیامتِ دگرست
گر بود ناقدِ خزانہ راز | داند اندیشۂ مرا پرواز
ورنہ دانش نباشدش پیوند | ہم بافسانہ شود خرسند
چوں من از خاطرِ سخن پرداز | کردم آغاز زیں صحیفۂ راز
زیورش کز من آید آں پرداخت | سازمش آنچناں کہ باید ساخت
واں دگر زیورے کہ نتواں داد | آں خدائی بود خداش دہاد

نصیحت فرزند بہشتی ثمرۃ الفواد عفیفہ ام عفافہا

اے زعفت فگندہ برقعِ نوز | ہم عفیفہ بنام و ہم مستور
سالت از ہفت برنرفتہ ہنوز | روشنی ہمچو ماہِ چاردہ روز
کاشش ماہِ تو ہم بچہ بودی | در رحم طفلِ ہشت مہ بودی
لیک چوں دادۂ خدائی راست | با خداداد گاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم انچہ یزداں داد | کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم ہر آنچہ از درِ اوست | کاں دہد بندہ را کہ درخورِ اوست

---

(۱) جب = ہفت | (۲) ح = کراست | (۵۳) باز نتواں داد یعنی رد نتواں کرد
(۳) وجب = ہر چہ | (۴) وس جب = خدائے

هر چه او داد بس پسندیده است / هم در اوّل صلاحِ آں دیده است

پدرم هم ز مادر است آخر / مادرم نیز دختر است آخر

گر نه بر دُر صدف نقاب شدی / قطرهٔ آب باز آب شدی

دانه بے کِشت کے ببار آید / آسماں بے زمیں چه کار آید

بے پدر ممکن ست شد معلوم / چوں مسیحا ز مریمِ معصوم

لیک بے مادرِ خجسته وجود / ولدے را نگفت کس مولود

اے تنت را بجانِ من پیوند / که هم[ن۱] مادرے و هم فرزند

تو بدیں پایه کز قضا داری / گر نهی پا بدیده جا داری

سر برآر از مبارک اخترِ خویش / که مبارک تری ز جوهرِ خویش

آنچه نفسِ تو با صلاحِ تن ست / چوں تو خونِ منی صلاحِ من ست

گرچه خُردی کنوں و بے[ح۲] تمیز / روزی آخر بزرگ گردی نیز

تا بود در بزرگیت دستور / خورده[ح۳][ن۴] چند گویمت مستور

از عروسی شوی چو درخورِ تخت / عصمت خواهم[ن۵] اوّل آنگه بخت

از منت آنکه اوّلیں پند ست / جهد بر طاعتِ خداوند ست

تا توانی خدا پرستی کن / وز نیاز خدائے مستی کن

ن۱ ر= توهم

ح۲ نافهم ۱۲

ح۳ نکتهٔ باریک ۱۲

ن۴ جب= نکتهٔ

ن۵ جب= بیش خواهم

بایدت ہمچو دیدہ عزت و تاب | باش چون[1] چشم خویش در محراب
نیکنامی طلب کنی در پوست | پارسا باش پارسائی دوست
گیرمت سلک گوہری نہ بود | بہ ز تسبیح زیورے نہ بود
پاک تن باش ہمچو آب سپہر | بلکہ پاکیزہ تر ز چشمۂ مہر
تا شوی[2] ہمچو مہر در ہر سوے | از پس چار پردہ روشن روے
کوش کز کشتن جوانی خویش | مردہ باشی بزندگانی خویش
تا من از زندگانی تو بہ راز | از پس[3] مرگ زندہ گردم باز
زن[4] چناں بہ کہ مرد روے بود | تا زناں را بہ پردہ شوے بود
زن اگر مرد مرد تدبیر ست | سوزن و دوک[5] نیزہ و تیر ست
گرچہ[6] زر باشدش فراخ نہ تنگ | تا نداری ز دوک و سوزن ننگ
دوک و سوزن گذاشتن نہ فن ست | کآلت پردہ پوشی بدن ست
پا بدامان عافیت در کن | رو بدیوار و پشت بر در کن

---

[1] یعنی چنانکہ چشم بمحراب ابروست تو خود را بمحراب عبادت بدار ۱۲

[2] ن حجب = بوے

[3] اے نام من بسبب اوصاف حمیدۂ تو دوبارہ زندہ گردد ۱۲

[4] اے آن زن بہترین زناں ست کہ در جوہر انسانیت ہر نوع کامل بود تا دیگر زناں را کہ از وے فرو تر باشند معلم اندرون خانہ باشد چنانکہ زوج از روے تمیز و ہنرمندی معلم زوجہ باشد ۱۲

[5] دوک آہن دراز کہ آں را ہندی تکلہ نامند ۱۲ [6] ن حجب = گرچہ زر باشدت فراخ چو تنگ

راهِ در کم کن اندرونِ سرای — در میشل خضرِ در زند مگشای

تا سرت از شرف بماه شود — مقنعت افسر و کلاه شود

زن که از شرم خو کند بسرا — ستر[۵۲] هانی ستاره ها قمرا

گوشه گیران ستوده نام بوند — کوچه گردان فراخ گام بوند

زن که در کوچه ها تبگ باشد — زن نباشد که ماده سگ باشد

کم دود ماده شیرِ خون آشام — گربه باشد جهنده بام ببام

کبکِ پنهان خرام را بوطن — حجره باید چو بیضه بے روزن

زن که در زنشش شتاب بود — برفتد گرچه آفتاب بود

روزن ار خود چو چشمِ سوزنِ تست — وان که راهِ بروں شدِ[۵۳] تنِ تست

در تماشای روزنت هوس ست — روزنت چشمِ سوزنِ تو بس ست

پرگهر بایدت خزانۂ خویش — باش با تنگِ[۵۴] خود بخانۂ خویش

گرچه گوهر ز سنگ نیک ترست — سنگِ مردم نکو تر از گهرست

نفسِ مردم چو یاوه گرد بود — نیک زن به ز نیک مرد بود

مرد کردارِ خوب را سبب ست — خوب کرداری از زنان عجب ست

لا سجب = بر سرت کلاه شود [۵۲] یعنی در پرده پوشیده شدن او همچو ماه پسندیده است ۱۲

[۵۳] شدِ تن تست اے شدن تن تست و معنی بیت اینکه روزن خانه اگرچه بقدر روزن سوزن باشد تاهم آن روزن را کمتر قیاس مکن آنقدر هم راه بروں شدن تنِ تست اے رسوا شدن ترا بس است ۱۲

[۵۴] با تنگ خود شدن با وقار خود ماندن ۱۲ [۵۵] شنه = رَوِش

تلخ گوید ارچہ نوش لباں — تا نگیری ترنّم[1] جلباں[1]

با دپیچ[2] و دوکے[3] کہ لعب زن ست — بروے ایں چنیں ست آں سن ست

دفت شاں بی بہراین دشمن و دوست — فتنہ را بانگ می کند در پوست

آنکہ اوّل سرود سادہ بود — در نہایت صلاے بادہ بود

ذات بی جفت باید ت بہنفت — با ہمہ طاق باش جز با جفت

بوفا با حلال یاری کن — نعمتش را حلال خواری کن

از عروساں خزینہ داری بہ — راست گوئی و راستکاری بہ

خازنے کو بدزدی آرد روے — دزد گویش خزینہ دار مگوے

مرد اگر یک قراضنہ[4] کار کند — زن یکد با نوی ہزار کند

چوں ز شو خرج زن فزوں باشد — حال سامان خانہ چوں باشد

ہر زنے کز سخاوتش فردی ست — نا جواں مردیش جواں مردی ست

دل نگہبان رخت باید داشت — گرہ خویش سخت باید داشت

در زن آرد دو فتنہ رسوائی — سیم پاشی و پیکر آرائی

گرہ نقد را چو داری سست — دست از آبرو بباید شست

بس عروساں کہ فتنہ جوی شدند — از سفیدہ[5] سیاہ روے شدند

---

[1] ترنّم بمعنی سرائیدن ۔ سرود و معنی جلبان زن بدکار ۱۲ [2] جھولا ۱۲

[3] س = دار سیج و دوکے کہ گرد ۔ [4] قراضنہ بمعنی ریزۂ زر و سیم مستعمل ۱۲

[5] غازہ یعنی پوڈر ۱۲

سرخیِ بد زرد و بباید شست | سرخیِ[۱] روت سرخ روئی تست

چوں شدی بہر ہفت[۵۲] نہ دریغ | نقد عصمت فتاد[۲] در شش و پنج

خالِ شب رنگ[۳] کز فساد کشی ست | ہمچو خالِ سفید بر حبشی ست

خال چوں نقطۂ گیاہ شود | ہم بیک نقطہ رو سیاہ شود

خالِ بد بر رخ ست داغِ ہلاک | خال بر جبہہ نہ ز سجدۂ پاک

اگر آئینہ بایدت در پیش | پیش نہ آئینہ ز زانوے خویش

دگرت شانہ باید اندر مشت | شانہ امشت کن ز شانۂ پشت

ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال | بارضاے حلال ہست حلال

ور حلالِ تو ہست بے پرہیز | در حرم خانۂ خداے گریز

در ہمہ کار و بار در ہمہ جاے | مشرفِ حالِ[۴] خود شناس خداے

گر خدایت کند بعصمت شاد | بدعاے کنی ز خسرو یاد

آنچہ من دیدمت صلاح در آں | کردمت پردہ پوشیِ پدراں

وانچہ موقوفِ جہد کردنِ تست | تو کن آنرا کہ آں[۵] بگردنِ تست

یاربت رہ سوے رہائی باد | بارہا خندہ آشنائی باد

---

۱ جب = سرخ روئیت ۔ ۵۲ مراد از آرایش تمام باشد کہ آنرا ہندی سولہ سنگار نامند ۱۲

۲ ب = نہادہ ۴ جب = کار

۵ جب بہم

صفتِ دلارام کہ سررشتۂ گیسوی مشکینِ او تعلق بہ چنپیت داشت دوست بازی بہرام با آں کمندِ صید گیر در شکار و نخچیر کردنِ گوراں و گرماگرم داغ برانِ ایشاں نہادن

گنج پیمای ایں خزانۂ پُر	از خزانہ چنیں کشاید دُر
کآفتابِ جمالِ بہرامی	چوں شد از نور در جہاں نامی
پدرش رخت زندگانی بست	او بجای پدر بتخت[1] نشست
خسروی را نشانِ کار گرفت	کارِ عالم بدو[2] قرار گرفت
سرکشاں را ز[2] تیغ مالش داد	سرِ شاں را بخاک بالش داد
مخلصاں را ز مہربانیِ خویش	کرد سرمستِ دوستگانی[3] خویش
شرق و غربِ جہاں نماند کسے	کز خلافِ رضاش زد نفسے
وانکہ رو در خلافِ رایش کرد	سرِ خود را نثارِ پایش کرد
بر رعیت فگندہ سایۂ جود	کز[4] جہاں کس نماند ناخشنود
زاں نمودارِ عدل در ہمہ چیز	شہری آسودہ روستائی نیز
آنچناں ضبط شد ممالکِ خاک	کز ستم گشت روی گیتی پاک

---

[1] نجب = برو. [2] حر = بتیغ [3] پیالہ نوبت خویش کہ از راہ محبت و اخلاص بدیگرے دہند و در سراج اللغات نوشتہ پیالہ پُر از شراب کہ دوستاں بدوستاں دہند کہ بیاد فلاں بخورش ۱۲ [4] م = در.

گشت زانگونہ کارِ عدل بزرگ — کایمنی یافت گوسپند از گرگ
سرِ موی کجی زد ہر نخاست — چوں سری کو بشانہ گرد درست
چوں بدیں گونہ ضبط گشت جہاں — رفت در خاک بادِ کج کلہاں
شہ طلب کرد استواراں را — نیک رایان و راستکاراں را
ہر کرا دید در خرد بیشی — داد با شغلِ دولتش خویشی
کار[۵۱] دلے نشد بروے زمیں — جز خردمند راستکار و امیں
عہدۂ ملک چوں بدیناں[۵۲] بست — خود بفارغ دلی بیادہ نشست
عیش میکرد و کامِ دل میراند — • بادہ می خورد و گنج می افشاند
چوں ببادہ صلای عام زدے — خلق بر زرِ ریختہ گام زدے
مجلس آراستی زنا موراں — صف زدندی زہر کرانہ سراں[۵۳]
گہ بقولِ ندیم دادی ہوش — گاہ پندِ حکیم کردی گوش
جستی از مطربانِ چابک دست — آنچہ بی می تواں شد از وی مست[۵۴]
چوں دل اندر ترانہ دادے — بسرودے خزانہ دادے
روز تا شب دریں خجستہ شمار — جز زر افشانیش نبودے کار
در بخلوت نشاط فرمودے — خرم[۵۵] آنکس کہ محرمش بودے

---

۵۱ جب = کا. دانش ن = کاردارش ۵۲ جبن = برایشاں ۵۳ بمعنی سرداران ۱۲

۵۴ مراد از نغمۂ ترکہ بوجد آرد ۱۲ ۵۵ نسخہ = فرخ

حاضرِ خدمتش غلامے چند | گشتہ ہمتاش[۵۱] در کمان و کمند
در خور[۵۲] مجلس و مصاف ہمہ | ناوک انداز و موشگاف ہمہ
کس نیارست در گہہ و بیگاہ | دُور بودن دمے ز خدمتِ شاہ
خاصہ تر زاں ہمہ کنیزے بود | آں فتے در تہِ سپہرِ کبود[۵۳]
اصلش از چین و رُخ چو صورتِ[۵۴] چیں | گیسواش چوں سوادِ چیں مشکیں
بسکہ کردے بہر دلے آرام | بدلارامیش برآمد نام
دیدنش کز صلاحِ دوری داد | سینہ را داغِ ناصبوری داد
رنگ و بویش بکار طنّازی | ایں بدل دزدی واں بغمّازی
قامتے در خوشی چو عمرِ دراز | ہوس انگیز تر ز عشقِ مجاز
بر چو نارنجِ نو بشاخِ درخت | سخت رُستہ ز صحبتِ دلِ سخت
روی گلرنگ دادہ گل را رنگ | دہنش تنگ با شکر ہم تنگ
سر در آوردہ ابروانش بکار | چوں مقامر[۵۵] بکعبتینِ قمار
ہر طرف کابروی بہ خم کردے | آرزو بیش و ہوش کم کردے
چوں بدنبالِ چشم کردہ نگاہ | بردہ صد رہ رہ زندہ را از راہ
طرّہ را سر زدی بجوں خواری | چشمہاے ز شرم زبیمارے

---

[۵۱] ہمسر ۱۲ [۵۲] خور بمعنی لائق ۱۲ [۵۳] سرن = آفتابے بزیر چرخ
[۵۴] صورت بمعنی تصویر ۱۲ [۵۵] مقامر قمار باز و کعبتین پانسہ ۱۲

نرگسش دورباش و غمزه خدنگ — لعل در آشتی و عشوه بجنگ

نیم دزدیده خنده زیر لبش — کرده تعلیم دزدیِ عجبش

سخنِ تلخ در لبش چو نبات — مرگ را داده چاشنی زحیات

لعلِ او کرده بر شکر میرے — شهد را داده چاشنی گیرے

خالِ او گو هزار پرده درید — عالمے را بکنجدے بخرید

گیسوے پیچ پیچش از سرِ ناز — داد بر دستِ فتنه رشته دراز

تنے از نازکی درونه فریب — پاے تا سر همه لطافت و زیب

رگ مو وه برون ز لطفِ بدن — همچو رشته درونِ دُرِّ عدن

خونش در پوست از تنک[1] سلبی[2] — همچو مے در زجاجهٔ حلبی

در تماشاش روز و شب بهرام — همچو جمشید در نظارهٔ جام

ره سوی صیدگاه و بیگاهش — آهوئے شیر گیر همراهش

داشت میلے تمام در نخچیر — گورِ صد شیر کنده بود به تیر

بود در کارِ تیر پُر هنرے — که نبود از هنر چناں دگرے

آهنِ تیر چوں محک کردے — خطِ گوراں ز پشت حک کردے

ور ز آهو بُدے نشانهٔ او — موئے بشگافتے ز شانهٔ او

ور شدے بر نشانه سخت انداز — رخنه در کوهِ[3] قاف کردی باز

---

[1] جب = سبک   [2] لباس ۱۲   [3] حجب = ناف ۱۲

زانش بارانِ تیر محکم بود — که کمانش کمانِ رستم بود

بیشتر در شکار خوردے مے — خانۂ زین نشاط خانۂ وے

بادہ جز با کبابِ شور نخورد — ہیچ خوردے چوران گور نخورد

رغبتش جز بصیدِ گور نبود — با دگر وحشیانش شور نبود

گور چنداں فگندے از سرِ شور — کہ شدی پشتہا چو گنبد گور

گرچہ بو[۱]د از براقِ[۵۲] کوہ گذار — ق صد طویلہ بہر طویلہ ھزار

لیک بود اشقرے[۵۳] گزیدۂ شاہ — چیرہ تر ز ابلق[۵۴] سپید و سیاہ

بادپاے کہ چوں لگام شدے — تگ زدن بر صبا حرام شدے

در برآہنگِ تگ بروں جستے — وہم را دست و پاے بر بستے

مرغ بود ارچہ پر نبود درو — ماندگی را گذر نبود درو

شاہ خوش کردہ در تہ رانش — دادہ سیا[۲]حیِ بیابانش

چوں بصحراش گرم کردی پشت — گوشِ گوراں گرفتے اندر مشت

بسکہ بُد اعتماد بر خویشش — کہ نشد ہیچ وحشی از پیشش

گور گو چند بود نیرومند — یا بدستش گرفتے یا بکمند

۱؎ حجب = بود شش — ۵۲؎ معنی بیت آنکہ از چناں اسپاں سریع السیر کہ کوہ را ہمچو برق گذار مید اشتند صد طویلہ مہیا بود و در ہر طویلہ ہزار ہزار اسپ ۱۲ — ۵۳؎ ہر شے سرخ کہ رنگش بزردی و سیاہی زند و اسپ سُرنگ را نیز گویند و گاہے بمعنی مطلق اسپ ہم می آید ۱۲

۵۴؎ ابلق سپید و سیاہ شب و روز یعنی از ابلق ایام ہم غالب و تیز تر بود ۱۲ ۲؎ با = سّباحی د = مسّاحی

چوں زکشتن ستوہ شد رایش ق دل چناں گشت کار فرمایش
کہ ازاں پس بہ بیشہ و ہاموں زاں دہاں بستگاں نریزد خوں
گلۂ گور کآیدش بنظر ندہد ناوکش خراشِ جگر
زندہ گیرد بزور بازوی خویش گندش وزن در ترازوی خویش
بخشد آنگاہ زیور نامی ران او راز داغِ بہرامی
چوں بہ توقیعِ خویش کردش خاص دہدش از کمند خویش[۱] خلاص
دل زآزار بے زباناں شست ویں نیت کرد در درونہ درست
بعد ازاں چوں بروں شدے بشکار کم رسیدے رمیدہ را آزار
بیشتر گورِ خورد سال وجواں ق کہ رواتر بدی زبانِ[۲] درواں
در کمندش بحکم بر بستے باز گشتی و شاد بنشستے
گرم بر رانش داغ فرمودے خطّ آزادیش ہماں بودے
گور بر جستے و براہ شدے بندۂ داغدارِ شاہ شدے
چرخ زاں گورگیری بہرام گورخانِ زمانہ کردش نام
از بسے گور کاں نشانے یافت[۳] عالمے داغِ گورخانی یافت[۴]
تا دریں کہنہ گورخانہ پست گورخاں ہم زداغ گور نرست

---

[۱] جب = فتنہ [۲] ج = غصّہ [۳] جب = آب

[۴] جب = داشت

حکایت اندنِ بهرامِ شیرگیر با دل آرام در نخچیر و هنر نمودن بهرام بر آهو به تیر و جهان گرفتن بهرام و غزاله خود را آهو گرفتن و در بیابان گذاشتن

بامداداں کہ ایں غزالہ[1] نور — مشکِ شب را نهفت در کافور

شاہِ بهرام هم بعادتِ خویش — تو سنانِ شکار جست به پیش

اشقرے خاص زیرِ راں آورد — لرزه در بادِ مهرگاں آورد

نازنیں را هم از شکیبیِ خویش — کرد همره زنا شکیبیِ خویش

شاهِ بهرام ترکِ بهرامی — کرد صید کشش بصد دلآرامی

هر دو پویه زناں براه شدند — صید جویاں بصیدگاه شدند

تگ زناں میشدند گشت بگشت — آهواں میزدند دشت بدشت

شاه برزه نهاد تیر بوزن[2] — می کشانید شیر را زگوزن

زیں میاں ناگه از کرانهٔ دشت — آهوے چند پیشِ شاه گذشت

گفت باشه غزال شیر انداز — کاهو آمد بسوے شیرِ فراز

هر یکے را ز تو چناں جویم — کانچناں افگنی که من گویم

گرچه تیرت بحکم پُر هنرست — آنکه حکمی ست حکمِ آں دگرست

---

[1] مراد از آفتاب ۱۲ [2] تیر بوزن نهادن نشانه سنجیدن ۱۲

زاں دلیری که کرد ماه تمام ق گفت بااو بزیرکی[1][2] بهرام

که لبِ شیر چوں بخندد دیر | کے کند آهو آزمایش شیر

لیک چوں پیشهٔ من آمد تیر | مرد را کے بود ز پیشه گزیر

باز گو تا زنم بدانائی | هر یکے را چنانکه فرمائی

سیم بر هم برخصت شاهی ق گفت کایں خواهش از من خواهی

تا دو کے زن برآهوے ساده | که شود ماده نر، نرش ماده

شاه دریافت خورده دانی او | تاخت مرکب بهم عنانی او

بخدنگے دو شاخِ آهوی نر | بر دزانگونه کو نداشت خبر

ضرب[3] بر فرق او بدانساں راند | که ازاں تا بماده فرق نماند

کارِ نر چوں بمادگی انداخت | سوے ماده که نر کند در تاخت

دو یک[4] انداز را بهم پیوست | پس برآهو روانه کرد[5] بشست

هر دو در سر چناں نشاندش[6] غرق | که دو شاخش پدید کرد بفرق

زاں دو شرطِ هنر که درخور کرد | کرد نرماده، ماده را نر کرد

کرد چوں خواهش صنم همه[7] راست | از وی انصافِ آں هنر درخواست

پاسخش داد ماهِ نوش لباں ق کای کمانِ[7] تو عقد بند[8] زباں

---

[1] جب = تیرگی [2] ح = طیرگی [3] رح = چوبه [4] دو یک اندازآنرا گویند که دو تیراز یک کمان یکبارگی زنند ۱۲ [5] جب = گشت [6] جب = را [7] ح = کمال

[8] کمان تو عقد بند زبان ست یعنی زباں صفتِ کمانِ تو کردن نمی تواند ۱۲

این هنر قدرتِ خداوندی | جادوے بود نی هنرمندی
کلکِ تیرت براستی آن کرد | که باندیشه راست نتوان کرد
لیک آنجا که راست اندیشی ست | دستها راز دستها بیشی ست
بیں که تا نفگنی زبینش بیش | بینشِ خویش را زبینش خویش
کانچه زیں کردهات نغز نمود | نیز زاں نغز تر تواند بود
شاه را تیره کرد گفتارش | زعفراں گشت رنگِ گلنارش
جوشِ صفراش تلخ[۱] کرد دروں | ریخت تلخی بزهر خند بروں
سرکهٔ ابرواش زبس تندی | داد دندانِ لطف را کندی
گفت کای درخورِ جفاؤ بدی | این چه گستاخی ست و بیخردی
شیر گیری ببیں[۲] که در نخچیر | گشتی از شیر شرزه آهو گیر
منکه کارم همه نمونه بود | دیگرے به زمن چگونه بود
ور به نزدت به از من ست کسے | نزدِ داور و که چون من ست بسے
این سخن گفت و پے بکیں[۳] افشرد | او فگندش ز زین و مرکب برد
شه شد و نازنیں برنج بماند | اژدها بر گذشت و گنج بماند
باشهاں هرچه بر خلافِ رضاست | نتواں گفت گرچه باشد راست
هر که شد راست گو بدادِ خویش | زد به تیغ زبانِ خود سرِ خویش

---

[۱] ن = تیره [۲] رجب = نگر [۳] س = کمن

مانده بے خویشتن صنم تا دیر | تشنه و غرقِ آب و از جاں سیر
پس بصد خستگی ز جا برخاست | راهِ صحرا گرفت و میشد راست
بسکه منزل بدشت و یواں داشت | سایهٔ خویش دیو می پنداشت
بسکه رهبر سنانِ تیزش بود | موزه غربالِ خاک بیزش بود
از کفِ پای خارہاے چو تیر | میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکه از برگِ گل فگار بود | چوں شود چوں بروی خار شود
کس نه همراه و رهنماش مگر | سایه در زیر و آفتاب زبر
می نمود اندر آں پریشانی | گفته و کرده را پشیمانی
ز آں بساط دد انِ آهو خای | کرده بیم دد انش آهو پای
بیم بودش که پا شود بطواف | چوں سمِ آهو از میانه شگاف
قدرے چوں بریں نمط بشتافت | گذر اندر سوادِ دیهے یافت
خانهٔ چند و کشت زارے دید | تازه شد کاں نجاں بهارے دید
آں دهے بود بر کرانهٔ دشت | کآدمی هیچ ز آں طرف نگذشت
مردمانِ چو وحشِ صحرائی | خو گرفته درو به تنهائی
بے خبر از فنا نهاے سپهر | بے گماں از بهانهٔ مه و مهر

---

۵۱ رجب = غولاں ۵۲ حجب = غربیل ۵۳ از بسکه راه دل آرام بر سر خاره و خارا بود موزهٔ پاے او مثل غربال سوراخ سوراخ گشته خاک بیزی میکرد ۱۲

۵۴ دداں یعنی درندگاں ۱۲

آمد آن مه در آن خرابه شتاب | همچو مهتاب[1] کو فتد بخراب
در شد اندر کریچ[2][3] دهقانے | در سفال شکسته ریحانے
بود دهقان جوان آزاده | هم هنرمند و هم ملک زاده
کرده علم سه[4] گانه را تعلیم | تا یگانه شده بهفت اقلیم
سبق حکمت بروم کرده درست | کز سپهر و زمین چه زاده چه رست
فیلسوف الٰهی از تمیز | در طبیعی و در ریاضی نیز
طرفه بربط زنی گزیده سرود | دست او[5] شد چو ابر برق برود
باز دانسته پرده[6] ها را راز | مضحک و مبلی و منوّم ساز
گوشه گیر جهان فرشته سرشت | مرغ قانع شده بدانه کشت
واقعات زمانه دیده بسے | گرم و سرد فلک چشیده بسے
بسیاحت بسے زمین دیده | دامن از کار دهر برچیده
یک بیک زیر دست خود کرده | چار ساز و دوازده پرده
بربطش چون نوا برآوردی | جان ز تن بردی و در آوردی
چون نگه کرد سرو سیمین را | ق | روے گلرنگ و زلف مشکین را

ه۱ اینجا مراد ضیاء مه یعنی چاندنی باشد ۱۲ ن۲ س = به کنج ه۳ کریچ بمعنی خانه که دهقانان از کاه و سے سازند بهندی جهونپڑا ۱۲ ه۴ الٰهی ریاضی طبیعی هر سه اقسام حکمت نظریه ۱۲ ه۵ عجب دستے چون ابر و برق بر سر رود ه۶ پرده هاے موسیقی دوازده اند هرکه در آنها کمال دارد سامعین را می تواند که خنداند و گریاند و خسپاند ۱۲

ماند[۱] حیراں کہ ایں چہ جانورست | واندریں دشتش از کجا گذرست
ایں پری از کجا پدید ایں جا | ور پری نیست چوں رسید ایں جا
خاست از جای ہمچو باد رواں | رفت در پیش سرو آزاد[۲] جواں
گفت کای چشم بد ز روی تو دور | کیستی تو بدیں لطافت و نور
ملکے یا پری و یا مردم | خبرے دہ کہ باخبر گردم
صنم تنگ دل ز تنگدلی | داد بیروں دمے بصد خجلی
گفت یک یک ز جانِ بی آرام | قصۂ خویش و غصۂ بہرام
چوں خردمند یافت آگاہی | کآں درست از خزانۂ شاہی
گفت آنجا کہ کار نامہ تست | شرفِ من ز بار نامہ تست
چوں تو شائستۂ خداوندی | من پذیرفتمت بفرزندی
گر قناعت کنی بخشک و ترے | حاضر خدمتم بما حضرے
ور دلت راست جانبے پرواز | دل دلِ تست من ندانم[۳] باز
صنمش گفت چند گہ بارے | خواہم افگند بر درت بارے
چوں بفرزندیت شوم پیوند | پرورش واجب ست بر فرزند
گرچہ مہمانِ تو گراں جان ست | نتواں راندنش کہ مہمان ست
من ہم از حق شناسیِ کہ مراست | عذر حق ہائے تو توانم خواست

---

۱ جب = گشت | ۲ از سرو آزاد مراد دلآرام باشد ۱۲ | ۳ جب = ندارم

چوں بسے دُر ز درج نوش کشاد | شب چراغ دگر ز گوش کشاد
داد بر دست مرد گوہر سنج | گوہرے قیمتش فراواں[1] گنج
خواجہ زاں اختر فلک پایہ | بر زمیں در فتاد[2] چوں سایہ
گرچہ بود از شکوہ محترمے | گشت شرمندۂ چنیں کرمے
غرفۂ[3] داشت ساخت منزل وے | کرد ترتیب نقل و میوہ و مے
چوں مزاجش بزیرکی دریافت | در سرش ریخت ہرچہ در[4] سر یافت
ہر[5] ہنرہا کہ بود حاصل او | از دل خویش ریخت در دل او
کردش اُستاد کار در ہمہ کار | خاصہ در پردۂ بریشم تار
چندگہ جادوی شد اندر ساز | کہ بکشتے و زندہ کردی باز
چوں نمود آزمون کردۂ خویش | خواست بیروں[6] فتد ز پردۂ خویش
حجتے از سوی شاہ سست کند | دعوی خویش را درست کند
چوں شدی باد صبح نافہ کشای | برنشستی برخش آہو پای
برگل تر نقاب بربستی | سایہ بر آفتاب بربستی
لالہ را در قبا کشیدی تنگ | سرو را خانہ ساختی ز خدنگ
تیر ترکی[7] و کیش تاتاری | راست کردی ز بہر خونخواری

---

[1] جب = ہزاراں [2] حر = بوسہ داد [3] یعنی بالا خانہ ۱۲ [4] ح = وز
[5] جب = تا کہ [6] بعد آموختن ہنرہا دلارام خواست کہ خود را ظاہر گرداند و مشہور اطراف و اکناف عالم گردد ۱۲ [7] ب = ز

در همه جای گاه و بیگاهش | بربطِ عاشقانه همراهش

کشتی آهوی دشت را بستیز | گه به پیکان و گه بزخمهٔ تیز

همچو[۱] پیکانش[۵۲] زخمه[۵۳] در خون بود | چوبِ او از پلارک افزون بود

زان دهان بستگان[۵۴] بفرمانش | دل ربودی زبانِ پیکانش

ور از انجاسے برگرفتی گام | بنوازش گریش کردی رام

برکشیدی نخست نالهٔ زار | تا ربودی ز وحشِ دشت قرار

همه در پای بوسِ سروِ جوان | آمدندی بپای خویش دوان

سو بسو صف زدندی از کم و بیش | غائب از خویش و حاضر اندر پیش

همه را چون بهم در آوردی | زخمه بر بربط تر آوردی

پس منوّم[۵۵] چنان زدی بصواب | که شدی چشم آهوان در خواب

چون شدندی ز خواب خوش بهوش | باز شان زخمهٔ[۲] زدی در گوش

که از ان جسته باز جستندے | رشته[۳][۵۶] بر رشته باز بستندے

این خبر شهره گشت در آفاق | کز جهان جادوی بر آمد طاق

کاهو از دشت سوی خود خواند | کُشد و باز زنده گرداند

---

۱ ب = همه ۵۲ یعنی پیکان و زخمه دلارام هر دو در خون ریختن برابر بودند ۱۲

۵۳ زخمه هر چیز که بآں سازها نوازند و پلارک بفتح اوّل و چهارم شمشیر و جوهر تیغ و نوعی از فولاد ۱۲

۵۴ مراد از وحشیان صحرائی ۱۲ ۵۵ یعنی نغمهٔ خواب آور ۱۲ ۲ ح = جسته

۵۶ یعنی قطار بر قطار ۱۲ ۳ ح = رسته تا رسته باز رستندے

دخترے سر مہرِ دہقان ست | خاتمش در خورِ سلیمان ست
گفتگوی بہر کراں اُفتاد | غلغلے در ہمہ جہاں اُفتاد
ایں عجب کایں بگوشِ گیہاں[۵۱] ماند | ہر کہ در گوش کرد حیراں ماند
از پژوہندگانِ[۵۲] درگاہے | یافت دارای[۵۳] دولت آگاہے
زاں ہوسہا کہ بود در بہرام | زیں خبر در دلش نماند آرام
باد داد آں عناں بصحرا داد | سرو[۵۴] را باد و باد را پا داد
چوں تمنای آں تماشا داشت | رفت جای کہ آں تمنا داشت
پیش ازاں رفتہ بود جادوی مست | چشمِ آہو بجادوی می بست
گفت بہرام کارزو دارم | کہ ہنرہا پیشِ چشم آرم
ہر متاعے کہ ہست در بارت | عرض کن چوں منم خریدارت
نازنیں را کہ ایں ہمہ دد و دام | بود بہرِ شکنجۂ بہرام
زاں تمنای شہ کہ در خور یافت | جای جولانِ خویشتن دریافت
گشت ہمراہِ شیرگیری شاہ | تا زند راہِ آہواں زاں راہ
چوں زد آہو بسے و گوراندخت | لحن آہو نواز را بنواخت
آہوانِ رمیدہ با دل[۵۵] خویش | پای کوباں درآمدند بہ پیش

---

[۵۱] یعنی دنیا ۱۲ [۵۲] یعنی جاسوسان ۱۲
[۵۳] مراد از بہرام گور ۱۲ [۵۴] سرو مراد از قد و باد عبارت از اسپ تیزرو اسے براسپ سوار شد و باد را پا داد اسے جولان کرد ۱۲ [۵۵] ح = با دل ریش

چوں سوی خویش خواند شاں بسرود	پردهٔ خواب ساز کرد برود
درزماں کآں نفس فرو بردند	همه خفتند گوییا مردند
چوں دمے دیدہا فروبستند	ساخت آں زخمهٔ که برجستند
زاں نمونه که شرح نتواں داد	زنده را کشت و کشته را جاں داد
دید چوں شاد سحرمندیِ او	بست چشمے ز زخم بندیِ او
لیکن آورد ہمچو طرّاراں	بر گهر طعنهٔ خریداراں
کایں چنیں ہا بسے ست اندر دہر	ہر کسے دارد از طلسمے بہر
کاردانی بکشوری نبود	که ازو کارداں ترے نبود
درشکر خنده شد بتِ شیریں	گفت آری ازآنِ ما همه ایں
زیرکاں در ہنر بوند تمام	لیک بهتر زمانه از بہرام
شاه کز ماده نر تواند کرد	به ازاں ہیچکس نداند کرد
وانکه از مرده زنده گرداند	آنچناں ہر که ہست نتواند
عدل و انصاف ده اگر دیں ست	ہم خود انصاف ده که عدل ایں ست
جوہری کو گہر فراواں سفت	راست گفت آنکه راست نتواں گفت

۱؎ حجب = ہم ۲؎ حب = پرده ۳؎ در = جسته ۴؎ حر = شه نیز

۵؎ اے بدل پسندیده ۱۲ ۶؎ بر = بچشم ۷؎ حب = بتواند ۸؎ حجب = اگر ره

۹؎ مراد از جوہری حکمای باکمال و از گہر سفتن کلمات حکیمانه گفتن ۱۲ ۱۰؎ ج = است

۱۱؎ از جمله کلمات حکیمانه یکے ایں ست که راست نتواں گفت چرا که الحقُّ مرٌّ ولوکان مُرّا ۱۲

۱۲؎ ح = بتواں

شاہ آواز آشنا بشناخت — ناوکش را نشانہ از جاں ساخت

دست زد برقع از رخش بربود — رُفت گرد از مُنہ[ن۱] غبار آلود

داد منزل بجانِ مشتاقش — در بر آورد چوں بغلطاقش[۵۲]

زد ز عذرِ گناہِ خود نفسے — عذر ہائے گذشتہ خواستے بسے

پس بصد شادی و دلآرامے — باز بردش بتختِ بہرامے

دل کز آں پیش مہرباں بودش — بیش ز آں شد کہ بیش ز آں بودش

زاں ہنر کز دو سوئے پیدا گشت — ہر کہ در گوش کرد شیدا گشت

زاں عجائب کہ داستانے بود — داستانے بہر زبانے بود

شاہ فرمود کاں دو صورت[۵۳] حال — آید اندر نمونۂ تمثال

نقشبنداں بخامۂ تصویر — در خورنق[۵۴] نگاشتند سریر

گفتار در آراستہ شدنِ حور و قصورِ ایں فردوسِ پُر حورِ بے قصور و بہشتی گشتنِ بہرام در آں

نقش پردازِ این گہن[ن۵] پرکار — نقشہا را چنیں کند برکار[ن۶]

ن۱ جب = رخ ۔ ۵۲ غلطاق قبا یا پیراہن و بغل بند ۱۲ ۔ ۵۳ یعنی سرگذشت بہرام و دلآرام ۱۲

۵۴ خَوَرنق بروزن سکرلب نام ایوان بہرام گور ۔ حاصل بیت آنکہ از حکم بہرام نقاشان تصویر بہرام و دلآرام و شکارگاہ و صورت اظہار ہنرمندی ہر دو در محل و تخت نقش کردند ۱۲

ن۵ ح = گہر ۔ ن۶ س = بہ نگار

که چو بهرامِ گور در پۓ گور | پے به پے داد گور پا[۵۱] را زور
آں هوس شاه را بسر می بود | روز تا روز بیشتر می بود
تا براں گو نه شد که خسروِ عصر | هفته بر هفته نآمدی سوی قصر
مهترانے که درگهه و بے گاه | خاصه بودند بهرِ خدمتِ شاه
زاں دویدن بدشت و بیشه و کوه | مانده گشتند و آمدند ستوه
هیچکس را نبود زهرهٔ[۵۲] شیر | که دمے برکشد ز سینه دلیر
کارداران شهر و لشکر نیز | آگهی شاں[۵۳] ز عهدهٔ همه چیز
از برائے حضورِ منعمِ خویش | مانده بودند سر فگنده به پیش
هر یکے را تا تلے بضمیر | ق | کز طریقِ کفایت و تدبیر
چه بود چاره کز نشیب و فراز | اژدها سوی گنج گردد باز
زیں نمط گفت و گوی میکردند | چاره را جستجوے میکردند
پورِ منذر که بود نعماں نام | در سبق هم جریدهٔ بهرام
پیشِ منذر رموزِ غیب نمائے | خوانده بودند هر دو در یکجائے
رای نعماں ز کوششِ شب و روز | گشته بود اخترِ سپهر افروز
دیده از بینشِ اولوالابصار | در همه کارها نهایتِ کار

---

۵۱ گور پا مراد از اسپ شکاری بهرام ۱۲

۵۲ یعنی جرأت نبود ۱۲

۵۳ حرجب = آں که شاں بود

حل کُنِ مشکلاتِ دانایاں — کسب ہمچوں عطائش بی پایاں
صنعت و حرفتِ ہنرمنداں — زانکہ نتواں شمرد صد چنداں
شہ زبس دانش و معانیِ او — ق — وز بزرگی و کاردانیِ او
در ہمہ ملک اشارتش دادہ — دستگاہِ وزارتش دادہ
زاں اشارت بجا پرار کانش — ہفت کشور مطیعِ فرمانش
بادشاہانِ شرق و غرب جہاں — بندۂ حکمش آشکار و نہاں
ہر کہ زابروش یک اشارت دید — پیشِ چوگانِ او چو گوی دوید
ور کسی در کشید ز و سرِ خویش — سرِ او پیش از و دوید بہ پیش
چوں زصحرا نوردیِ بہرام — مصلحت را گسستہ دید زمام
با خرد اندیشۂ منو دستگرفت — خواند لوحِ صواب حرف بحرف
وانگہی گفت با سرانِ سریر — کہ شما بگذرید زیں تدبیر
چند گاہے دریں کفایت و فن — مصلحت را رہا کنید بمن
تا بہر دانشے کہ من دانم — عزم شہ را عناں بگردانم
ہمہ گفتند گفت گفتۂ تست — قیمتے گوہرے کہ سفتۂ تست
چوں پذیرفت مردِ کاراندیش — سرِ اندیشہ را نہاد بہ پیش
تا چہ سازد کہ آورد از راہ — ماہِ گردندہ را سوی خرگاہ

لہ یعنی علوم اکتسابیۂ او ہمچوں سخاوتش بے پایاں بود ۱۲ — ۲ نادر ۱۲ — ۳ جب = فگند

کرد اندیشه یک شبے تمام — هفته بر هفته عشرتِ بهرام
بامداداں که شد جهاں پر نور — کامراں گشت همتِ دستور[۱]
جست دانای کار مردی چند — تجربه یافته ز چرخِ بلند
بود در پیش خسرواں بسیار — هم سخن گوے و هم پیام گذار
داد شاں یادگارهای[۲] گراں — در خورِ پیشگاهِ تاجوراں
چوں متاعے که بود شد تسلیم — کرد شاں نامزد بهفت اقلیم
کاورند از برای جلوهٔ بخت — هفت دختر ز هفت صاحب تخت
شاں[۳] بروں آمدند از[۴] همه ساز — هر یکے بر شهے شدند فراز
پیش بردند تحفهٔ نامی — باز جستند کامِ بهرامی
بادشاهاں بجاں رضا دادند — دختراں را بباد شا دادند
ره رواں بعد هفت ماه خرام — آوریدند هفت ماه تمام
بانواں را بپرده ها بردند — بوکیلانِ پرده بسپردند
چوں قوی شد بنای پردهٔ راز — کرد نعماں بنای دیگر ساز
برلب جوے مرغزاری جست — کز بهشتش نمونه بود درست
جاے[۵][۶] از خرّمی نشاط افزای — دلکش و جاں نواز[۷] و دیده کشای

---

۱ وزیر و مشیر ۱۲ ۲ یعنی تحفها ۱۲ ۳ جب = تا ۴ جب = با

۵ د جب = خاکی ۶ رج = خاکش ۷ جب = فزاے

جائگاهے کز اعتدالِ هوا | یافت رنجورِ چند ساله دوا

پیرِ فرتوت را جوانی داد | مرده را آبِ زندگانی داد

چون بران گونه روضهٔ دریافت | تازه کرد آن نیت که در سر یافت

هر چه سرمایهٔ عمارت بود | همه ترتیب کرد زود از زود

پس طلب کرد روزی از درِ کار[51] | فرخ از دو را ختران بشمار

خواند معمارِ کاردان را پیش | بازگفتش خیالِ خاطرِ خویش

کاینچنان بایدم کز استادی | کار سنجے بسخت بنیادی

زین اساسی بنی فراخ نه تنگ | زر زنی در عمارتِ گل و سنگ

از زمین تا فرازِ گنبدِ مهر | هفت گنبد برآوری چو سپهر

آن عمارت کنی که در همه ساز | چرخ زو خویش را[52] نداند باز

بانی[53] بود کاردان مردے | کز زمین آسمان بنا کردے

شیده نامی که هر چه پیدا کرد | خلق را زان نمونه شیدا کرد

منظر از خاک تا فلک بستی | فرشِ سنگین بر آب بربستی

شد بفرمان وفرّ نعمانی | مردِ داننده در عمل رانی

برده بنیادِ هر نمونه[54] بر آب | تا نگردد دگر ز آب خراب

---

[51] جب = سرِ کار
[52] اے آن گنبدها را چنان فراخ و بلند بنا کنی که فلک در میان خود و گنبدها فرق نداند که من کدام هستم و گنبد بهرام کدام ۱۲
[53] جب = بود بنّاے
[54] بیان عمق و استحکام بنیا دست ۱۲

وانگه از هفت گونه سنگِ لطیف — کرد ترتیبِ هفت اساسِ شریف
تا بر آراست از پسِ سالے — بر زمیں از سپهر تمثالے
هفت گنبد چو خرگهِ زربفت — کرده چوں هفت آسماں هر هفت
صفه[۵۱] خشت و گل چو کرد تمام — نوبت آمد بزیب[۵۲] جامه و جام
داده نعمانِ آسماں[۵۶] فرهنگ — زیوری هر یکے بدیگر رنگ
آنکه نو شد ز شنبه آئینش — چوں زحل بست رنگ مشکینش
وانکه یکشنبهش رساند نوید — زعفرانیش کرد چوں خورشید
وانکه بود اندر او دوشنبه راه — کرد[۵۳] ریحانیش بگونهٔ ماه
وانکه نو گشتش از سه شنبه نام — کرد گلنار گونش چوں بهرام
وانکه نسبت بچارشنبه داشت — رنگِ تیرش[۵۴] برنگ[۵۵] تیر نگاشت
وانکه از بهرِ پنجشنبه بود — کرد چوں مشتریش صندل سود
وانکه ز آدینه داشت معموری — رنگ دادش چو زهره کافوری
هفت گنبد چو رنگ و بوی گرفت — چادر و هفت ماهروی گرفت
هر یکے هم برنگِ مسکنِ خویش — جامه را رنگ داده بر تنِ خویش
چوں شد اسبابِ هفت خانه تمام — باز گفتند قصه با بهرام

---

[۵۱] درسحب = صنعت [۵۲] یعنی نوبت آرایش و تزئین مکانها آمد ۱۲ [۵۳] رحجب = ساخت
[۵۴] تیر اول بمعنی چوب راست سقف که آنرا بهندی شهتیر و کڑی نامند و تیر ثانی بمعنی عطارد که رنگش مائل به سیاهی ست ۱۲ [۵۵] جب = بنقش تیره [۵۶] بلند عقل ۱۲

انچه نعمانِ کارواں آراست	زآدمی زادگاں نیاید راست
آفریده درو چه کار کنند[۵۴]	ور کند آفرید گار کند
از صدا هفت گنبدِ تازه	هفت گنبد کند پُرآوازه
هفت[۵۵] هر یک چو چرخ نور سرشت	نسخهٔ[۵۶] روشن از سوادِ بهشت
گشت هر هفت قبهٔ جمشید	مطلعِ ماه و منزلِ خورشید
هر بتی و زنگار رخسانهٔ ناز[۵۷]	گه غزل گوی و گه سرود نواز
دم که در عاشقِ خراب دمند	بفسانه فسونِ خواب دمند
بسخن دردو دیده خواب آرند	خواب نیز از دو دیده بردارند
ساقیانی بصد دلآرامی	درخورِ بزم گاهِ بهرامی
خانه پُر ز آهوانِ شیر شکار	شاه را با شکارِ دشت چه کار
گر یکی زاں شکار یابد شاه	بشکارِ دگر نجوید راه
شاه کیں مژدهٔ نشاط شنود	میلِ طبعش عناں ز دست ربود
ترکِ پوئیدن شکار گرفت	بر سکونت دلش قرار گرفت
تافت از دشت سوی خانه عناں	در صنم خانه رفت گشت کناں
چوں رسید اندر آں خجسته سواد	گشت بر لاله کرد و بر شمشاد
بوی گلهاش مغز پرور گشت	مغزش از بوی گل معطر گشت

[۵۴] بعض بشر ۱۲   [۵۵] د جب = هست   [۵۶] س = نسخهٔ   [۵۷] جب = راز

بیشتر شد بہ بوستانِ فراخ — میوہ بر میوہ دید شاخ بشاخ

چوں درآمد بکار خانۂ نو — دیدہ ہر سو نگار خانۂ نو

جنتے پر ز حورِ زیبا دید — جاں ز نظارہ ناشکیبا دید

نیکواں[۵۱] آمدند با صد ناز — خاک روباں بگیسوانِ دراز

ہر یک آشوبِ عالمے ز جمال — صد جگر داغ کردہ از یک خال

پست کردند بر زمیں رُخِ خوب — چوں مہ و آفتاب گاہِ غروب

جبہہ را چوں ز خاک بر کردند — جبہہ شاہ را نظر کردند

در فشاندند[۵۲] بر زمیں چنداں — کہ زمیں شد چو آسماں خنداں

ملک آمد زبا دپاے بہ زیر — شد بمہمانیِ گوزناں شیر

ہر یکے را بپرسشِ تازہ — پرسشے کرد بیش ز اندازہ

رفت و بنشست بر سریرِ بلند — ہم نشینش ہماں عروسے چند

مجلسے یافت پر ز نعمت و کام — با حریفانِ نو نشست بجام

آنچناں شد بروی خوباں شاد — کش ز عیش گذشتہ نآمد یاد

خواند نعمانِ کارداں را پیش — بخششے کرد از نہایت بیش

آفریں کرد بر چناں رائے — کہ بر آراست آنچناں جائے

وانگہ از اختیارِ[۵۳] طالع و روز — شد بہر گنبدے نشاط اندوز[۵۴]

---

۵۱ مراد از ہماں نازنیناں و نیکو صورتاں ۱۲ — ۵۲ مراد از دعاہا و کلمات استقبالیہ ہا ادبِ شاہانہ ۱۲

۵۳ بمعنی خبر گرفتن ۱۲ — ۵۴ جب = افروز

نافه کشادنِ خلق بهرام روز شنبه در بهشت دوم در گنبدِ مشکیں با غزالهٔ هندی و طلبِ افسانه کردن

روز شنبه که باد مشک انگیز — شد بداماںِ صبح غالیه بیز

شه بگنبد سرائے مشکیں شد — خانه زو هم چو نافهٔ چیں شد

جامه را هم برنگ کیوانے — داد ترتیبِ عنبر افشانے

ماهِ هندی نژاد رومی چهر — خاست از خوابگاهِ ناز بمهر

خدمتِ خاص را میاں بربست — کمرِ بندگی بجاں در بست

کرد چوں ساقیاں برعنائی — نقل ریزی و مجلس آرائی

نازنیں گشت همنشیں با شاه — تازه کرده قِرانِ زهره و ماه

ز اوّلِ بامداد تا گهِ شام — عشرت و عیش بود باده و جام

شب چو بر رسم شد بعالمِ نور — گردِ عنبر فشاند بر کافور

شه ز مستی نمود رغبتِ خواب — هم ز گل مست بود و هم ز گلاب

جانش از ذوقِ بوسه مفتوں بود — مستیِ نقلش از مے افزوں بود

زاں پری پیکرِ بهشتی وش — خواست کافسانه سراید خوش

خاک بوسیده ماهِ سیمیں ساق — ق — گفت کای بادشاهِ روم و عراق

تا جهاں ست شهریاری کن — تخت گیری و تاجداری کن

آسماں مفرشِ سرائے تو باد ‏ ‏ هرچه جز تست خاکپای تو باد

من کیم هندوی شکسته زباں ‏ ق ‏ کیں دلیری کنم چو بے ادباں

لیک فرمانِ شه چو بر جان ست ‏ ‏ گویم از جاں هر انچه فرمان ست

ایں سخن گفت ولب کشاد زبند ‏ ‏ وانگبیں ریخت از دهن چوں قند

افسانه گفتن آهوی مشک دم و مشک بی پوست باز کرده از بطانه بیروں دادن

گفت وقتے بروزگار نخست ‏ ‏ بود شاهے بشهریاری چست

در سراندیپ[۵۱] پایهٔ تختش ‏ ‏ قدمِ آدم افسرِ بختش

عبره[۵۲] تا غزنیش مهیّا بود ‏ ‏ عبرهٔ دیگرش ز دریا بود

هوسے بودش از دل افروزی ‏ ‏ در چه دِرکار دانش آموزی

داشت پیوسته چوں نکورایاں ‏ ‏ میل بر زیرکاں و دانایاں

در دلِ هرکه دید دانش بیش ‏ ‏ خاص کردش بهمنشینی خویش

سه پسر داشت هوشمند و جواں ‏ ‏ هم توانگر بعلم و هم بتواں

بعلم گشته باعطارد جفت ‏ ‏ کارِ شمشیر خود چه باید گفت

---

۵۱ مزار مقدس حضرت آدم و حوّا علیهما السّلام همیں جا گویند ۱۲ ‏ ۵۲ عبره بالکسر محصولات که از کشتی نشیناں وجهاز نشیناں گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک هم آید پس عبره اوّل بمعنی مجازست وعبرهٔ ثانی در مصرعهٔ ثانیه بمعنی حقیقی یعنی سلطان بحر و بر بوده ۱۲

نافه کشادنِ خلق بهرام روز شنبه در بهشت دوم در گنبدِ مشکیں با غزالهٔ هندی و طلبِ افسانه کردن

روز شنبه که بادِ مشک انگیز | شد بدامانِ صبح غالیه بیز
شه بگنبد سرائے مشکیں شد | خانه زو هم چو نافهٔ چیں شد
جامه را هم برنگ کیوانے | داد ترتیبِ عنبر افشانے
ماهِ هندی نژادِ رومی چهر | خاست از خوابگاهِ ناز بمهر
خدمتِ خاص را میاں بربست | کمرِ بندگی بجاں در بست
کرد چوں ساقیاں برعنائی | نقل ریزی و مجلس آرائی
نازنیں گشت همنشیں باشاه | تازه کرده قرانِ زهره و ماه
زاوّلِ بامداد تا گهِ شام | عشرت و عیش بود باده و جام
شب چو بر رسم شد بعالم نور | گردِ عنبر فشاند بر کافور
شه ز مستی نمود رغبتِ خواب | هم ز گل مست بود و هم ز گلاب
جانش از ذوقِ بوسه مفتوں بود | مستیِ نقلش از مے افزوں بود
زاں پری پیکرِ بهشتی وش | خواست کافسانه سراید خوش
خاک بوسیده ماهِ سیمیں ساق | ق گفت کای بادشاهِ روم و عراق
تا جهاں ست شهریاری کن | تخت گیری و تاجداری کن

آسماں مفرشِ سرائے تو باد — ہر چہ جز تست خاکپای تو باد

من کیم ہندوی شکستہ زباں — ق — کیں دلیری کنم چو بے ادباں

لیک فرمانِ شہ چو بر جان ست — گویم از جاں ہر انچہ فرمان ست

ایں سخن گفت و لب کشاد ز بند — و انگبیں ریخت از دہن چوں قند

افسانہ گفتن آہوی مشک دم و مشک بی پوست باز کردہ از بطانہ بیروں دادن

گفت وقتے بروزگار نخست — بود شاہے بشہریاری چست

در سراندیپ[1] پایہ تختش — قدمِ آدم افسرِ بختش

عبرہ[2] تا غزنیش مہیا بود — عبرۂ دیگرش ز دریا بود

ہوشے بودش از دل افروزی — در چہ در کارِ دانش آموزی

داشت پیوستہ چوں نکورایاں — میل بر زیرکاں و دانایاں

در دلِ ہر کہ دید دانش بیش — خاص کردش بہمنشینی خویش

سہ پسر داشت ہوشمند و جواں — ہم توانگر بعلم و ہم بتواں

بعلم گشتہ با عطارد جفت — کارِ شمشیر خود چہ باید گفت

---

[1] مزار مقدس حضرت آدم و حوا علیہما السلام ہمیں جا گویند ۱۲

[2] عبرہ بالکسر محصولات کہ از کشتی نشیناں و جہاز نشیناں گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک ہم آید پس عبرہ اول بمعنی مجازست و عبرہ ثانی در مصرعہ ثانیہ بمعنی حقیقی یعنی سلطان بحر و بر بودہ ۱۲

هر ہنر کاندرو گماں نرسد ق ور رسد در گماںؔ باں نرسد
کردہ بود اوستادِ شاں تعلیم هر یکے گشتہ فیلسوف وحکیم
عقدہ زیشاں چناں کشاد براز کہ ملک را بکس نماند نیاز
خواند روزے نہانی از اغیار هر یکے را جدا بپرسشِ کار
کآزمونش کند بکارِ سریر کیں تصوّر کرا بود بہ ضمیر
گفت اوّل باوّلیں فرزند کہ مرا شد بنفشۂ[۵۲] سرِ ولبند
بعد ازیں نیست کارِ مشتی خاک جز نیایش گری بحضرتِ پاک
قرعہ برستت پادشاہی را رونقِ ماہ تا بماہی را
آں بنا نوکنی بداد و بجود کہ جہاں خوش بود خدا خوشنود
ناتواں را برفق پیش آئی با توانا کنے توانائی
بشبانے رمۂ[۵۳] نگہداری گوسپنداں بگرگ نگذاری
پورِ دانا بخاک سود کلاہ گفت جاوید باد دولت شاہ
کے روا باشد از ہواخواہی کہ زنم پیشِ شہ دم شاہی
تا تو ئی ملک بر کسے نہ سزاست بے تو خود زیستن برای چراست
تختِ ما وائے چوں منی نبود جائے تو جائے چوں منی نبود
مور با آنکہ برسر یر بود کے سلیمان وتخت گیر بود

لا بن = کمال آں ۵۲ از پیری خمیدہ شدم ۱۲ ۵۳ گلۂ گوسپند ۱۲ لا ح = نکو

شه درآن آزمایشِ کارش — چون پسندیده دید گفتارش
در دلش صد هزار تحسین خواند — وآشکارش بخشم بیرون راند
خواند فرزندِ دویمی را پیش — خاص کردش بآزمایش خویش
بافسون گر[۱۱] سخن بافسون خواند — ماجرای گذشته بیرون راند[۱۲]
پسرِ زیرک از خردمندی — کرد پرسنده را زبان[۱۳] بندی
گفت ما را بجان وبینائی — ق — کردنی شد هر آنچه فرمائی
لیک پیشت حدیثِ تاج وسریر — عیب باشد ز بنده عیب مگیر
دین زمان تو که تا توئی برجای — دیگری کی نهد بمسند پای
وان زمان کین زمانه گذران — با تو نیز آن کند که با دگران
گر بود در سرت که افسرِ خویش — خود مزین کنی بگوهر خویش
بهتر ست آخر از منِ خورد — بارِ سر سبز دوش نتوان برد
بر بزرگان رواست این معراج — لولوی خرد نیست درخورِ تاج
شاه زد هم گره برابرو کرد — وز حضورِ خودش بیکسو کرد
روی در خوردِ کاردان آورد — خورده را باز درمیان آورد
داد پاسخ جوانِ کارشناس — که زخوردان نکو نیاید پاس
شاه چون دید کان سه گوهر پاک — می شناسند گوهر از خاشاک

---

۱۱ دعجب = زبان بافسون داد   ۱۲ سجب = داد   ۱۳ اسے جواب کافی وشافی داد ۱۲

شادماں شد ز بختِ فرخِ خویش | سود بر خاکِ بندگی رخِ خویش
بهرِ ملک دو روز بے سر و بن | ایمن انداز فریبِ چرخِ کہن
لیکن از پیش بینیِ بے کوز[۵۳] | با جگر گوشگاں شد اندر شوز[۵۴]
داد فرماں کہ ہر سہ بدر نیز | پیش گیرند رہ ز پیشِ سریر
تا حدِ ملکِ شہریار بود | ہر کہ ماند گناہ گار بود
زیں سخن ہر سہ تن ز جای شدند | توشہ بستند و رہ گرای شدند
گہ در آباد بوم و گہ بخراب | شہر بر شہری شدند شتاب
رہ نوشتند بے شکیب و سکوں | تا شدند از دیارِ شاہ بروں
در رسیدند تا باقلیمی | کہ ازاں بود ملکِ شاں[۵۵] نیمی
در بیابان و راہ و منزل و جای | نہادند بے تجارب پای
روزی از گردشِ ستارہ و ماہ | می نوشتند سوی شہری راہ
ناگہ از پیش زنگیِ چوں قیر[۵۶] | تگ زناں سوی شاں گذشتہ چو تیر
گفت کای رہ روانِ زیبا روی | شتری دیدکس رواں زیں سوی
زاں سہ برنای کی زباں بکشاد | نقشِ نادیدہ را نشانے داد

---

[۵۳] حجب = کور   [۵۳] لا سن = غور و گور   [۵۳] کوز بواو معروف در فارسی بمعنی پیچیدہ و خمیدہ یعنی چناں پیش بینی راست کہ در وکجی و پیچیدگی نبودہ ۱۲   [۵۴] دیجب = شور   [۵۵] یعنی مقابل وسعت آن اقلیم ملک پدر ایشاں نصف بود ۱۲   [۵۶] قیر بالکسر بر وزن میر روغنے سیاہ کہ بر شتراں و درزہاے کشتی مالند ہندی تار کول ۱۲

گفت کاں گم شدہ کہ رفت ز دست	یک طرف کور ہست گفتا ہست
دومی گفت چوں خردمنداں	کز دہانش کم ست یک دنداں
سومیں ہوشمندِ با تمییز	گفت یک پاے لنگ دارد نیز
زاں نشانہا کہ بود روشن و راست	شبہہ از پیشِ ساربان برخاست
گفت چوں راست شد نشانی داد	بایدم رہ بہم عنانے داد
باز گفتند ہر یکیش جواب	کہ ہمیں راہ گیر و رو بشتاب
مردِ پوئندہ راہ پیش گرفت	رفت و دنبالِ کارِ خویش گرفت
آں جواناں براہ گام بگام	می نمودند نرم نرم خرام
تا زمانے کہ گرم گشت سپہر	ق موجِ آتش فشاند چشمۂ مہر
زیرِ عالی درختے انبہ[1] شاخ	[2] کش دو پرتاب بود سایہ فراخ
در رسیدند ریخ دیدۂ راہ	میل کردند سوی آب و گیاہ
چشمہ دیدند و دست و پاشستند	بر گل و سبزہ خوابگہہ جستند
چوں ز بادِ خوش و درونہ نواز	نرگسِ مستِ شاں شد اندر ناز
ساربان باز در رسید چو باد	باز بانے چو خنجرِ فولاد
گفت زیں سوی تا بیک فرسنگ	پایم از تاختن نداشت درنگ
در نوشتم بسے گریوہ و کوہ	و ز تگ و پویہ آمدم بستوہ

---

[1] انبہ مخفف انبوہ اسے زیر درختے بزرگ کہ شاخہاے انبوہ بود ۱۲ [2] میدان ۱۲

دیده گردی ازاں رمیده ندید ‌‌ ‌‌ گرد چه؟ بلکه آفریده ندید

گفت زایشاں یکے که بشنو گفت ‌‌ ‌‌ هرچه دیدیم چوں توانش نهفت

هست بارش سبو دو روبا[1] روے ‌‌ ‌‌ روغن ایں سوی و انگبیں زاں سوے

دوییں کرد روے کار برو ‌‌ ‌‌ هست گفتا زنے سوار برو

سوییں گفت زن گراں بار[2] است ‌‌ ‌‌ وز گرانیش کار دشوار است

ساربان زاں همه نشانِ درست ‌‌ ‌‌ گردِ شک راز روی خاطر شست

آگهی چوں نداشت از فنِ شاں ‌‌ ‌‌ چنگ در زد سبک بدامنِ شاں

نعره برداشت کیں سه طرّار اند ‌‌ ‌‌ که بتاراجِ خلق در کار اند

هر زماں سو بسو زمیں بزمیں ‌‌ ‌‌ بهرکالا همی کنند کمیں

تا کجا باشد اشتری و خری ‌‌ ق ‌‌ یا متاعے ز نقره و ز زری

بفریب و فسون و چاره گرے ‌‌ ‌‌ ببرند از مقیم و رهگذرے

زاں نفیر و فغاں که زو برخاست ‌‌ ‌‌ گرد گشتند خلق از چپ و راست

گرد شاں شد ز مردم انجمنے ‌‌ ‌‌ هر یکے گفت بیش و کم سخنے

تا نهایت برآں قرار افتاد ‌‌ ‌‌ که بباید شدن چو کار افتاد

ملکِ عهد را خبر کردند ‌‌ ‌‌ راهِ انصاف را نظر کردند

کار[3] کآں بسته گشت نگشاید ‌‌ ‌‌ کار فرما تمام فرماید

---

[1] مقابل ۱۲ ‌‌ [2] یعنی حامله ۱۲ ‌‌ [3] جب = کار چوں بسته گشت بکشاید

هم برآن اتفاق جمله بهم — حکم جویان شدند سوی حکم

ساربان ماجرای حال که بود — ق — وان همه پاسخ و سوال که بود

گفت باشه یگان یگان بدرست — شاه زان هر سه نیز پاسخ جست

آنکه زایشان کیاست افزون داشت — ق — در هر افسانهٔ صد افسون داشت

گفت اوّل دعای دولتِ شاه — که بمان تا بود سفید و سیاه

چشمها را ز خاکپای تو نور — دیدهٔ بد ز آستانِ تو دور

ما سه برنا مسافریم و غریب — در تگ و پویه زآب[۵۱] و خور نصیب

سالها شد که گردِ عالمِ خاک — • — می نوردیم دشت و کوه و مغاک

نیست زین تاختن بهر جایی — بهرهٔ ما بجز تماشایی

در دیاری که راه بنوشتیم — چون بدیدیم جمله بگذشتیم[۵۲]

زین دویدن بزیرِ چرخِ کبود — روزی این سوی نیز راه نمود

می بریدیم ره ز گردشِ دهر — تا رسیدیم بر درِ این شهر

اوّل این زنگیِ سیاه وجود — ق — که دوان سوی ما رسید چو دود

اشتری جست و ما بلابه[۵۳] و لاغ — تازه کردیم نقشِ او را داغ

ما گنهگار این قدر هستیم — که دروغی بروی او بستیم

---

۵۱ از آب و دانهٔ مقسوم در سیر و سیاحت می باشیم ۱۲ — ۵۲ جب = برگشتیم

۵۳ لابه بمعنی تملق و عجز و بمعنی اخلاص مجاز ست دلاغ بمعنی ظرافت و خوش طبعی ۱۲

شد ملک گرم زین حکایت گفت — کانچه پیداست چون توانش نهفت
بس دروغے که گوئیش بنجواست[1] — اتفاقاً مقابل افتد راست
چون خود از دل برون فگندی راز — تیر کز شست رفت ناید باز
ز اتفاق از[2] دروغِ نافرجام — راست از ده یکے بود نه تمام
برده را باز ده بهسا نه مکن — خویشتن را بدنشا[3] نه مکن
این سخن گفت چون ستمگاران — بندِ شاں کرد چون[4] گنهگاران
چون بشام آفتابِ نورانی — ق — گشت در زیرِ خاک زندانی
آن جوانانِ نغز با فرهنگ — سوی زندان شدند با دلِ تنگ
همه شب رفت شاں بمجزونی — در صفِ دزد و رهزن و خونی
شب چو بر ناقه بست محلِ خویش — ق — مه بخورشید داد منزلِ خویش
شترِ یاوه[5] گشت با همه ساز — بر درِ ساربان رسید فراز
مردے آمد که در فلان کهسار — بر درختیش مانده بود مهار
من بدان سو شدم بکار کشی — دیدم و کردمش مهار کشی
زن که بالاش بود دادنشان — تا من آوردمش مهار کشان
ساربان دادش آنچه واجب بود — پس بسوی ملک روان شد زود
گفت باشه که من بدولتِ شاه — یافتم هرچه یاوه گشت براه

---

[1] جب = بے کاست   [2] ح = ار   [3] د = فسانه   [4] جب = با   [5] آواره شده وراه گم کرده

شتر و ہر چه بود بار برد — وآں عروسے که بُد سوار برد

شه نظر سوے عدل فرماید — بندیاں را ز بند بکشاید

شه ز آزارِ بے گناہے چند — از جگر بر کشید آہے چند

خواند شاں با ہزار خجلت و شرم — نرم دل کرد شاں بپوزشِ گرم

وانگہے داد شاں ز بند خلاص — خلعتے داد ہر یکے را خاص

پس بپرسید شاں که قصهٔ خویش — باز باید نمود از کم و بیش

کانچه مردم ندید پیکرِ او — چوں نشانے دہد ز جوہرِ او

ماجرا گر درست باشد و راست — خواسته[۱] بیکراں دہم بیخواست

ور کم و بیش در میاں آید — سر ز شمشیر در زیاں آید

رمز داناں بشرطِ خدمتِ خاص — تازه کردند سجدهٔ اخلاص

پس یکے زاں سه تن زباں بکشاد — گفت باشی ہمیشه خرّم و شاد

من که کوریش را نشاں گفتم — بینشم[۲] وا[۳]نمود زاں گفتم

ہمه یکسوے دیدم اندر راه — خوردنش از درخت و خار و گیاه

نقش بستم که یکطرف کورست — کش بیک سوی در چرا ز درست

دومی گفت کز رہِ فرہنگ — من بیک پاے زانش گفتم لنگ

کانچناں دیدمش براه نشاں — که ز یک پاے رفته بود کشاں

---

[۱] خواسته بمعنی مال اے مال بیکراں بے طلب بشما بدہم ۱۲ [۲] اے عقل من ۱۲ [۳] رجب = ره

سیومیں گفت چوں خردمنداں ق منکہ کم گفتمش یکے دنداں
برگ و شاخے کہ خوردہ کردہ او دیدم افتادہ نیم خوردہ او
ہرچہ ناخوردہ مے نمود درو برگ یک یک درست بود درو
روشنم شد زعقل چندانے کز دہانش کم ست دندانے
شاہ گفتا کہ آں سہ چیز نخست ہرچہ گفتید راست بود درست
واں سہ دیگر بدانشش و تمیز روشن و راست گفت باید نیز
باز یک تن زبانِ راز کشاد وآنچہ در پردہ بود باز کشاد
گفت کاوّل دمے کہ از من رفت ماجرا از انگبین و روغن رفت
آنچناں شد کہ در خس و خاشاک دیدم آلا یشے چکیدہ بخاک
مگس افگندہ بود یک سو شور سوی دیگر قطارِ لشکرِ مور
ہرچہ در وے دو یدمور بجہد ق حکم کردم کہ روغن ست نہ شہد
وانکہ سویش مگس نمود ہجوم بفراست شد انگبیں معلوم
شخص دو ئمیں زباں کشاد کہ من آنکہ بروے سوار گفتم زن
آنچناں دیدہ شد کہ گشت یقیں اثر زانوے شتر بزمیں
گشت پیدا از پہلوِ زانو نقش نعلین ہائے کد بانو
تر شیِ نیز دیدم از یکسوی برگرفتم ز خاکِ آنجا بوی

لہ نسخہ دوم ئمیں ـ یاے قلت اے اندک تری ۱۲

نفس زاں بوسے در گداز آمد — جوشِ شہوت در اہتزاز[1] آمد

کردم اندیشہ راز خاطر فرد — کہ سوار شتر زن ست نہ مرد

گفت سیومیں کہ رای من بنهفت — زاں سبب حال وگرانش گفت

کاندراں جای کاں جمازہ[2] نشیں — بر جمازہ سوار شد ز زمیں

دیدم آنجا کہ نقشِ پاش نشست — گشت پیدا انجا کہ نقشِ دو دست

گفتم ایں حال وگراں بارست — کز زمیں خاستنش دشوارست

آنکہ در خاک دست سای شدہ است — از پئے خاست چارپای شدہ است

شاہ کز ہر سہ تن شنید جواب — بندہ شد زاں فراستِ بصواب

ہر یکے را بصد نوا بنواخت — ساخت برگی چنانکہ باید ساخت

زاں نو وارِد و رہینیِ شاں — کرد رغبت بہمنشینیِ شاں

منزلے داد شاں درونِ سرائے — تا بود نزدِ شاں بخلوت جائے

دل چو فارغ شدیش از ہمہ کار — تازہ کردی نشاط را بازار

با حریفانِ نو بہ تنہائی — بادہ خوردی بمجلس آرائی

گوش کردی دمے نہانیِ شاں — بہرہ جستی بکاردانی[3]ِ شاں

مغز معنی کہ دیدی اندر پوست — نقش کردی بجانِ[4] معنی دوست

---

[1] بمعنی جنبش ۱۲ [2] جمازہ صیغہ مبالغہ بہ تشدید میم ست ولیکن در فارسی بتخفیف ہم مستعمل میباشد بمعنی شتر تیز رفتار ۱۲ [3] رسیب = زکاردانی [4] جان موصوف معنی دوست صفت اے جانیکہ معنی را دوست میداشت ۱۲

شه فرستاد نزدِ شاں یک روز ‎ ‎ ‎ برّه[٥١] و بادهٔ درونه فروز

همه باهم نشاط پیوستند ‎ ‎ ‎ شاد و خنداں بباده بنشستند

چوں دمے چند کرد هر یک نوش ‎ ‎ ‎ و آمد از مے درونها در جوش

باز میکرد[٥٢] هر یک از کم و بیش ‎ ‎ ‎ داستانے بقدرِ دانشِ خویش

آنکه مه بود چابک اندیشه ‎ ق ‎ بازگفت از دل خرد پیشه

کیں مے کآدمی گم ست درو ‎ ‎ ‎ گوئیا خونِ مردم ست درو

دومیں کاردانِ رازشناس ‎ ق ‎ گفت ز اندیشهٔ درست قیاس

کیں بره گوئیا نه پاک رگ ست ‎ ‎ ‎ پرورش یافته ز شیرِ سگ ست

سیومیں نقش بند عقده کشای ‎ ق ‎ بازگفت انچه روی داد ز رای

کیں ملک نے ز شاهِ آزادست ‎ ‎ ‎ دانم از پشت مطبخی زادست

ملک اندر کمینِ دیوارے ‎ ‎ ‎ گوش میداشت سوی گفتارے

تا هر آں خورده[٥٣] کآید از سه حکیم ‎ ‎ ‎ کشدش در جریدهٔ تعلیم

زاں سه نکته که گوش گیر شدش ‎ ‎ ‎ دلِ نازک گماں پذیر شدش

بسکه جوشِ درونش ابتر کرد ‎ ‎ ‎ سر بخلوت سرای شاں در کرد

هر سه تن تیر دار بر جستند ‎ ‎ ‎ با ملک جمله نشست بنشستند

شاه فرمود کیں زماں نهفت ‎ ‎ ‎ هر چه گفتید باز باید گفت

---

٥١ بره یعنی حلوان ١٢ ‎ ‎ ٥٢ سرح = می گفت ‎ ‎ ٥٣ نکته ١٢

گشت تحقیق در بطانهٔ[1] شاں — که شنیدست شه فسانهٔ شاں

گرچه آں گفته دلپذیر نبود — بازگفتند چوں گزیر نبود

شاه یک یک شنید و گشت خموش — باده می خورد با دلِ پُرجوش

کرده بود آزموں کزیشاں کس — نزند هرگز از گزاف نفس

صبح چوں رازِ چرخ روشن کرد — صحنِ گردوں چو سبز گلشن کرد

شاه در ماجرائے بادهٔ دوش — بازجست آگهی ز باده فروش

مردِ خمار گفت کیں انگور — برده ام از رزِ[2] فلاں دستور

اوّل آں باغ بود گورستاں — گور افگنده ساختش بستاں

چوں یکے باز خواند روشن و راست — از دو دیگر تفاوتش برخاست

از شباں بازجست رازِ بره — زد شباں قلب چوں نبود سره

گفت کیں برّه بود پهلوِ میش — شیر پرورد مهرِ مادرِ خویش

بانگ برزد برو به تندی شاه — کیں زمانت سر افگنم چو گیاه

زیں سیاست نباید آساں رست — جز با قرارِ راست نتواں رست

کرد روشن شبانِ برّه فروش — کاو فتاد از گناهِ او سر و ریش

دل ز تیمارِ جان و تن برداشت — پرده از رازِ خویشتن برداشت

گفت کیں برّه بود در رمه خرد — کز رمه گرگ مادرش را برد

---

[1] دل ۱۲ [2] درخت یا ثمر انگور ۱۲

مادہ سگ داشتم دو ندہ چو تیر | بچّہ چند بودش اندر شیر
رام کردم چناں بہ پستانش | کہ برہ سخت شد بہ پستانش
چوں چناں شد ز شیر مستی نغز | استخوانش بپوست شد ہمہ مغز
آوریدم بسوے مطبخِ خاص | زیں گنہ خواہ تیغ خواہ خلاص
شہ چو رمزِ دو خردہ دید درست | گشت پاس از خیالِ سوئم سست
چار و ناچار سوے مادر راند | رازِ دل را نہفتہ بروے خواند
در گریبانش چنگ در زد سخت | ق گفت خواہم ز تو جہاں پرخت
ورنہ برگو براستی خبرم | تا کہ بود ست درجہاں پدرم
از کہ آوردۂ چو من پسرے | پدرم شاہ بود یا دگرے
مادر از خشم در خروش آمد | خونش اندر جگر بجوش آمد
گفت کاندیشہ نیستت ز وبال | کہ نہی تہمتم بہ پیراں سال
کہ تواند جز آفتابِ بلند | کافگند بر سر پیاہ پرند
غیرِ دارا کرا بود یارا | کہ در آید بپردۂ دارا
باز بر فرقِ شاہ بر شد دود | زد بمادر نہاد خشم آلود
گفت گر صد بہا نہ پیش آری | نرہی جز براست گفتاری
بزہ[۱] را کہ کردۂ بشمار | تا نگردم بہ کشتنت بزہ کار

---

[۱] بزہ بمعنی گناہ ۱۲

مادرش کز درونش دود[۵۱] نداشت — عذرها گفت هیچ سود نداشت

آگهی داشت کان غبار[۵۲] انگیز — هست گاهِ قصاص بی پرهیز

از رهِ[۵۳] راستی بلرزه و بیم — کرد خود را بدستِ خون تسلیم

گفت رازی که داشتم بنهفت — بشنو اکنون اگرچه نتوان گفت

روزی از روزهای فصلِ بهار — شه برون رفته بود سوی شکار

من جوان بودم و زخواب طاق — خفته تنها در اندرونِ رواق

خواب[۵۴] چون رختِ خود[۵۵] گران آورد — مطبخی در رسید و خوان آورد

من از آنجا که هست میلِ زنان — آرزویم ز دست برد عنان

در وی آویختم چو مردمِ مست — جوشِ دل مهرِ عصمتم بشکست

هرچه در سرنوشت بود مرا — نفسِ بد عاقبت نمود مرا

تخم[۵۶] چو در شاخِ نوبهار آمد — میوه چون تو ام ببار آمد

شه چو بشنید راز مادرِ خویش — سر فگند از خجالت اندر پیش

رفت در خود فرو و حیران گشت — از چنان پرسشی پشیمان گشت

رفت[۵۷] بیرون ز کاخ شرمنده — وز تحیر نه مرده نی زنده

شد بخلوت سرای مهمانان — بی زبان گشته زان زبان دانان

---

۵۱ دود داشتن یعنی زهره و دلیری داشتن ۱۲ ۵۲ از غبار انگیز مراد پسر یعنی شاه ۱۲
۵۳ رجب = سر ۵۴ ای خواب رفت و بیدار شدم ۱۲ ۵۵ رجب = برگران
۵۶ مراد از تخم نطفه و از شاخ نوبهار رحم زن ۱۲ ۵۷ رجب = جست

چون[1] گذشت از شراب دورے چند — راز را برگرفت مُهر[2] ز بند

گفت کانچه از شما شنیدم راز — همچناں یافتم چو جستم باز

روشن و راست بود چوں هر چیز — روشن و راست گفت باید نیز

کیں همه کار[3]ها که پنهاں بود — از چه[4] دانسته شد که زینساں بود

گفت یک تن که من چو خوردم می — دیدم افزایشِ غم اندر وے

از مے افزایشِ طرب باشد — چوں غم افزوں کند عجب باشد

باز جستم ز دیگراں احوال — بود هم زیں نمط جواب و سوال

روشنم گشت کاں شراب چو نوش — دارد از خونِ خاکیاں[5] سرجوش

گفت دومیں که من به بره مست — چوں بر آهنگِ خوردن بردم دست

دل بیک لقمه شد بسوزش و تاب — وز دهانم روانه گشت لعاب

بوی خونِ سپشت[6] در رگ داشت — پهلوی هیچو پهلوی سگ داشت

گفتم ایں بره سگیست چو گرگ — یا خود از شیرِ سگ شدست بزرگ

سیومیں گفت من حقیقتِ کار — گویم ار باشدم بجاں زنهار

بزباں راند شه بسے سوگند — که نباشد بجانش هیچ گزند

---

[1] جب = تا [2] رجب = مستی بند [3] جب = رازها [4] رس = بچه

[5] مراد از خاکیاں مردگان و معنی سرجوش شوربا و مثل آں که در اول جوش از سر دیگ بر دارند یا شراب و گلاب و مثل آں که باول جوش بگیرند ۱۲

[6] سپش و سپشت کرمهاے که بر پشت سگ و شتر وغیره پیدا میشود و نیز در جامها و سر مردماں هم از کثافت پیدا میشود بهندی چچڑی یا جوں بگویند ۱۲

پس جواں باز گفت قصہ کہ من — تا رسیدم بہ پیشِ شاہِ زمن

ہرچہ دیدم ز تو بدانائی — میزدم بر محکِّ بینائی

طلبِ رازِ شاہ میکردم — بنجابت[1] نگاہ میکردم

از نشانہاے تاجِ تاجوراں — ق کآدمی[2] را تواں شناخت دراں

باز جستم یکے از آنت نبود — جز دمِ شور و بادُ و نانت نبود

نادرت ہیچ رہ سخن بزباں — کہ نبود اندراں حکایتِ ناں

این نشانہا کہ عکسِ شاہی داشت[3] — بر نمود ایں بدگواہی داشت[4]

کرد روشن فراستم بہ ضمیر — کہ[5] ترا نیست نسبتے بسریر

شہ فرو شد ز حیرت اندر خویش — سخن از وے بروں نیامد بیش

گفت[6] کز داد نیست شاہاں را — ق ریختن خونِ بے گناہاں را

غضبم تا عناں نبردہ ز دست — رختِ مہماں بناقہ باید بست

انگہے گفت جملہ را خنداں — کآفریں بر شما خردمنداں

از شما دوستانِ با تمیز — یافتم بہرہ مندی از ہمہ چیز

با شما عیش موجبِ ہنر ست — ہرچہ بیش ست سود بیشتر ست

لیک گردندۂ[7] جہاں پیماے — نتواں بند کرد در یک جاے

---

[1] رس = بتجارب   [2] س = کہ شہاں   [3] جب = بود   [4] ح = شر

[5] رجب = کہ خمیرے ست نسبتت نہ بسریر   [6] بادشاہ بدل خود گفت ۱۲

[7] گردندہ موصوف جہاں پیماے صفت یعنی مسافر و سیاح ۱۲

زین نمط خواست عذرہا بسیا | پس بہریک سپرد صد دینا
ہریک[۱] از بخت شادمانۂ خویش | رہ گرفتند سوے خانۂ خویش
سوی ملک پدر فراز شدند | ق | چوں[۲] بدربار سرفراز شدند
پدر پیر شادمانی یافت | بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکہ از خوشدلی تمکیں گشت | موی کافورگونش مشکیں گشت
کرد روشن بہترین پسراں | بالش مشک فام تاجوراں
چتر مشکینش داد با ہمہ چیز | دیگراں رالواے مشکیں نیز
رنگ مشکیں شعار عباسی ست | زیور آراے چرخ شماسی[۵۳] ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود | بہر آسایش تمام بود
خون تر درمیان نافۂ خشک | تا نگردد سیہ نگردد مشک
خط و خالے کہ دلستاں دارد | مشک رنگ ست زیب ازاں دارد
شاہ کز نازنین مشکیں موے | ایں فسانہ شنید روی بروے
خفت در خوابگاہ حورالعین | گل درآغوش و مشک در[۱] بالین

۱: حجب = ہرسہ | ۲: س = باپدرباز

۵۳ بالفتح و تشدید میم شخصیت کہ بر دین شماس باشد و شماس نام شخصے ست کہ دین آتش پرست ایجاد کردۂ اوست و چرخ ازانجا کہ حرارت آفتاب ہردم با خود دارد بشماسی موصوف گشت ۱۲

۱: سرج = بر

کوثر کشیدنِ بہرام روزِ یکشنبہ در بہشتِ سوم و بگنبدِ زعفرانی شکر خندۂ طرب نمودن و با آفتابِ نیمروزی خانہ گرم کردن

روزِ یک شنبہ آں ستارۂ روز[51] | شد در ایوانِ زرد بزم افروز
چوں زر افشاند آفتاب بدشت | دامنِ کوہسار پر زر گشت
رغبتِ برجِ زعفرانی کرد | خانہ را حلۂ جاودانی کرد
جامہ را نیز کرد خنداں[52] خند | زعفرانی چو آفتابِ بلند
گفت خورشیدِ نیمروزی را | رُخ کشاید جہاں فروزی را
ہر کرشمہ کہ او نمود بدوست | تا وکے بود در درونہ دوست
شہ بہ نظّارۂ چناں مستور[53] | ماند حیراں چو ہندواں در نور
بادہ بر روی سرخ گل می خورد | تا فرو رفت ز آسماں گلِ زرد
شب چو نو کرد پردہ داریِ خویش | گوہر آمود در عماریِ خویش
سر ببالینِ خواب گاہ نہاد | باز آں[54] سر بسرانِ ماہ نہاد
داد فرماں کہ ماہِ شکر خائے | گوید افسانہ نشاط افزائے

---

[51] مراد از بہرام ۱۲ [52] الف برائے اتصال ست چوں رنگارنگ ۱۲
[53] ر سجب = منظور
[54] سر حجب = باز اندر سرانِ ماہ نہاد

نازنیں بر زمیں نہاد جبیں ق گفت کای شہریارِ روی زمیں
بختِ ہموار ہم عنانِ تو باد سرِ بدخواہ بر سنانِ تو باد
ہر مرادی کہ بشمری ز انگشت یک بیک جملہ بادت اندر مشت
شرم دارم کہ پیش درِّ دری[۵۱] کہربارا کشم بجلوہ گری
لیک چوں شہ اشارتم فرمود ہر چہ دارم بروں فشانم زود
ریخت چوں ایں نمط لآلی چند گفت زیں بیشتر بسالی چند

افسانہ گفتن زعفرانی پوش نیمروزی

زرگرے بود در خراساں طاق شہرہ در شہرہاے روم و عراق
حسنش نام و بر ہنرمنداں بود چوں نامِ خویشتن خنداں
ہر چہ بتواں ز سیم و زر پرداخت ساختی آنچناں کہ باید ساخت
روزے[۵۲] از دستکاری دلجوی ساخت پیلے گراں ز صد من روی[۵۳]
تا روانی بود بہر جایش چار گردش[۵۴] نہاد در پایش
چوں بپرداختش بنقش و نگار ق ازنکوئی چو صورتِ دیوار
پیشِ فرمانرواے شہرش برد بوکیلانِ درگہش بسپرد

---

۵۱ بالضم و تشدید را مکسور لفظ عربی ست بمعنی ستارہ روشن کہ بزرگ باشد اینجا بضرورت شعر تشدید را حذف کردند ۱۲ ۵۲ رجب = وقتے ۵۳ بمعنی کانس ۱۲

۵۴ یعنی پہیہ ۱۲

پیش بردند شاه کرد نظر ‫ ‫ ماند حیران در آن کمالِ هنر

پس اشارت نمود هم بشتاب ‫ ‫ تا دهندش هزار من زرِ ناب

گفت خواهم ز چون تو اُستادی ‫ ‫ که نهی زین نمونه بنیادی

پیل کز روی کردهٔ پرداخت ‫ ‫ سازی از زر چنانکه باید ساخت

زر برون برد مردِ چابک دست ‫ ‫ رفت و در کارگاهِ خویش نشست

نقد را سکه و زر عیار آورد ‫ ‫ دمه[۱] و کوره را بکار آورد

روز و شب کوششِ هنر میکرد ‫ ‫ وز هنر کارِ خود چو زر میکرد

تا برآراست از پسِ ماہے ‫ ‫ زنده پیلے فراخورِ شاہے

چون شد آن پیکرِ سترگ تمام ‫ ‫ در زمان کرد پیشِ شاه خرام

کارِ خود کز هنر نداشت قیاس ‫ ‫ برد در پیشِ شاهِ کارشناس

شه چو دید آن نمونهٔ کارش ‫ ‫ متحیر شد از نمودارش

کرمش کرد و چار من زر داد ‫ ‫ مزدِ دستش چهار دیگر داد

پس به پشتش برآمد از پے گشت ‫ ‫ طرفه گشت و جا نشیبے بگذشت

زان تماشا که بود طرفهٔ دهر ‫ ‫ گفت و گوئے در اوفتاد بشهر

هرکجا زیرکی و دانائی ‫ ق ‫ نقشبندے و پیکرآرائی

چون بدید اندر آن هنرمندی ‫ ‫ خیره شد زان هنر خردمندی

۱؎ دمه بهندی دهوکنی و کوره بهتی ۱۲

حاسدان را حسد بکار آمد — دلِ هر یک بخار خار آمد

کار دانے دگر زغیرتِ کار — گرد آں سکه شد بوزنِ عیار

گرد روشن که آں خیالِ شگرف — انچه شد داد کمترست بصرف

مایهٔ زر اگر هزار من ست — نه بجای ست رنگی سخن ست

شد بر آں تا چه بازد از سرِ دست — که در آرد به پیل بند شکست

گفت اگر پیشِ شه کشایم راز — پیل را شه نیفگند بگداز

ور شوم سکه را بوزن دلیل — در ترازو چگونه گنجد پیل

ور زباں از سخن کنم کوتاه — قلب کاری برد خزانهٔ شاه

چاره آں شد که هم ز خانهٔ او — آگهی جویم از فسانهٔ او

پس باندیشه گشت چاره سگال — تا بروں آورد ز پرده خیال

جست رائی بکوششِ و فنِ خویش — کآشنا کرد بازنش زنِ خویش

هر دم از تحفه هاے رنگ آمیز — کرد بازارِ دوستی را تیز

آنچناں گرم شد میانِ دو جفت — که بتقریر باز نتواں گفت

شرطِ اخلاص را بهانه نماند — راز را پرده در میانه نماند

مردِ شیریں زبان و خوش آشام ق — زهر در جیب و انگبیں در جام

رحس = مایهٔ کارگر — رحس = رنگی — اے کدام حیله انگیزد ۱۲

از پیل بند مراد زرگر حسن در بازی شطرنج چوں پیل را به پیاده قوت دهند پیل بندمی نامند ۱۲

جب = دُرد — حس = کام

دید چوں بچهٔ کارسازیِ خویش / ریخت بیروں ز پردہ بازیِ خویش

گفت با زن کہ چوں بہ پنہانی / سوے کدبانویِ حسن رانی

فرصتے[1] بینی و مزاجش نغز / گرم در پوست درروِیش چو مغز

آری از ہر درے بگفتارش / گوئی آں گاہ بیغرض وارش

کانچہ جفتِ تو نقشِ پیل کشید / ناقدان[2] را بدیدہ میل کشید

مثلِ آں زیرِ سقفِ مینائی / در نیاید بہیچ بینائی

ایں شگفت ار چہ سر بسر ہنر ست / لیک وزنش ازاں شگفت ترست

گر کسے خواہدش کہ بر سنجد / در ترازو درست چوں گنجد

زو بپرس ار بداند ایں ہنجار / نیست ہمتای او بہیچ دیار

راز زنیسانش آشکار و نہفت / باز گوئی چنانکہ دانی گفت

زنِ زیرک مزاج دور اندیش / زیرکانہ نہاد پاے بہ پیش

تحفۂ برگرفت و رہ برداشت / رفت جائی کہ کار در سر داشت

تحفہ را برد پیشِ کدبانو / چوں دگر بار گشت ہم زانو

گہ بافسانہ و گہے بفسوں / از دلش خوردہ می کشید بروں

تا وے از کاردانِ خود بدلیل / پرسد آئینِ برکشیدنِ پیل

ہر نمط وصف کرد کالا را / پیل و آں گنج پیل بالا را

---

[1] حجب = فرصتے   [2] ر = حاسداں

زیر و بالا[۱] نمود چند انش | کز سخن موم کرد سندانش
گرد[۲] این سکه در مزاج درست | کز حسن وزنِ سکّه باید جست
شب چو شد پیل بند جوزا راست | چرخ زانجم بساطِ سبز آراست
حسن از کارِ گهه بخانه رسید | مرغِ زیرک در آشیانه رسید
چون دل از کار خوردنی پرداخت | از پیٔ خواب سوی بستر تاخت
صنمِ خانه شد بخدمت[۳] شوے | در کنارش خزید رو با روے
خواجه را دل در اهتزاز آمد | نازنیں در نشاطِ ناز آمد
هر دو بر نسبت زناشوئی[۴] | تازه کردند رسمِ دلجوئی
خواجه میگفت در نهان باجفت | انچه با او بپرده باید گفت
سیمبر نیز پیشِ محرمِ خویش | باز می گفت شادی و غمِ خویش
چون زهر گفتگوی واپرداخت | سخن از پیل و وزنِ پیل انداخت
گفت کاے در همه هنرها[۵] طاق | ق | فیلسوفے بزیر سبز رواق
از هنرهائے بیکرانهٔ تو | رفت گردِ جهان فسانهٔ تو
من ز تو هرچه قصه پیش کنم | ناز بر همسرانِ خویش کنم
پیلِ زریں که ساز کردهٔ تست | درے از سحر باز کردهٔ تست

---

۱ صفت گوناگوں کردن ۱۲ ۲ رس = گردش ۳ س = بخلوت
۴ الف در زناشوئی بجاے واو عطف آمده چنانکه در لفظ سراپا ۱۲
۵ رجب = در هنر بعالم طاق

هرچه از پاے دیدمش تا سر — هست جایش زجاے زیبا تر

لیک یک مشکل آیدم بخیال — پرسم ار پاسخم دهی بسوال

مرد گفتا که آنچه میدانم — از همه پوشم از تو نتوانم

باز پرس آنچه گرددت بضمیر — تا کنیمت یگان یگان تقریر

زن بدو گفت کآن خیالِ شگرف — که درو زر هزار من شد صرف

صنعتش گرچه از حد افزون ست — صنعتِ وزن کردنش چون ست

گر ترا باشدت تصوّرِ چیست — ق — که توان برکشیدنش بدرست

آگهی ده که با خبر گردم — شادیم هست شاد تر گردم

مرد گفتا که هست در مشتم — سد هنر بلک در هر انگشتم

لیک در[۱] خود نهفته دارم راز — کز کسِ انصافِ خود نیابم باز

گر نمایم هنر بهشیاران — نه برم جان ز دستِ همکاران

نغز گفت آن حکیمِ دور اندیش — که هنر هر چه بیش دشمن بیش

زن بدو گفت کآنچه از دلِ خویش — ق — باز پوشی ز خلق حاصل خویش

جای آن باشدت که اندر پوست — ۲ — نیست خالی کسی[۲] ز دشمن و دوست

لیک احوالِ خود بخاموشی — ۳ — با که گوئی اگر ز من پوشی

خواجه گفتا که راست ست و درست — ق — که مرا محرمے دگر نه چو تست

---

۱ جب = با ۲ ربجب = جهاں

لیک آخر زنی و هیچ زنی نتوان داشت محرمِ سخنی
زن که در عقل بے کمال بود رازپوشیدنش محال بود
زن بدو گفت کای ز دانش دور زن بود شوی خویش را دستور
هرچه باشد ز مردمان بنهفت جز بجفتِ عزیز نتوان گفت
من که بودم همیشه محرمِ تو با که گفتم ز شادی و غمِ تو
تا چنیں مُهر بر زبان داری از من اسرارِ خود نهان داری
مرد گفت این سزای گفتن نیست قصّه جز از تو در نهفتن نیست
گر بروں ریزم از دل این فنِ خویش خونِ خود خود کنم بگردنِ خویش
ق
زن که بر مرد کامگاری[۵۱] داشت دل بکارِ ستیزه کاری داشت
کوشش و جهد در میان آورد عصمتِ شوی در زیان آورد
خواجه کو راز بودنِ[۵۲] فرمان بود رازپوشیدنش نه شایان[۵۳] بود
گفت گر بایدت که بے کم و کاست هرچه پرسی ز من بگویم راست
عهد و سوگند در میان آید[۵۴] کیں خزینه ز بند نکشاید
زن وثیقت نمود و پیمان بست که نیاید[۵۵] بہ قفل بند شکست
ق
آنگهے خواجه برگشاد زبان گفت با آفتابِ نوش لبان
کانچه پرسیده شد ز من بدلیل مشکل و هنجارِ برکشیدنِ پیل

---

[۵۱] اے غالب و مسلط بود ۱۲ [۵۲] اے مطیع او بود ۱۲ [۵۳] ربیح = نه سامان [۵۴] س = باید
[۵۵] رجب = که نیا. بقفل راز شکست

آنچناں باشدش طریقِ صواب — که درآزند کشتی اندر آب

درمیانش نهند پیلِ سترگ — درمقامے که رود باشد ژرف[۱]

پس ببینند درمیانہ رود — چه قدر میرود سفینه فرود

چوں حدآب راکنند نشاں — پیل بیروں کشند پیل کشاں

ازگل وسنگ هم بداں مقدار — تخته تخته[۲] کنند کشتی بار

تاخطِ آب برقرار رسد — واں تری بر نشانِ کار رسد

آنقدرمن که تانشاں باشد — وزنِ مقدارا وهماں باشد

وانکه وزنش کم ست نامفهوم — بیش وکم اندراں شود معلوم

زن ازاں گو نه حکمتے که شنید — درعجب ماند وپشتِ دست گزید

آفریں کرد[۳] برهنرمندیش — شد بجاں بندهٔ خداوندیش

هردو باهم بعیشِ جاں افروز — خواب کردند شاد وخوش تاروز

زرگرِ صبح چوں زکورهٔ خاک — موجِ آتش دمید برافلاک

خواجه زرگر بسوی دکاں تاخت — بانوی خانه برگِ مهماں ساخت

آمدآں خواهرِ زبانی باز — بزبانِ فریب ناک دراز

چاپلوسی زحد فزوں می کرد — درهرافسانه صدفسوں می کرد

تاچناں کردش ازفریب وغرور — کزدلش گشت بدگمانی دور

۱؎ ایے عمیق ۱۲ ۲؎ سج ـ سخته سخته ۵۲ سخته سخته یا تخته تخته بمعنی سنجیده سنجیده وموزن کرده ۱۲
۳؎ بج ـ گفت

خانہ را اعتماد بر وے داشت | وز عزیزانِ صحبتش پنداشت
ہمہ پنہانِ خود کشاد برو | مُہرِ[۱] خویشانِ خود نہاد برو
پیشِ او ریخت ہرچہ در جاں داشت | جز ہماں نکتہ را کہ پیماں داشت
ہر دو باہم در آمدند بکار | میزباں سادہ میہماں طرّار
ہر دم آں میہمانِ رنگ آمیز | شکلِ دیگر شدی طلسم انگیز
تا پس از مدتے بزرق و فسوں | آں سخن نیز زو کشید بروں
چوں کلیدِ خزانہ کرد بچنگ | قفل برداشت از درِ نیرنگ
رفت در پیشِ جفتِ فتنہ سگال | واگہی دادش از مجاریِ حال
مردِ پر غیرت و مخالف راے | یافت انگیزشِ بلا را جاے
پیشِ شہ رفت و حال روشن کرد | دوستی را بکامِ دشمن کرد
گفت کاں پیلِ زر کہ دانا ساخت | زانچہ دادی کم ست در پرداخت
من چناں سنجمش درست کہ شاہ | از کم و بیشِ او شود آگاہ
شاہ گفتا کہ آں ہنر پیوند | نہ بہ تنہا اساسِ کار فگند
ہیچ دانی کہ گاہِ وزن و عیار | مشرفاں چند بودہ اند بکار
با تو زیناں ز غیرتے کہ فتاد | کنی او را بقلب کاری یاد
مرد گفتا کہ گاہِ سنجیدن | ہم تو دانی فزون و کم دیدن

۱؎ یعنی مثل اقربا و خویشان با وے محبت کردن گرفت ۱۲

گرکم آید ز دستاں مال | ورنہ باد ات خونِ بندہ حلال

گفت شہ کایں چنیں نگارشِ نغز | چوں دہم از شکستنش پا لغز[1]

ور درستش بریں نمط مانیم | وزنِ او نا شکستہ چوں دانیم

مرد حیلت پژوہ گفت کہ من | سنجمش نا شکستہ ہم بزمن[2]

پس بہنجار و زن و کشتی و جوی | ق | کز زنِ کارداں رسید بشوی[3][4]

ہمہ یک یک بشرح باز نمود | باورش داشت ہر کسی کہ شنود

شہ چو در گوش کرد گفتارش | سہل بشمرد سکۂ کارش

داد فرماں کہ بار چیست کنید | • | صدقِ آں ماجرا درست کنید

کارداناں رواں شدند شتاب | پیل بردند بر کرانۂ آب

پیل سا زندہ را طلب کردند | روز در چشم او چو شب کردند

بر طریقے کہ گفت چارہ سگال | یافت منزل بکشتی آں تمثال

تختۂ کشتی از چناں بارے | رفت در زیرِ آب مقدارے

تا بجاے کہ شد نشانِ تری | نقش بستند در دلِ ہنری[5]

وانگہے پیل در بروں بردند | سنگ در جای او دروں کردند

سنگ سنجیدہ در ترازوی کار | می فگندند من بمن مقدار[6]

---

[1] نقصان ۱۲ [2] اے ہمیں زماں ۱۲ [3] ب = بروے [4] ج = بدوے

[5] ہنرے بیای نسبت مراد حسن زرگرا سے حسن را معائنہ کنانیدند وگفتند کہ ایں نشان تری را ببیں و یاد دار ۱۲

[6] ج = بشمار

چوں بہ نہ صد منش شمار رسید   تری آب بر قرار رسید
زاں ہزارش[ل] کہ سکہ داشت اساس   صد منی بود کم بوزن و قیاس
مرد صناع را بعقلا بی[۲]   دست بستند بہر بے آبی[۳]
ہمچناں بستہ پیش بردندش   با مینان شہ سپردندش
شہ ازو باز جست قصۂ حال   او نیامد کم از جواب[۴] و سوال
گفت کاری نہ از رہِ دزدی ست   لیکن از ننگ و نام کم مزدی ست
صد منے بردم از ہزار منت   گر بخشی زکوٰۃِ جان و تنت
ورنہ اینک نہادہ ام بر جائے   بہر ایں روز در درونِ سرائے
تا بہ بینم کہ ایں نگارش چیست   کس تواند کہ بر کشد بہ درست
ہر کہ داند بوزنِ او ہنجار   من بشاگردیش کنم اقرار
دانکہ نتواندش کہ بر سنجد   سازِ آں در دلش کجا گنجد
داشتم چشمِ انتظار بسے   وزنِ آں سکہ در نیافت کسے
تا من آں دخل صد منے کم و بیش   مزد آں دانش آرمش در پیش
ایں بنفس ہم ز من بروں افتاد   تا مخالف بآزموں افتاد
من چو زیں پردہ بر کشادم راز   پردہ پوشی چرا کند غماز
من چو از گفتِ خود گنہ گارم   ہر چہ بر من رود سزاوارم

[ل] رس = ہزاریکہ   [۲] بسبب دغابازی ۱۲   [۳] بے آبروئی ۱۲
[۴] یعنی او ہم بہ دلیری جواب داد ۱۲

شاہ فرمود تا خزانۂ او — در خزانہ رود خزانۂ او

کارداران شتافتند چو باد — باز کردند خانہ را بنیاد

آں زر و گنج دیگر از کم و بیش — ہمہ بردند شاہ را در پیش

شہ فرستاد در خزانۂ خاص — پس طلب کرد خواجہ را بقصاص

بود میلے[1] ز شہر یک فرسنگ — از فرودش[2] فراخ و بالا تنگ

صد گز از خاک برکشید بلند — سرش ایمن ز نردبان و کمند

شہ برآنکس کہ خشمناک شدے — بردی آنجاش تا ہلاک شدے

نرسیدیش چوں خور و آشام — چند روزے شدیش کار تمام

برحسن چوں بخشم شد رایش — ہم در آں میل ساخت ماوایش

داد فرماں کہ ہم بریں زبرش — برکشند و زنند قفلِ درش

بستہ شد روزنے کہ ہر جا بود — جز ہماں روزنے کہ بالا بود

او بروزن نشستہ با دلِ ریش — چشمِ حیرت کشاد در پس و پیش

زیر و بالا نظارہ میکرد — باخود اندوہ و حسرتے میخورد

دید شخصے کہ میرسد از دور — ہمچو پروانہ در زیارتِ نور

آمد آہستہ بے رفیق و دلیل — گام برگام تا بپایۂ میل

چوں نگہ کرد خواجہ یارش بود — زنِ نادانِ خام کارش بود

---

[1] میل یعنی منارۂ بلند ۱۲ — [2] یعنی از پائیں پہناور و از بالا تنگ ۱۲

آمد و نالہ برکشید بلند — گریہ میکرد و روے و مو میکند

خواجہ گفتا کہ رفت چوں تقدیر — سود کے دارد ت فغان و نفیر

شاندنا[۱۵] دانیت بدیں روزم — تا کشد روز بہ بدیں سوزم

چوں بجاں اوفتادہ کارم خاص — کوشم اکنوں بجاں براۓ خلاص

آنکہ ہست ایں شکنجہ محکم ازو — ہست امید رہائیم ہم ازو

رنجہ کن سوۓ شہر گامے چند — سیرے ابریشم آر و سیرے قند

زن چو دانست کاں بلند مقام — نکند جست و جوے نا فرجام

رفت آں ہر دو را ہم اندر پے — بستد و باز شد بجانب وے

چوں نگہ کرد خواجہ از بالا — کہ زنش در رسید با کالا

دادش آواز و گفت بر سرِ تار — پارۂ قند کن بزودی بار

دہ بمورے کہ میرود بر میل — تا بہ بالاش می برد بتعجیل

رشتہ را زود زود می کن باز — کز نشیبش کشد بسوے فراز

ہمچناں کرد زن کہ او فرمود — داد رشتہ بمور - مور ربود

راند بالاے میل تا رکشاں — رسنِ فتنہ بر حصار کشاں

چوں بنزدیکِ رخنہ برد بزور — ریسماں[۱۶] راکشید خواجہ زمور

گفت ہاں زود کن بیار شتاب — قدرِ صد گز طنابِ محکم تاب

---

[۱۵] اے بنشاند ۱۲

[۱۶] جب = رشتہ را در ربود

زنِ کار اوفتاده باز بتفت[1] | زان خرابه بخانهٔ خود رفت
رشته را زان نمط که دانا بود | خود بخانه درش مهیا بود
بستد از گنج خانه پنهانے | راه برداشت سوی ویرانے
چون شتابان بمیل باز رسید | سازِ[2] چاره بچاره ساز رسید
خواجه تارے بریشم از بالا | هشت چون سلکِ لولوی لالا
گفت پیوسته کن سرش بطناب | خم و پیچش کشاده دار ز تاب
زن سرِ رشته زد گره بر تار | او کشیدش بحیله و هنجار
چون سرِ رشته بر دبر سرِ میل | گشت مستوره را بچاره دلیل
گفت بر بند خویش را برسن | تا برآئی سبک[3] ببام حسن
گفت زن چون تو نآئی اندر زیر ق | گشتی از جان و زندگانی سیر
منکه این رنجم از براے تراست | بر زبر بردنم ز بهرِ چراست
خواجه گفتا که تا شود معلوم | که چسانم درین خرابهٔ شوم
زن برآں گفته استواری کرد | گریه با فغان و زاری کرد
در کمرگاه چست کرد رسن | تا کشد خویش را ببامِ[4] حسن
او ز بالا طلسمِ دیگر داشت | با عروس انتقام در سر داشت
حلقهٔ بود آهنی در سنگ | محکم و سخت نے فراخ و نه تنگ

---

[1] اے برگشت ۱۲ [2] ساز بمعنی اسباب و چاره بمعنی علاج و از چاره ساز مراد خواجه حسن زرگر ۱۲
[3] عجب — وسے [4] حس — ببک

سرِ رشتہ در و کشید نخست	ہم در آں رشتہ کرد خود را چست
لنگرے نیز کرد با خود بار	وانگہے شد معلق از دیوار
بار چوں سوئے او گرانی یافت	رسن از سوے زن روانی یافت
میہماں شد صنم بمیلِ بلند	رفت در زیرِ میزباں بکمند
زاں طلسمی کہ کرد مردِ دلیر	مہ ز بر شد عطارد آمد زیر
زن بر آورد ز آسماں فریاد	گفت کز چیست برمن ایں بیداد
در زندانِ فتنہ بشکستی	خود ز زنداں شدی مرا بستی
گر بدانم کہ من گنہ گارم	گر کنی زیں بتر سزا دارم
ایں چہ بدمہری و ستمگاری ست	جورِ یاراں نہ از رہِ یاری ست
چہ خلاف از مزاجِ من دیدی	کیں ستم بر سرم پسندیدی
باز گو آمدار ز من کارے	تا شکایت ز خود کنم بارے
خواجہ گفتا کہ ہر چہ پیش آید	آدمی را ز فعلِ خویش آید
گر ندانی تو رنجِ پنہانم	منکہ خوں خوردم از تو میدانم
گر تو بیگانہ را بسنجشِ پیل	رہ نمونی نکردہ بد لیل
وانچہ من ز ابلہی زدم نفسے	آشکارا نکردہ ام بکسے
من چرا در چنیں حسنا ئبہ شوم	کردمے نالہاے زار چو بوم

---

۱ یعنی حسن اندکے بارہم ہمراہ خود باں رشتہ بست ۱۲ ۲ یعنی زوجہ حسن بالا رفت و حسن فرود آمد ۱۲

زن چو کرد آں فسانہ را در گوش | گنہ از خویش دید و گشت خموش
دل بہ تسلیم کردگار سپرد | ماند بیخود فتادہ گوئی مرد
واں رسن تاب بو العجب پیشہ | باز رست از طناب اندیشہ
رفت و بنهفت رخ بگوشۂ شہر | تا چہ پیدا شود ز گردشِ دہر
واں پری شب دراں نشیمنِ دیو | ہمچو دیوانہ می نمود غریو
روزِ دیگر ز بہرِ ہیزم و کاہ | مردماں را فتاد زاں سو راہ
کرد ناگاہ زاری و فریاد | ہر کسے سوے او دوید چو باد
زہرہ دیدند برج گیر شدہ | اخترے در و بال اسیر شدہ
ماند یوسف رخے بزندانے | نازنینے بجنتستانے
باز جستند زو حکایتِ حال | او شد از راہِ خود فسانہ سگال
قصۂ حالِ خویش و حیلۂ شوئے | وانچہ آمد ز روزگار بروے
واں بدشمن کشادہ کردن رازؔ | در فگندن رفیق را بگدازؔ
واں رسن بازئے کہ کرد رفیق | حبسِ او در خلاصِ خود بطریق
ہر کہ بشنید دست بر سر ماند | وز طریقِ خلاصِ او در ماند
کس نیارست کز رواق بلند | بندئ شاہ را کشاید بند
ہر کسے چوں بشہر رفت ز راہ | زاں حکایت خبر رسید بشاہ
کاں ہنرور بہ بہتریں رائے | کرد زاں گونہ زیر و بالائے

شاه زاں چارۂ حسن در منداں | ماند لب را گرفتہ در دنداں
کرد اشارت ز بہرِ پرسشِ کار | کآوریدند ماہ را ز حصار
چوں بدرگاہِ شہ رسید عروس | از دروں برکشید نالہ چو کوس
وانچہ در زیر پردہ داشت نہاں | گفت در پیشِ شہر یارِ جہاں
شہ غلامانِ خاص را فرمود | تا بجویند جفتِ او را زود
نقش بینانِ[1] بجست و جوی شدند | در کُہ و دشت و شہر و کوی شدند
آگہی یافت خواجہ پنہانے | کہ بجاں آمد آفتِ جانے
دلش از بیم جاں شکست گرفت | کفن و[2] تیغ را بدست گرفت
پیشِ شہ رفت و کرد زاریِ خویش | شرمسار از گناہ گاریِ خویش
شاہ گفتا کہ با چنیں خردے | ق کہ ندارد صناعتِ تو حدے
چیست کز حرصِ نفسِ فتنہ پرست | بخیانت دراز کردی دست
مردِ دانا نہاد سر بر خاک | ق گفت کای دشمنِ تو بادہ ہلاک
تا جہاں ست در پناہِ تو باد | چرخ در سایۂ کلاہِ تو باد
من کہ اندیشہ مرا بشمار | یک ہنر نے صد ست و بلکہ ہزار
ہر فنے کآں بہ است در ہمہ چیز | دارم از کسبے و عطائے نیز
لیک از بیم زرقِ بی ہنراں | ساختم خویش را ز بے خبراں

---

[1] مراد از جاسوسان عاقل کہ خط و خال را دیدہ نشان شخص یابند ۱۲
[2] یعنی آمادۂ مرگ گردید ۱۲

این نمودارِ زر کہ بنمودم — کیمیاے بس براندودم

تا چو بیننده زرگرم داند — کیمیا کاریم نہاں ماند

واں خیانت کہ کردم اندر مال — نہ مرادم ذخیرہ بد نہ منال

بود مقصودِ من بعقل و دلیل — آزمونِ کساں بسنجشِ پیل

چند گاہے نگاہ می کردم — ق — چشمِ فکرت براہ می کردم

کہ کسے دارد آں قدر فرہنگ — تا شود سرکشاے ایں نیرنگ

چارۂ آں زکس نگشت پدید — تا ہم از من بروں فتاد کلید

شاہ زانجا کہ رسمِ داد نمود — بہ ہلاکم سپرد و برحق بود

ہر کجا قلب کار دزد بود — گر سیاست کنند مزد بود

واں کمین از طریقۂ رنداں — زندہ خود را کشیدم از زنداں

واں زنِ بد کہ قفلِ راز شکست — خویشتن را کشادم او را بست

غرض آں بود کیں طلسمِ شگرف — ق — چوں رسد پیشِ شاہ حرف بحرف

باز پرسد زمن نہانیِ من — گردد آگہ زکاردانیِ من

گر شہم برگنہ قصاص کند — مملکت را بعدل خاص کند

ور گناہم ببخشد و جاں نیز — کرم و عفو بہتر از ہمہ چیز

داشت شہ نیز مہربانیِ او — از چہ[1] زافسون و کاردانیِ او

---

[1] از چہ بطریقِ سوال واقع شدہ و از افسوں و کاردانیِ او جواب یعنی از کدام سبب بادشاہ خیالِ مہربانی میداشت بسبب دیدنِ افسوں و کاردانیِ خواجہ حسن زرگر ۱۲

گفت بارے بجشم ایں بارش   تا ببینم نهایتِ کارش
آنکه کردارِ بد روا بیند   خود ز کردارِ خود سزا بیند
در بود در هنر ستوده اثر   برخورد هم زمال و هم ز هنر
شه ز اندیشهٔ چنیں خورسند   بعد از انش خلاص داد ز بند
در صفِ خدمت اختصاصش داد   شغلے از شغلهائے خاصش داد
چند گهه از کفایت و تدبیر   پایه والاش گشت پیشِ سریر
از خرد کارش آں روائی یافت   کز ملک شغل که خدائی یافت
تا بدانی که هر کرا حشر دست   آرزو هاش در کنارِ خود ست
وانکه زر سنجی از پئے دگراں   از زرِ خود نهاد گنجِ گراں
چوں بزر داشت نسبت از عامه   رنگِ زر تازه کرد بر جامه
روز و شب با خود آں نشانی داشت   جامه را رنگِ زعفرانی داشت
زر که اکسیرِ کامرانی یافت   عزت از رنگِ زعفرانی یافت
زعفرانی عجب تریں رنگ ست   گونهٔ عاشقانِ بے ننگ ست
بنگر آں زر که زعفرانی نیست   در عیارِ آنچناں که دانی نیست
آفتابے که آسماں دارد   زینت از رنگِ زعفراں دارد
در مزعفر فزائشِ طرب ست   خندهٔ زعفراں ازاں سبب ست
شاه را چوں نگارِ شکر خائے   ق   زعفراں وار شد نشاط افزائے

در برآورد شاہ زرد قباش　　زعفراں سائے گشت بر حلواش

مجلس آراستنِ بہرام روزِ دوشنبہ در بہشتِ چہارم بہ گنبدِ ریحانی با ماہِ سبز رنگِ سقلابی[3] و لباسِ خضر پوشیدن و سلسبیلِ حیات نوشیدن

در دوشنبہ کہ چرخِ ریحاں پوش　　داد گل را نشاط مرزنگوش[1]

کرد خسرو چو سبز پوشی رائے　　گشت رخشاں چو ماہِ سبز قبائے

راند با ہمنشینِ روحانی　　سوئے گنبد سرائے ریحانی

باز برگِ نشاط ساختہ شد　　بربطِ خوش دلی[2] نواختہ شد

غمزہ زن گشت ماہِ سقلابی　　فتنہ را داد شغلِ بے خوابی

مجلسِ عیش و کامرانی بود　　تا بشب دورِ دوستگانی بود

چوں شبِ تیرہ گشت گوہر سنج　　در زمیں در شد آفتاب چو گنج

شاہ مست و حریف ہم سرمست　　رفت بیروں عنانِ ہر دو ز دست

گفت فرماندۂ سریر بلند　　کہ شکر لب ز پستہ ریزد قند

گوید افسانۂ کزاں گفتن　　در شبِ تیرہ خوش تواں خفتن

---

[1] مرزنگوش نوعے از ریحاں ست کہ خوشبو باشد ۱۲　　[2] س = خوش نوا

[3] سقلاب بالفتح ولایتے ست از ترکستان مبتہائے روم کہ مردمان آنجا بحسن صورت مشہور اند ۱۲

لعبتِ سیم با ہزار نشاط　　سو درخ را بپائگاہِ بساط
گفت شاہا جہاں بکامِ تو باد　　وز جہاں ہر چہ ہست رامِ تو باد[1]
ہر کہ بد بیندت چو بدبیناں　　دوزخی باد ہمچو بے دیناں
تحفۂ من کہ خاکِ راہ بود　　کے سزاوارِ بزمِ شاہ بود
لیک زانساں کہ خسرواں دانند　　بندگاں را بزرگ گردانند
من ہم آنچہ از فزون و کم دانم　　چوں ملک مُکرِم ست برخوانم
چوں بپورش تمام کرد سخن　　ق　گفت وقتے بروزگار کہن

افسانہ گفتنِ سبز پوشِ سقلابی

بود فرماں دہے بہندوستاں　　شہر و کشور ز عدلِ او بُستاں
ہر چہ در خسروی بکار بود　　ق　کہ بداں ملک برقرار بود[2]
داشت از مردی و جہانداری　　خاصہ آئینِ میہمانداری
ساختہ میہماں سرائے خوب　　یک بیک سازِ او ہمہ مرغوب[3]
ہر غریبے کہ آمدی از راہ[4]　　در فزودیش ناز و نعمت و جاہ
باز جستی ازو عجائبِ دہر　　وز ہنرہائے او گرفتی بہر
تا رسید از قضاش مہمانے　　خوش جہاندیدۂ و ہنر دانے

---

[1] جب = در　[2] رسجب = نا　[3] یعنی تمام ۱۲　[4] اجنبی و مسافر ۱۲

جادوئی گز دَمِ فسوں پرداز — مردہ را جاں بہ تن کشیدی باز

شاہِ مہماں نواز خواندش پیش — دلنوازی نمودش از حد بیش

چوں بپرداخت[۵۱] ز ارجمندیِ او — جُست بہرہ ز بہرہ مندیِ او

مردِ دانا ز شرمساریِ جود — داد بیروں ہر آنچہ در دسے بود

زانچہ میکرد شاہ را آگاہ — بیش ازاں گشتہ بود حاصلِ شاہ

تا دم از نکتہ ہاے[۵۲] جانی رفت — سخن از مرگ و زندگانی رفت

شاہ گفت آنچہ در جہاں ہنر ست — ق — کآدمی زادہ را بر آں گذر ست

از ہنر پروراں بخشش و برگ — کسب کردم مگر کہ چارۂ مرگ

چوں نبود ایں کلید بر مردم — بستہ ایں در بچارہا کردم

زیں سخن رہ روِ بیابانی — زیرِ لب خندہ کرد پنہانی

شاہ گفت اے خرد بجالِ تو جفت — سببِ خندہ باز باید گفت

شد مسافر بحیلہ عذر اندیش — کہ شود پردہ پوشِ خندۂ خویش

غنچہ گہ باز کرد و گہ پیوست[۵۳] — آنچہ بشگفتہ بود باز نہ[۵۴] بست

چوں دمِ عذر دلپذیر نبود — گفت چیزے کزاں گزیر نبود

---

[۵۱] یعنی شاہ چوں از تعظیم و عزت دادن مہمان فارغ شد ۱۲ [۵۲] اے شدہ شدہ سخن در ذکر جاں افتاد ۱۲

[۵۳] مراد از غنچہ دہن باشد یعنی لبہاے خویش را از خندہ باز کرد و بار دیگر فرو بست لیکن خندہ بر حالیکہ دلالت کردہ بود آں را نہفتن نتوانست ۱۲

[۵۴] حرس = باز بست

که مرا چون بجست و جوی هنر — ق — شرق تا غرب گشته[1] همه یکسر

هر کجا در زمانه نیرنگی ست — که پژوهنده را درو رنگی ست

اندک اندک بهره و شهری — برگرفتم ز هر یکی بهری

تا رسیدم باوستادی چیست — که دم از نقلِ روح زد بدرست

بفسون جانِ خود[2] برون کردی — در دگر کالبد درون کردی

عمری از خلق روی پیچیدم — خدمتش را بجان بسنجیدم

تا چنان شد ز شرمساریِ من — کاین فسون داد یادگاریِ من

هر چه من زو گرفته ام تعلیم — گر تو جوئی ترا کنم تسلیم

شاه گفتا[3] که بارِ اوّلِ کار — آزمونی بباید ناچار

مگسی را بکشت خواجه بتفت[4] — از خود آمد برون و در وی رفت

قالبِ مرده بر زمین افتاد — در زمان آن پرید و این افتاد

قدری کرد سو بسو پرواز — باز در قالبِ خود آمد باز

خفته برخاست از زمین خندان — ماند بیننده دست در دندان

گفت اگر آگهی[5] دهی زین حرف — یادگاریم باشد از تو شگرف

وآنچه من دارم از جواهر و گنج — همه[6] را پیشت آورم بی رنج[7]

---

۱ جبرس = گشته شد یکسر   ۲ س = زتن   ۳ ح = گفتش

۴ تفت یعنی گرم و اینجا بمعنی شتاب وجلد ۱۲   ۵ رجب = آگهم کنی   ۶ رجب = نیمه

۷ یعنی بی دریغ ۱۲

گفت دانا که زر کدام خس ست — هنرِ من مرا خزینه بس ست

آنکه[۵۱] او کیمیائے جاں دارد — زر چه باشد که دل بداں[۵۲] دارد

عهد کردم که بے توقعِ خواست[۵۳] — در تو آموزم ایں هنر که مراست

کار فرما چو عهد محکم کرد — کاردانش[۵۴] بکار محرم کرد

در وے آموخت آں فسوں سازی — تاش بازی نمود و جاں بازی

پس ز دانشش بآزموں آمد — جیفهٔ جست و در فسوں آمد

بفسوں جانِ خویش در وی بست — ایں ز پا او فتاد و آں بنشست

سخنے گفت و جا بنے برگشت — کآزمونش بصدق باور گشت

پس دُرِ خود بدُرج[۵۵] باز نهاد — دیدهٔ بر پاے سحر ساز نهاد

راهرو رفت و شاهِ دولتمند — داشت پوشیده رازِ خود یک چند

پس باندیشه گفت با دلِ خویش — که چه حاصل مرا ز حاصلِ خویش

چوں ز من بهرهٔ بکس نرسد — نفسے سوئے هم نفس نرسد

شمع باشد هنر که چوں افروخت — زاں یکے صد چراغ بتواں سوخت

حیف باشد که اینچنیں هنرم — کس نیاموزد و بخاک برم

تا بوقتے که دل نماند صبور — راز بیروں فگند با دستور[۵۶]

چند گه ایں خیال می سنجید — ویں هنر در دلش نمی گنجید

---

۵۱ ر = هر که ۵۲ حرس = برآں ۵۳ مراد از خواست مال باشد ۱۲ ۵۴ ضمیر شین راجع بسوے شاه ۱۲ ۵۵ یعنی باز جان خود در جسد خود آورد ۱۲ ۵۶ وزیر ۱۲

دروسے آموخت رمزِ جانیِ خویش | خاص کردش برمزِ دانیِ خویش

روزی از قلب[1] گاہ در نخچیر | دور ماندند بادشاہ و وزیر

شاہ صیدے بہ تیر کرد ہلاک | خواست بندد بگوشۂ فتراک

گفت دستورِ خارج اندیشہ | ق کاسے ہنرپرور و خردپیشہ

صید مردہ است و صیدگہ خالی | سیمیائی بنا بمن حالی

شہ ندانستہ بود کآں بدعہد | در نہاں برخلاف دارد جہد

او شد[2] از قالبِ گرامی دور | گرم در شد بقالبش دستور

برفرس جَست و راہ پیش گرفت | دامنِ اختیارِ خویش گرفت

لشکر از ہرطرف فراز آمد | شاد و خنداں بخانہ باز آمد

در حرم رفت و کامرانی کرد | بابتے چند ہرچہ دانی کرد

ہر صنم کاندراں شبستاں بود | خدمتش را چو زیرِ دستاں بود

جز یکے نازنینِ کار آگاہ | کآگہی داشت از حکایتِ شاہ

ساز کردی چو شہ عزیمتِ خویش | آں صنم[3] حاضر آمدی در پیش

رفت چوں سوی آں حرم دستور | ق تا خورد آبِ کوثر از لبِ حور

بنشاطِ تمام با بانو | بر سرِ تخت گشت ہم زانو

بے ادب وار برد سویش دست | صنم از جائے خویشتن برجست

---

[1] س = صیدگاہ   [2] س = شہ   [3] ر ج ب = پری

هم بهنجارِ کارِ او دریافت | کآن جسنرانه متاعِ دیگر یافت
خواجه چندانکه بیش زاری کرد | دلِ با نوکم استواری کرد
گفت گر خون فشانی از تنِ من | نرسد دستِ تو بدامنِ من
لیک چندے صبور باید بود | تا چه پیدا کند سپهرِ کبود
گر بدانم که تو همان شاهی | با تو باشم چنانکه می خواهی
ور تو افسونِ او بر و بستی | دستِ خود باز کش ز همدستی
گر بنظّاره می شوی خرسند | بس بود سایهٔ ز سروِ بلند
ور بر آهو زنی طپانچهٔ شیر | جفتِ من آتش ست یا شمشیر
چون نگه کرد خواجه کآن مه روے | هست صادق بحق گزاریِ شوے
آفرین صد هزار بر وے خواند | هم بچشمے ز دور قانع ماند
وآن طرف آهوے بیا باش[له] گرد | راند با آهوانِ دشت نورد
جست میزد بهر چراخواری | در جگر سوز و در دل آزاری
گردِ هر کوه و دشت و ویرانی | هیچ خوردش نه جز پشیمانی
روزے اندر سوادِ صحرائے | پویه میزد چو بے سر و پائے
دید افتاده طوطئے بگذر | سبز تر در میانِ سبزهٔ تر
گرم زآهو نهاد بیرون پائے | ساخت اندر نهادِ طوطی جائے

له اے پادشاه که در کالبد آهو بود ۱۲

جانِ شیریں بداں شکرخا داد — خضرے را دمِ مسیحا داد

در ہوا رفت وگشت در پرواز — تا شود سوے شہرِ خویش فراز

فوجے از طوطیانِ دشت گراے — گرد گشتند بروے از ہر جاے

چوں بدانش بزرگ دیدندش — بر سرِ خویش برگزیدندش[۱]

صید سازے بروضۂ چو بہشت — دامے افگندہ بود بر سرِ کِشت

فوجِ طوطی بسبزہ شد ز ہوا — سبزۂ[۲] بر سبزہ برکشید نوا

آگہی شاں نبود تا صیّاد — رشتۂ دام را شکنجہ نہاد

بود صیّاد تشنہ در تفت[۳] وتاب — آب جویاں بجوے رفت چو آب

داد مرغِ مہیں بیاراں پند — کہ نمی بینم ایمنے زیں بند

زیں گزندی کہ راہ در جاں یافت — جز بمردن خلاص نتواں یافت

صید گر[۴] تا بخونِ صید نتاخت — خویش را زود مردہ باید ساخت

پیش ازاں باید اینچنیں مُردن — بوکہ زیں فتنہ جاں تواں بردن

ہمہ گفتند کانچہ فرمائی — کردنی شد بجان و بینائی

گفت تو حرزِ جانِ خویش کنیم — گر نمیریم چشم[۵] پیش کنیم

ہمہ خفتند و مرغِ کارگزار — ماند بر پاسِ کارِ خود بیدار

مردِ صیّاد چوں رسید فراز ق — تا سرِ دام را کشاید باز

---

[۱] یعنی افسرو بادشاہ خود کردند ۱۲   [۲] حرس = در   [۳] حس = تب   [۴] صیاد ۱۲
[۵] یعنی ہمچو مردگان چشم بند کنیم تا اثر حیات پیدا نگردد ۱۲

دید کز صد خضر کہ پنہاں داشت — یک خضر بود کآبِ[۵۱] حیواں داشت

ماند حیراں کہ ایں چہ شاید بود — مگر از خود ہراسِ شاں بر بود

دام را باز کرد و ریخت بروں — طوطیاں را بخاکِ طوطی گوں

بر پریدند مردگاں بہوا — زندہ[۵۲] از دام بر کشید نوا

گفت صیاد را کہ دل خوش دار — زیں زیاں سینہ نامشوش دار

ہر چہ حاصل شدی از ایشانت — من بہ تنہا دہم دو چندانت

طوطیِ داں مرا بدِ[۵۳] انائی — کہ کنم[۵۴] در سخن شکر خائی

طوطیاں گر شکر خورند و نبات — خضرم من کہ ریزم آبحیات

مرد چوں گوش کرد گفتارش — خیرہ ماند از شگرفیِ کارش

دام بر دوش کرد و راند بشہر — تا ز بختِ خودش چہ باشد بہر

شد خراماں میانِ بازاری — تا کند تحفہ را خریداری

دید کآمد میانۂ بازار — شاہدے ہمچو صد ہزار نگار

زلفِ مرغول[۵۵] عنبر آلودہ — ہندو[۵۶] آسا بگل در آمودہ

نرگسش از کرشمہ شور انگیز — کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

ناگہاں در رسید تیز آہنگ — پس بصراف زادۂ زد چنگ

---

۵۱ آب حیواں داشتن زندہ ماندن ۱۲   ۵۲ اے بادشاہ کہ در قالب طوطی بود ۱۲

۵۳ ریجب = بگویائی   ۵۴ حرس = کند   ۵۵ مرغول بر وزن مقبول بمعنی پیچ و تاب موئے پیچیدہ ۱۲

۵۶ جب = ہمچو ہندو

گفت دیدم[1] من امشب اندر خواب	با تو خوش بوده ام بنقل و شراب
با من اندر نشاطِ جاں افروز	همه شب کام رانده تا روز
با چنیں نیکوئی که من دارم	مزدِ شب شد هزار دینارم
گر بلطفم دهی کرم دانم	ورنه من[2] خود بعنف بستانم
چوں[3] از زیناں بسے فسوں آورد	پورِ صراف راز بوں[4] آورد
درزد آں شوخ چنگ در دامن	خلق گرد آمده به پیرامن
باز میگفت هر یک از کم و بیش	سخنے بر قیاس و دانشِ خویش
حجتے کس چناں نداشت درست	که شود دعویِ مخالف سست
ماند زاں گونه در عجب صیاد	که ز صید خودش نیامد یاد
تیز[5] شد طوطی هنر پرداز	داد صیادِ خویش را آواز
گفت کاں هر دو را بسوی من آر	تا بآسانی آید ایں دشوار
مردِ صیاد کاں حدیث شنود	هر دو را خواند پیشِ طوطی زود
در دویدند هر دو مشغله ساز	باز گفتند پیشِ طوطی راز
گفت کز هر دو سوی باشد عهد	که ز انصاف نگذرند بجهد
ماجرا را چناں شوم دستور[6]	کیں غبار از میانه گردد دور

[1] رسجب = گوئی [2] س = از تو بزور [3] جب = زن کز زیناں [4] ے عاجزد لاجواب کرد ۱۲ [5] رسجب = طره [6] دستور یعنی ضابطه و آئین یعنی انصاف ایں مقدمه چناں بآئیں کنم ۱۲

شرطِ و پیماں درست شد ز دو سوی — که کس از گفتِ او نتابد روی

طوطی آورد روسے در صرّاف — گفت هاں بدرهٔ درم بشگاف

بر شمار آں قدر که می گوید — تا چنانش دهم که می جوید

چار و ناچار مردِ سیم گذار — بدره را باز کرد بهرِ شمار

او درم ریخت از پئے تسلیم — سیمبر خواست تا رُباید سیم

گفت طوطی که ایں سخن نه سزاست — باید آئینهٔ که گوید راست

کانچه من دارم اندریں سینه — نیست اُستادِ من جز آئینه

داشت آں رشکِ خانهٔ[1] جمشید[2] — باخود آئینهٔ به از خورشید

در زماں بهرِ آں معاشه را — پیشِ طوطی نهاد آئینه را

مرغ گفت آنچه سیمبر در خواست — بر شمارید پیشِ آئینه راست

چوں درم جمله در شمار آمد — عکس در آئینه بکار آمد

کرد اشارت بماهِ شکّروش — که زر اینک در آئینه است بکش

کاں عمل کز خیال گشت درست — مزد نیز از خیال باید جست

زیں تحکّم که کرد طوطی ساز — ماند حیراں نگارِ شعبده باز

در تماشاش خلق پشت[3] به پشت — لب گزیدند گاه گاه انگشت

گشت نظّارگی چناں بسیار — کز خریدار تنگ شد بازار

---

[1] حرمِ — قبلهٔ [2] قبلهٔ جمشید کنایه از آتش و اینجا مراد ازاں زن شعله رو ۱۲

[3] انبوه خلایق که صف بصف و پس و پیش ایستاده باشد ۱۲

نازِ صیاد هر چه افزوں بود | نرخِ مرغ از قیاس بیروں بود
تا خبر شد بشهر کوے بکوے | زاں شکرخای مرغِ شیریں گوے
حرمِ شه که بود با دلِ ریش | در وفاداریِ مسافرِ خویش
میگذشتش بکنجِ تنهائی | روزگارے بنا شکیبائی
غم همیخورد و غمگسار نداشت | مونسے جز خیالِ یار نداشت
چوں خبر یافت کز نوادرِ دهر | اینچنیں مرغ آمده است بشهر
کرد اشارت که خادمانِ حضور | زود نزدیکش آورند از دور
تا دراں بے دلی و بے سنگی | مونسے باشدش بدل تنگی
پیشوایاں شتافتند چو باد | تا ستانند طوطی از صیاد
نقدِ قیمت بکف نهادندش | زانچه میخواست بیش دادندش
آوریدند بهرِستانے | طوطیِ را بشکّرستانے
با نوش پرسشے نمود و بگفت | او دُر افشاند و ایں گهر می سفت
با شکرلب بصد دل انگیزی | کرد شیرینی و شکرریزی
قفسش ساخت با نوا از زرِ ناب | پس درآویختش بحجرهٔ خواب
چوں شدی زاندهِ فراق ملول | خویش را داشتی بدو مشغول
او بصد لابه در شدیش بپوست | رُفتی از وے غبارِ دوریِ دوست

ل جیب = شمار　　ٹه بے وقاری ۱۲

بامدادے زسازگاریِ بخت	بود تنہا عروس بر سرِ تخت
ہمچو خورشید تافتہ رویش	سایۂ ہم نبود پہلویش
مرغِ زیرک چو دید جا خالی	کرد پیدا نہانِ خود حالیٔ
آسفتے کز سریر گردش دور	قصۂ خویش و فتنۂ دستور
واں گرفتن بجرمِ آہو جاے	سبزہ بر سبزہ گشتن آہو پاے
واں پریدن بدشت پیمائیٔ	در صفِ طوطیانِ صحرائیٔ
واں گزیدن بدامِ صید گراں	بندِ خویش و رہائیِ دگراں
واں درآئینہ وانمودنِ کار	سیم راکردنی بعکس شمار
تا بدا ینجا کہ بختش آنجا برد	کہ دلش در سرِ تماشا برد
نازنیں چوں شنید گفتارش	خوں چکید از مژہ برخسارش
خاست از پیش گاہِ تخت چو باد	بوسہ بردست و پاے طوطی داد
گفت کاے ہمنشینِ دیرینہ	مرہمِ درد و راحتِ سینہ
ہیچ دانی کہ چند بردم رنج	تا زرویت شدم سعادت سنج
ویں زمانت کہ بامن ست نشست	نیز گوئی کہ نیستی در دست
جفتِ ہر یک بجنسِ وے باشد	آدمی جفتِ مرغ کے باشد

لہ رس = تمنا لہ رس = دیدم سہ اے ایں وقت کہ بامن نشستۂ نیز گویا در دست من نیستی چرا کہ تو درصورت طائرومن بصورت انساں ہستم ازیں سبب اکنوں ہم ہماں جدا ئیست ۱۲
لہ رسجب = ہر کس زجنس

مرغ گفت آں درے[1] که دشمن بست | غم مخور کآں کلید نیزم[2] هست
چارہ آں شد که از دمِ تز دیر | خویشتن را دهی برائے دزیر
گوئی او را که هرچه داری کام | بیکے شرط زآں نِشست تمام
آنکه جانِ عزیز هر زمنے | چوں همی ریزی از تنے به تنے
زیں فسوں دم دهی بدانا نش | که برآری ز کالبد جانش
قالبِ مرده پیشش اندازی | تا شود همدمش بدمسازی
او چو بیروں رود ز خانهٔ خویش | من درآیم[3] درآشیانهٔ خویش
نازنیں کیں نویدِ جانی یافت | مرده گوئی که زندگانی یافت
چوں درآمد بوقتِ خود دستور | تاکند ماه را نظاره ز دور
خاست سرورداں ز گوشهٔ تخت | جائے دادش نبزدِ خویش چو بخت
گفت دستور خیر هست که دوست | بامن امروز مغز گشت بپوست
بچه خدمت چنیں بلند شدم | که بدرگاهت ارجمند شدم
کرد زیبا نگارِ حیلت جوئے | به تکلف چو شرمساراں روئے
گفت بنود کنوں قرار مرا | کادبت[4] کرد شرمسار مرا
باز دیدم بدانشش آگاهی | روشنم شد که توهماں شاهی
لیک یک آزموں دگر دارم | تا ز دل زنگِ شبه بردارم

---

۱ حرس = درم　　۲ جب = هست بدست　　۳ حجب = باآشیانهٔ
۴ کاابت یعنی ادب تو ۱۲

آزموں آنکہ آں مسافرِ چیست | داشت افسونِ نقلِ روح درست
بفسونے زخود بروں رفتی | در دگر کالبد دروں رفتی
آنچہ بایستی اندرو بودی | بازرہ سوے خانہ پیمودی
گرز تو بینم آں چناں ہنرے | تو شہی خاک برسرِ دگرے
من ہماں بندہ ام بجانِ عزیز | خواہیم جفت سازو خواہ کنیز
خواجہ کش در دل ایں تمنا بود | کآرزومندِ یک تماشا بود
چوں کلیدِ خزانہ یافت بجنگ | از پئے گنجِ سیم شد بے سنگ
پاسخش داد کآنچہ فرماں ست | راضیم گرچہ حکم برجاں ست
چہ متاع ست جانِ خاک وشم | کزدل و دیدہ پیشِ تو نکشم
باتو کورا ہوائے دمسازی ست | بازیِ جانش کمتریں بازی ست
گو بیار ند زود جانورے | تا نمایم نظارۂ ہنرے
نازنیں چیست خود دو ید چو باد | مرغ آورد و پیشِ خواجہ نہاد
خواجہ کشتش ولے بہنجاری | کہ نیاید بقالب آزارے
وانگہہ آہستہ در فسوں آمد | بفسوں از جسد بروں آمد
رفت در مرغ و مرغ جست زجاے | تنِ بیجاں در او فتاد زپاے
چوں تہی دید شاہ قالبِ خویش | سبک آمد فرو ز مرکبِ خویش
رفت در ہفت[۱] منظرِ جانی | پنج نوبت زناں بسلطانی

[۱] ہفت اندام ۱۲

درز ماں مرغ را بخجر کشت — کشته راہیں که بار دیگر کشت

جفتِ خود را در آں وفاداری — کرد چوں مخلصاں ہوا داری

بس گرایش کرد مہر افزود — زاں گرامی ترش که اوّل بود

قدرِ او آنچه داشت افزوں کرد — دیگراں را ز خانه بیروں کرد

بعد ازاں زاں وفا که داشت بدوست — طوطیاں را گرفت در دل دوست

کرد حکمت بطوطیاں تعلیم — سکهٔ طوطیاں نهاد بسیم

چند طوطی ہمیشه با خود داشت — خویشتن را ز جنسِ شاں پنداشت

کرد چوں طوطیانِ بستانی — پائے تا سر لباسِ ریحانی

سبز ریحانی است رنگے نغز — داد بیننده را طراوتِ مغز

سبزه در باغ رنگِ ریحاں یافت — دیده از سبزه روشنی زاں یافت

شاخِ ریحاں طرازِ نسرین ست — باغ را زیور از ریاحین ست

گلعذارے که خارِ خار دل ست — خطِ ریحانیش بہارِ دل ست

چوں صنم مست کرد پنہانی — شاه را زاں شرابِ ریحانی

شه فروخفت و یارِ زیبا ہم — ہمچو ریحان و یاسمن باہم

گلگشتِ بہرام در سه شنبه سوی بہشتِ پنجم و گل افشاندن در گنبد گلناری با گلعذارانِ تاتاری و گلاب گل کرده از بلبله نوش کردن

در سه شنبه که صبحِ لعل و سپید — ق — رنگِ گلنار بست بر خورشید

شاهِ بهرامِ گور چون بهرام[1] — گشت گلنار گون بجامه و جام

عزمِ گنبد سرائے گلگوں کرد — وز دل اندوهِ دهر بیروں کرد

لعبتِ تنگ چشمِ تاتاری — آمد از غمزه در جگر خواری

برمیاں سپت کرد گیسوے تر — موی[2] را هم زموی ساخت کمر

خدمتِ شه بآرزو میکرد — شاه میدید و آرزو می خورد

همه روز آں طرب مهیا بود — کشتیِ باده همچو دریا بود

شب چو پرویں نمای گشت سپهر — ماه برخویش بست زیورِ مهر

داد فرماں خدایگانِ سریر — کآید آں ماه روی در تقریر

بفسونِ درفسانه چو نبات — مغزِ شه ترکند بآبِ حیات

سجدهٔ بندگی نمود عروس — کرد طوطیِ لب چو خونِ خروس

گفت جاوید زی بدولت و بخت — زیر پایت همیشه پایهٔ تخت

سر که گرد وز دستِ تو پاک — باد در پاے دوستانِ تو خاک

چه بضاعت مرا بود در بار — که کشم پیشِ شاهِ گیتی دار

لیک چوں شاه داد دستوری — واکشایم دمے بمعذوری

---

[1] بهرام یعنی مریخ که سرخ بر فلک پنجم تابد ۱۲

[2] مراد، زموے اول کمر و از ثانی موے زلف

و از کمر کمر بند که بندی آنرا پٹکا نامند ۱۲

[3] حجب — و : [illegible] ن = چشم

کرد چوں عذر خواہی از حد بیش ق گفت وقتے ز و قتہا زیں پیش

غنچہ کشادنِ بہارِ گلر و از بادہای خوش و بلبل وار افسانۂ عاشقانہ گفتن

پنج یارِ ہنر شناس و جوان — از حد مولتاں شدند رواں
زاں یکے بود بادشہ زادہ — از بزرگی بخوردی افتادہ
پورِ بازارگاں بُدآں دگرے — مایہ بیش و قماش بیشترے
سومیں بود نقب گیری چست — کاہنش بیخ کوہ کردی سست
شخص[۱۱] چارم درو دگر اُستاد — موشگافے بہ تیشۂ فولاد
پنجمیں بود[۱۲] باغبانِ شگرف — کہ بگل یافتے حکایت و حرف
پورِ بازارگاں بلطف و نواخت — گاہ بیگاہ برگِ شاں بیساخت
ہمہ باہم موافق و دمساز — درحدِ کامرو[۵۳] شدند فراز
کارواں زاں زمینِ مشک سرشت — سوی شہرے گذشت ہمچو بہشت
درسوادے بتازگی چو بہار — خیمہ برکرد کارواں سالار
واں جوانانِ نغز گام بگام — می نمودند گردِ شہر خرام
بتماشاے باغ و سبزہ و جوی — قدمے میزدند سوے بسوے

---

[۱۱] جب = بود [۱۲] ح = شخص [۵۳] کامرو ولایتے ست در اقصاے بنگالہ ۱۲

تا تماشا کناں درآں پروا ۔۔۔ سوی بتخانہ شدند فراز
منظرے بود برکشیدہ بلند ۔۔۔ چشم بند ہزار صورت بند
نقشبندانِ بابوسے فرہنگ ۔۔۔ نقشِ مانی تراش کردہ[۵۱] زسنگ
ہر نگارے چناں بزیبائی ۔۔۔ کہ درو خیرہ گشت بینائی
نقش بنیاں کزاں طرف راندند ۔۔۔ در تماشاے او فرو ماندند
زانہمہ نقش ہائے جاں آویز ۔۔۔ گشت در پیکرے نظرہا تیز
کہ بحسن از قیاس بیروں بود ۔۔۔ وزدگرہا بصنعت افزوں بود
از نگارے نمونہ پیکرِ او ۔۔۔ کامرانی[۵۲] نوشتہ بر سرِ او
بت کزاں ماہ رونشانی داشت ۔۔۔ ماہ رونام کامرانی داشت
در زبانہاے ہنددواں بہ سخن ۔۔۔ کام[۵۳] عشق آمدہ است رانی زن
در تماشائے او[۵۴] بہ زیبائی ۔۔۔ خیرہ می گشت نورِ بینائی
چشمِ بینندگاں درآں پرکا ۔۔۔ ماند حیراں چو صورتِ دیوا
بیخودی در دماغِ شاں رہ یافت ۔۔۔ عاشقی دستِ صبر کوتہ یافت
ہیچ دل گرچہ بے غبار نہ بود ۔۔۔ لیک شہزادہ را قرار نہ بود
زلفِ شب تا حجابِ نور نگشت ۔۔۔ چشمِ او زاں نظارہ دور نگشت

---

[۵۱] ب = بسنگ [۵۲] بر سر آن بت سنگی لفظ کامرانی نوشتہ بود ۱۲
[۵۳] یعنی بزبانِ ہندواں کام عشق را و رانی زن را می گویند ۱۲
[۵۴] جیب = ز

شب چو بتخانهٔ سپهر کبود	صد هزاران[1] بت از هوا بنمود
خواستند آن مسافران ملول	که خرامان شوند سوی نزول
همه را دل بسوی منزل بود	جز ملک زاده را که بیدل بود
گفت ما را شد اختیار ز دست	وای دستی که رفت کار ز دست
نقش این سنگ دل ز دستم برد	شد برین سنگ شیشهٔ من خرد
تا نیفتاد[2] جان من به زوال	جان من بعد ازین و این تمثال
یا درین نقش گم شود نفسم	یا بپرکار[3] اصل باز رسم
همدمان زین حدیث بی سر و پای	بی سر و پا شدند هم بر جای
پند دادند و جای پند نبود	هر چه گفتند سودمند نبود
عاشقی چون ز دل برآرد جوش	در نگنجد نصیحت اندر گوش
همه زان داوری زبون ماندند	واندر آن بقعه شب درون ماندند
وان گرفتار سنگ با دل تنگ	چشم بر هم نزد چو لعبت سنگ
صبح چون پرده بر جهان بدرید	جامه بر خود چو عاشقان بدرید
ماند عاشق ز خوردنی بی بهر	همنشینان روان شدند بشهر
تا بجویند کاردانی چست	کین گره را کلید داند جست
کوی بر کوی میشدند شتاب	سینه پر آتش و دو دیده پر آب

---

۱ انجمهای فلک ۱۲ ۲ ای تا وقتیکه جان من نیفتد یعنی مرگ نمی آید ۱۲
۳ حاصل بیت اینکه یا بمیرم یا از وصل شاهزادی لذت گیرم ۱۲

آں چناں شہر چوں بہارستاں — نزدِ[۱] شاں می نمود خارستاں

از کساں باز جستہ[۲] می کردند — رازِ صورت درست می کردند

تا درآں جستجو کہن پیرے — داد شاں را کلیدِ تدبیرے

گفت کاں صورتِ چو گلشنِ تر — کہ چو لالہ ز سنگ بر زدہ سر ق

نسخۂ[۳] نازنینِ ایں شہرست — کز رخش چشمِ خلق بے بہرست

غرفۂ کردہ اند از[۴] یک چوب — ہم ز آسیب دور ہم ز آشوب

او درآں مہدِ آسماں پیوند — چوں ستارہ بر آسمانِ بلند

کس نہ پہلوی آں بہشتی روی — جز کنیزے دو نا رسیدہ بشوی

چوں ملک فارغ آید از ہمہ کار — عیش را نردباں نہد بحصار

قلعہ گیرد[۵] بہ بتِ حصارے را — گل چند باغِ نو بہارے را

بادہ نوشد نشاط فرماید — خسپد و خیزد و فرود آید

گل فروشے ست زیرِ منظرِ شاہ — کہ رود سوی آں چمن گہ گاہ

گل برد پیشِ سرو بنشیند — گلِ دیگر ز باغ بر چیند

رازِ ایں پردہ زآشکار و نہفت — داند اما بروں نیارد گفت

گر بود رہ بآشنائیِ او — او برد رہ بروشنائیِ او

---

[۱] نجب = پیش شاں [۲] تلاش وتفحص ۱۲ [۳] ایں: از نسخہ مراد نقل تصویر شاہزادی ۱۲

[۴] نجب = بر [۵] اے تنگ در بغل می گیرد ۱۲

آں جواناں برہمنوئے پیر — باز جستند رخنۂ تدبیر
پرس پرساں برو فراز شدند — چارہ جویاں بچارہ ساز شدند
در نہاں باوے آشنا گشتند — پس بدنبالِ ماجرا گشتند
پورِ بازارگاں چنانکہ تواں — سیم میریخت ہمچو آبِ رواں
گل فروش از عطای رود در رو — برگ چوں گل نہادہ تو بر تو
چوں یقیں گشت شاں کہ پنہانی — بندہ شد زال زاں زر افشانی
باغباں زادۂ ہنر پیوند — بنہ[1] در باغِ گل فروش افگند
او ہمہ روز گل بگل[2] بستی — ویں ز بہرِ نظارہ بنشستی
گل فروش آں بنازنیں بردی — گلشنے پیشِ یاسمیں بردی
آں ہنر گرچہ بود از حدِ بیش — راز بیروں ندادی از حدِ خویش
تا یکے روز فرصتی دریافت — از بسے گل نمونۂ بر[3] یافت
ہر نمط زاں نمونۂ زیبا — نقش[4] در نقش بست چوں دیبا
دادکیں تحفۂ جہاں افروز — ببر آنجا کہ میبری[5] ہر روز
گل فروش آں بسروِ بستاں برد — گلستانے سوئے گلستاں برد
چوں کہ آں نوبہارِ باغِ جناں — صنعتِ گل ندیدہ بود چناں

---

[1] بنہ بمعنی درخت دبیخ درخت ۱۲
[2] اے گل دستہ ساختے ۱۲
[3] طیار نمود ۱۲
[4] حجب = بر
[5] ح = می بری

در تماشاے آں زبر تا زیر — ماند انگشت در دہن تا دیر
پس بدو گفت کیں نگارش حسپت — نیست زنہا کہ کردہ بنجست
زانکہ زینگونہ دستکارِ عزیز — از تو ناید ز ہیچ مردم نیز
کیست کیں گل نگار کردۂ اوست — چیست رازی کہ آں بپردۂ اوست
پیرزن گفت کارِ کارِ من ست — ویں گلستاں ہم از بہارِ من ست
از گلے گاشنے کنم در خورد — بجز از من دگر کہ داند کرد
نازنیں گفت اگر زتست ایں ساز — تو بکن پیشم آنچہ کردی باز
کارہا چوں بآزموں آمد — کارپرداز زاں زبوں آمد
گفت کز راستی چو نیست گزیر — راستی را بروں دہم ز ضمیر
میہمانِ من ست برنائے — بغریبے رسید از جائے
ہنرش از شمار بیشتر ست — ویں کہ بینی فروتریں ہنر ست
بمروّت نگارِ شکّر خند — ریخت در دامنش درستی[۱] چند
گفت چوں رہ بری بیارِ او — ایں دہی مزدِ دستکاریِ او
پیرزن بازگشت خرّم و شاد — دستِ مزدِ ہنر جواں را داد
سینۂ باغباں چو گل بشگفت — رفت وایں ماجرا بیاراں گفت
آں وفا پرورانِ با فرہنگ — چوں سرِ رشتہ یافتند بچنگ

---

[۱] درست بضمتین بمعنی اشرفی ۱۲

خلوتے ساختند و شب کردند | مادرِ پیر را طلب کردند

اوّل از زر دہانش بربستند | بعد ازاں مہرِ راز بشکستند

بیش و کم ہرچہ بود در دلِ ریش | باز گفتند یک از کم و بیش

بتِ سنگین و عاشقِ بے ننگ | قصۂ دردمندیِ دلِ تنگ

پیرزن کین حدیث کرد بگوش | آمد از بیمِ خویش اندر جوش

گفت لب زین سخن بباید دوخت | دل بسودای خام نتواں سوخت

گنبدے کاندراں بتِ سنگ ست | غلغلش تا ہزار فرسنگ ست

کس دراں[۵۱] سنگ یکدمی ننشست | کہ نیاید بزیرِ سنگش دست

واں بتِ[۵۲] سیم کش ندید کسے | سنگدل تر ازاں بت ست بسے

ریخت صد خونِ بیدلاں بہوس | کہ فسوسے نیامدش بر کس

ہر کہ گیرد درونِ شہرش نام | در زمانش زباں کشند ز کام

سخنے کز خطاست پیوندش | نیک بنود کشادن از بندش

آں جواناں دگر بصد زاری | تازہ کردند رسمِ دلداری

ریختندش خزانہ بکنار | بیشتر زانچہ بود اوّل بار

گل فروش از چناں نوازشِ گرم | سرنگوں ماند چوں بنفشہ ز شرم

---

۵۱ جب = بداں ۵۲ یعنی آں معشوقہ کہ ہنوز کسے او را ندیدہ از تصویرِ سنگیِ خویش سنگدل و سخت تر ست ۱۲

گفت من کز برای نیمی دانگ   گرد هر کوی میزنم گلبانگ

لطف تان[1] مایه داد چندانم   که عدد کردنش نمی دانم

چون نوازش ز حد فزون آمد   شکر آن هم ز حد برون آمد

بهر آن کار کین عطا ستدم   جان فشانم که خون بها ستدم

گر برآید و گر نیاید کار   من یکے از شما شدم ناچار

یا درآرم سرش بچنبر خویش   یا ز چنبر برون کنم سر خویش

باغبان گفت گر پذیری راست   از توام نیست بیش ازین درخواست

کانچه گل می بری بسرو بلند   صنعت دست من بدو پیوند

تحفهٔ من بدو فراز رسان   هر چه گوید بیا و باز رسان

پیرزن گفت کین حدیث که بود   تو چه فرمائیم که او فرمود

بامدادان که گل بباغ شگفت   غنچه بیدار[2] گشت و نرگس خفت

گل طلب کرد مرد گل پیراے   شد ز گلدسته بند نافه کشاے

کرد از گل نمونهٔ پرکار[3]   نقش آن بت که دیده بر دیوار

نام او نیز بر سرش بربافت   نقش و عنوان بنامه در خور یافت

پس فسونے بر و دمید چنان   که نسیمش ز دست برد عنان

---

[1] تان بمعنی شما ۱۲
[2] مراد از بیداری غنچه طلوع آفتاب و از خفتن نرگس غروب ماهتاب و ستارگان ۱۲
[3] نغز و خوب ۱۲

تحفہ چوں شد بماہِ تحفہ شناس — حیرتش باز شد بروں ز قیاس

نقشِ خود دید و نامِ خود برخواند — در خود و نامِ خویش حیراں ماند

درد ماغش چو راہ یافت نسیم — گشت جانش ز عاشقی بہ دو نیم

شورشے در دلش دروں اُفتاد — دلش از خویشتن بروں اُفتاد

گفت با گل فروشِ مہر آمیز — کاے ہمہ صنعتِ تو مہر انگیز

چہ گل ست ایں کہ دل ز دستم برد — تیرِ اندیشہ را ز شستم برد

آنکہ بست ایں نمونہ برگلِ نو — کرد جانم بدستِ فتنہ گرو

یکرہ اینجا رساں بہنجارش — تا تماشا کنم بدیدارش

پیرزن گرم دید چوں بازار — مرہمے تازہ یافت بر آزار

با پری وش زباں بافسوں کرد — واں سخن را سخن دگرگوں کرد

گفت کای آفتابِ دلخواہاں — ق آرزومندِ روی تو شاہاں

کے سزد چوں تو دلربائے را — کہ برد نامِ ہر گدائے را

نازنیں را کہ دل قرار نداشت — ایں سخن را جوے بکار نداشت

پیرزن ہر چہ می نمود گریز — روغنے میزدش برآتشِ تیز

تابداں شعلہائے[1] دم پرورد — پختہ کرد[2] آنچنانکہ باید کرد

پس بہ پیمان و عہدِ محکم و چست — گفت رازِ نہفتہ را بدرست

---

[1] عجب = وآزموں — [2] محب = کردش چنا

حالِ بے ننگیِ دو سہ ہمدست | ماجرائے غریبِ سنگ پرست
کآتشے جست و بسوزاں سنگ | کہ زدودش بسوخت صد فرسنگ
شعلۂ زود رآں جواں افتاد | کہ شرارش در این و آں افتاد
تو توانی بیا سخے چو نبات | کآتشے را کُشی بآب[1] حیات
پاسخش داد ماہِ سیم اندام | ق | کای چو من آہوے گرفتہ بدام
بس ہزبراں کہ شیر نخچیرند | بر درِ من چو سگ ہمی میرند
پیش ازاں کز دماغِ سودائی | پردہ[2] بالا کنم برسوائی
پردۂ ساز کن دریں مستی | بو کہ دستے زنم بہمدستی
پیرزن زیں نوائے سینہ نواز | پائے کوباں بجانہ آمد باز
مژدۂ خوش دلی بیاراں داد | بر سرِ کشتِ خشک باراں داد
ہر یکے شادمانیِ نو یافت | پیرزن خود جوانیِ نو یافت
باز با ہم بچارہ پردازی | ساز[3] کردند رسمِ دمسازی
ہمہ گفتند پیشِ مادرِ پیر | ق | آنچہ از گفتنش نبود گزیر
کز متاع و خزینہ و اسباب | ۲ | وز ہنر ہر چہ باید از ہمہ باب
ہمہ داریم تا بداں مقدار | ۳ | کز وے آساں شود ہمہ دشوار
لیکن ار دوست بارضا باشد | ۴ | واندریں کار یارِ ما باشد

---

[1] اے آتش عشق را آب وصال کشتی ۱۲ [2] پردہ بالا کردن فاش نمودن ۱۲
[3] نب = تازہ

نکند قصدِ ما بحیله گری ٭ پرده پوشی کند نه پرده دری
پیرزن باز شد بانو زود ٭ گفتنی هرچه بود گفت و شنود
چوں بنا ہاے عہد محکم کرد ٭ وز دل آشوبِ فتنه را کم کرد
بازگشت و دل از سخن پرداخت ٭ گفت سازید هرچه باید ساخت
میہماناں ز مہربانیِ دوست ٭ بر شگفتند ہمچو گل در پوست
شب فراہم شدند روے بروے ٭ مشورت ساختند موے بموے
بازگفتند ہر یکے کم و بیش ٭ ہنرِ خود بقدرِ دانشِ خویش
باغباں گفت کز دلِ دمساز ٭ ہرچه میداشتم نمودم باز
و آنچه دیگر دہید فرمانم ٭ کنم آں ہم چنانکه بتوانم
نقب زن گفت خاک را انبفت ٭ ق ٭ زیر زیر آنچناں توانم سُفت
کآں ستونے که سر کشیده بماه ٭ در تهِ آں ستوں کشایم راه
تیشه زن رو بنقب گیر آورد ٭ شرح داد آنچه در ضمیر آورد
گفت اگر نقبِ تو رسد بستوں ٭ در ستوں من روم بحیله دروں
گفت بازارگانِ دریا دل ٭ ق ٭ که چو ما را یکی ست دل با دل
از شما رنج بردن اندر کار ٭ وز من افشاندنِ زر و دینار
کمر از بہرِ کار چست کنیم ٭ سکهٔ دوستی درست کنیم
یا ہمه مال و جاں دہیم بباد ٭ یا رسانیم دوست را بمراد

ہم بدین اتفاق و رای صواب — شب نهادند سر ببالین خواب

چون زنقبِ زمین بر آمد مہر — کرد بیرون سر از رواقِ سپہر

خاست بازارگاں بعزمِ درست — وز پئے کار کرد دامن چست

مدتے کارِ آب وگل پرداخت — واندراں کوی[1] خانۂ نو ساخت

خاکش از بوی خوش[2] عبیر سرشت — صحنش از خرمی چو باغِ بهشت

گونه گوں صفۂ گونه گونه رواق — تا فلک برکشیده طاق[3] طاق

حجره در حجره بست[4] اندر بست — رازِ آں کس بروں نبرد که چیست

چوں عمارت بلند گشت تمام — کام جویاں شدند در پئے کام

در یکے حجره کاں دروں[5] بود — ق — راهِ او سوے رہنموں بود

نقب زن بازوے هنر بکشاد — خانه را در ببست و سر بکشاد

کرد ره تا بجاے گاه رسید — زیرِ زیرِ زمیں بماه رسید

گِل بپولا دمی شگافت چناں — که ز اندیشه میر بود عناں

تا رسانید نقب را بدرست — در ستونے که دست گه می جست

داد نوبت بمردِ چوب تراش — تا کند چوب را درونه خراش

---

[1] اے در آن کوچه که قریب ستون ماهرو بود یک مکان تعمیر ساخت ۱۲ [2] ج = گل

[3] طاق اطاق اے متعدد و متواسے ۱۲ [4] گویند که بست در بست نقشی ست کیمیا اثر و از عاملان کامل الفن کسے او را شنیده اند و راز او سر مکتوم ست ہمچنیں حجرها در آں قصر نو قرار داده بود که ترکیب آن بفهم مرد ماں نمی آمد ۱۲

[5] اے راه او سوے آں ستوں بوده که مطلوب شاں بود ۱۲

رفت در رخنه تیشه زن حالی | تا بصنعت ستون کند خالی
آهنِ تیــز را بکار آورد | چوب را دل به خار خار آورد
نقش در مغزِ چوب زانسان بست | که بر آن گونه نقش نتوان بست
اوّل اندر ستون کشاد درے | پس بهر تختہ کرد نو هنرے
نردبانے دروں دروں تا بام | پایہ بر پایہ راست کرد تمام
چوں بداں پایہ شد هنر پرداز | ق | که کشاید بسقف روزنِ راز
بازگشت وز حجرۀ بیروں راند | ماجرا پیشِ پیرزن برخواند
گفت رو پیشِ ماهِ سیمبراں | بیں که عهدی که کرده هست بر آں
گر بر آں گفته هست ثابت رائے | گو زنامحرماں تهی کن جائے
تا کشائیم روزنِ مقصود | ورنه لب را به بند و باز آزود
پیرزن رفت و شد مزاج شناس | وقت خوش دید و دور کرد هراس
چوں بناهاے عهد محکم بود | ق | وانکه در خانه بود محرم بود
لکدے زد برو و روزن سخت | که کشاداز دروں دریچۂ بخت
نازنیں چوں نگاه کرد زبام | آمد از زیر تیشه زن بسلام
پاسخش داد کای زدانشِ خویش | ق | درخورِ صد هزار تحسیں بیش
با چنیں دستکاریِ که تراست | عذرِ دستت چگونه دانم خواست

---

(۱) حنب = حفره (۲) حنب = فراز (۳) نب = یارم

گر نہی دل بمہمانیٔ من | بہرہ یابی ز میزبانیٔ من
ور بہم صحبتاں گرائی باز | من خود آیم بوقتِ خویش فراز
پاسخش داد مردِ شیریں کار | ق کاے سمن عارض و شکر گفتار
گرچہ تو زاں کرم کہ می دانی | ۲ میہمانِ خودم ہمی خوانی
لیک بر چیں زدیگراں دامن | ۳ کآشنائے تو دیگرست نہ من
چوں دو عاشق شوند باہم جفت | من دعائے زدور خواہم گفت
ایں سخن گفت و بازگشت ز پیش | وآمد از رخنہ سوئے منزلِ خویش
نازنیں کرد رخنہ را سرسخت | برفرازش نہاد جامہ و رخت
پس زمیلِ درونہ[۱] کرد رواں | پیرزن را بسوے سروِ جواں
دادش انگشتریِ خاص ز دست[۲] | کیں سلامم[۳] رساں بعاشقِ مست
گو من امشب در انتظارِ توام | دوست نادیدہ - دوستدارِ توام
اگر آئی[۴] چو خواجگاں بکنیز | بندہ ام پیشِ میہمانِ عزیز
گلفروش از خوشی چو گل شگفت | رفت وایں قصہ[۵] را بیاراں گفت

---

[۱] در فارسی میل دبر وزن پیل میخ آہنی یا مسی کہ بر سر گنبد نصب کنند یا منار کہ بجہت علامت فرسنگ در راہ سازند الا درین شعر از میل درونہ مراد آں راہ مخفی کہ در جوف ہماں ستون ساختہ بودہ ۱۲

[۲] جب = بدست [۳] ح = سلامے

[۴] جب = گر بیائی ح = گر گرائی

[۵] جب = ماجرا

سوی عاشق دوید یاری زود | بردش از دوست مژدهٔ مقصود
چون بگوش وی این سخن در شد | بی‌خبر بود بی‌خبرتر شد
ماند حیران در آن حکایت نغز | جوشش از دل در اوفتاد بمغز
خاست چون بیدلان جان داده[۵۱] | دل دیوانه را عنان داده
پای کوبان بوجد و حال آمد | در نهان خانهٔ[۵۲] وصال آمد
خانه دید چون بهشت ارم | درو دهلیز و بارگاه و حرم
اولش سوی حجره بردند | در نوا سازیش پی افشردند
غسل دادندش از گلاب و عبیر | تازه کردند کسوتش ز حریر
وانگهی هرچه باید از همه باب | پیش بردند نان و نقل و شراب
وآن طرف رفت پیرزن بنهفت | گفت با بانو آنچه باید گفت
پیش[۵۳] از آن آن غزال مست[۵۴] دلیر | خواب خرگوش داده بود بشیر
که همی خواهم از طریق نیاز | در طاعت زنم به پردهٔ راز
امشب آن به که باشی از من دور | در بوم دور داریم معذور
باورش داشت شاه ساده ضمیر | رفت و بگذاشت سرور را به سریر
شب چو با آسمان قرینی کرد ق | ماه با زهره همنشینی کرد

---

۵۱ ای عاشقان فدائی ۱۲ — ۵۲ مراد از تعمیر و قصر نو ۱۲ — ۵۳ جب = پیش آن خود غزاله

۵۴ مراد از غزال مست بانو و از شیر پادشاه یعنی پیش از آمدن پیرزن ماهرو پادشاه را از فریب جای دیگر بخواب خوشش غافل کرده بود ۱۲

نازنین باز کرد روزنِ خواب　　تا ز روزن درآیدش مهتاب

نزدبان دُور کرد و دَر[51] ربست　　درِ پوشیده را گشاد و نشست

پاسے از شب چو برگذشت بدیر　　در چراگاهِ آهو آمد شیر

دو مه[52] از پرده روشنائی داد　　دو دل از دوستی گوائی داد

آنکه نادیده دل بهم بستند　　هر دو نادیده وار پیوستند

جانِ عاشق که روی جاناں دید　　تشنه گوئی که آبِ حیواں دید

درکنار آنچناں کشیدش تنگ　　که طبرخوں[53] شدش نهالِ خدنگ

چاشنی خواست اول از مے[54] و شیر　　پس جدا کرد حلّه را ز حریر

پسته را بر شکر خراج نهاد　　میل در سرمه دانِ عاج نهاد

همه شب تا بگاهِ بانگِ خروس　　گردنِ شاه بود و زلفِ عروس

صبح چوں برگشاد روزنِ نور　　شد ز هر روزنے سیاهی دور

ماند ماهِ چهارده در کاخ　　اژدها باز رفت در سوراخ

روزِ دیگر که خانه شد خالی　　عیشِ دوشینه تازه شد حالی

هم بر ایناں بوقتِ فرصتِ کار　　گرم بود آں دو[55] فتنه را بازار

گاه شه بر شدی بروزنِ ماه　　گه مه از روزن آمدی سوی شاه

---

[51] حجب = در بربست　[52] دو مه یعنی ماهرو و شاهزاده ۱۲　[53] طبرخوں بید سرخ و در برهان چوبیست سرخ رنگ تلخ مزه و در مجموع اللغات و فردوس اللغات یعنی صندل سرخ ۱۲　[54] از مے مراد لب و از شیر پستان حاصل بیت اینکه بعد بوس و کنار از وصال محبوبه لذت اندوز شد ۱۲　[55] مراد از عاشق و معشوق ۱۲

چوں بدیں گونہ رفت روزے چند | گشت محکم دو دوست را پیوند
بادشاہ زادہ گفت با یاراں | کآفریں بر شما وفاداراں
کز رہ لطف ہر یکے آں کرد | کہ ہمہ عمر شرح نتواں کرد
پختہ گردید کارِ من چو تمام | باز کوشید تا نگردد خام
پیشتر زانکہ پردہ را بدریم | برویم و عروس را ببریم
گفت بازارگاں کہ دل خوشدار | جگرِ دشمناں بر آتش دار
ما کہ بہرِ ترا بچندیں جہد | پردہ بر ماہ برزدیم زمہد
تا ندانی دریں خجستہ سواد | رخت بندیم بے متاعِ مراد
نسزد نیز رائے والا را | کہ بدزدی بریم کالا را
آنگہے بر زما بمردی نام | کہ بمردانگی کنیم خرام
آشکارا نشاط گاہ کنیم | ماہ را میہمانِ شاہ کنیم
گنج راچوں بمار بنمائیم | مار ماٹیم[1] و گنج بربائیم
شب بدیں اتفاقِ خوش خفتند | روز را قصہ با صنم گفتند
نازنیں گفت آنچہ فرماں ست | کنم ار خود[2] حدیث برجاں ست
ماجرا چوں درست شد با ماہ | رفت بازارگاں بحضرتِ شاہ
برد ہر جنسِ قیمتی چنداں | کہ شہ انگشت ماند در دنداں

---

[1] اے بگذاریم ۱۲ [2] انچہ فرماں ست بجا خواہم آورد اگرچہ در و خطرہ جاں باشد ۱۲

گفت چندیں متاعِ گوهر و گنج ق که نیاید بوهم گوهر سنج

پیشکش کردن از برای چراست خواست باید هر آنچه باید خواست

گفت بازارگاں که بختِ بلند باد زاکلیلِ شاه دولتمند

من که بازارگانِ شهرِ خودم واندریں ره رواں ز بهرِ خودم

هر کجا ره گرفتم از پئے سود سودِ من صحبتِ بزرگاں بود

کشورے را که زیرِ پا کردم میرِ آں کشور آشنا کردم

دید چوں میهماں پرستی من گشت مهماں [۱] بزیر دستی من

هم بداں بندگی ست میلم باز که شود رنجه شاهِ بنده نواز

شاه چوں دید گرم خوئی او شرمش آمد ز مهر جوئی او

گفت رَو کُن هر آنچه دانی ساز که من آیم گهے که خوانی باز

میزباں باز شد بخانهٔ خویش کرد ترتیبِ آشیانهٔ خویش

داشت در خانهٔ نشاط سرشت هفت منزل [۲] بسانِ هشت بهشت

از یکے زاں خجسته بزمے ساخت که دلِ زهره ز آسماں پرداخت

چوں شب آمد بمجلس آرائی جام برداشت چرخِ مینائی

رفت مردِ کشاده پیشانی داد شه را صلاے مهمانی

نقل و مے یک بیک مهیا کرد خانه از موجِ دُر چو دریا کرد

---

[۱] اے باوجود زیردستی من میرِ آں کشور مهمانم گشت ۱۲ [۲] جب = منظر

شاه با یک دو خاصگانِ حضور | حاضرِ بزم گشت با دستور
شب فروہشت پردهٔ ظلمات | باده دروی رواں چو آبِ حیات
بانگِ طنبورِ خرگہے[۵۱] درگوش | می ربود از دماغِ مستاں ہوش
چوں شد از جوشِ باده سرہا خوش | گشت ہر دل کشاں بہر دل کش
ماہِ بالانشیں فرو خوانند | قصه درگوشِ او فرو رانند
راست کردند تا به نیم شباں[۵۲] | پیکرش چوں خیالِ بو العجباں[۵۳]
شاہدِ دلفریبِ دیده نواز | شد خراماں بصد کرشمه و ناز
ہم بداناں که در شب آید ماه | فرق تا پاے در حریرِ سیاه
غمزه غارت کنِ خردمنداں | تشنهٔ خونِ آرزومنداں
روئے خوبش که بے نقابے بود | در شبِ تیره آفتابے بود
شد بگفتار آں طرب سازاں | ساقیِ بزمِ شاں خوش و نازاں
چوں در آمد پیاله بر کفِ دست | ہر که دیدش خراب[۵۴] گشت نه مست
شاه را کامد آں صنم در پیش | ق | گم شد اوّل در و پس اندر خویش

---

۵۱ طنبورِ خرگہے قسمے از طنبوره است که او را آہسته می نوازند و آواز بلند نمی دہد ۱۲

۵۲ در شباں الف و نون زائد است چنانکه بامداداں و بہاراں ۱۲

۵۳ مراد از شعبده بازاں و بازیگراں یعنی تا نیم شب از زر و زیور ہمچوں شعبده بازاں پیکرِ ماہرو راست کردند ۱۲

۵۴ گویند که مستی چند مرتبه دارد اوّل سرخوش دوم تردماغ سوم سیه مست چہارم خراب و ایں انتہاے مرتبهٔ مستی ست که شخص از خود گذشته باشد ۱۲

گفت یارب که این همان ماه است — یا دلم کور و عقل گمراه است

اگر این اوست کے دلیر آید — ماه[1] کے ز آسماں بزیر آید

وگر او نیست خود چنیں ماہے — زیبد اندر برِ چو من شاہے

عاقبت چوں دلش قرار نکرد — خاطرش ترکِ خار خار نکرد

محرمے پیش جست و کرد رواں — تا کند جست و جوی سروِ جواں

او از آنجا دوید ہمچوں باد — ویں ازیں سو قدم بحجرہ[2] نهاد

رفت در کاخ و جامه دیگر کرد — رخنه بر بست و سر به بستر کرد

چوں فرستاده در رسید شتاب — ماه را دید در نهانی خواب

باز شد تا خبر بشاه برد — رازِ خرگه[3] ببارگاه برد

پیش ازاں رفته بود قبلهٔ حور — بر کشیده سواد را بر نور

جام برکف به بزم در می گشت — هر که می دید بے خبر می گشت

شخصِ بیننده زاں تماشا گاه — آمد و گفت هر چه بود[4] بشاه

شاه را دل براں قرار گرفت — خاطرش ترکِ خار خار گرفت

نوش می کرد باده پے در پے — ساقیش مست کرده بود نه مے

در تمنائے آنکه چوں سازد — کاں گلُ از بوستاں بپردازد

زاں تمنا که گردِ جاں می گشت — هر دمش آب در دهاں می گشت

---

[1] جب = چوں [2] جب = حجرہ [3] خرگه یعنی خیمه و اینجا مراد محلسرائے شاہی ۱۲
[4] جب = دید

تا برانداخت بادِ شبگیری[۵۱] ق از رخِ صبح پردۂ قیری

شاہ رغبت ہنوز باقی داشت مست بود و خمارِ ساقی داشت

عاشق و مست و بادشاہِ جواں صبر کردن بگو چگونہ تواں

می گسست ارچہ شیرِ نر زنجیر ہم نیفگند پنجہ بر نخچیر

خاست از جائے خویش مستانہ دل رہا کرد و رفت در خانہ

ایں طرف مہ بہ برجِ خویش آمد شاہ چوں پیش رفت پیش آمد

خضر گم گشت چوں بچشمۂ خویش چشمہ خود ز آشنائی آمد پیش

ساقیِ کش بناز در بر جست پیشِ او بود جائے دیگر جست

یار در پیشِ او ز ہجر برنج فاقہ می کرد و پائے بر سرِ گنج

آبِ حیواں بجام و او در سوز بود در انتظارِ شب ہمہ روز

شب چو از مہ گرفت جامِ شراب ق ہر کسے برد سر بالشِ خواب

میزبانِ شبانہ باز آمد شاہ را دل در اہتزاز آمد

بہ بہانہ شکر[۵۲] لبِ چینی ساخت خود را ترش ز شیرینی

کرد شہ چاپلوسیِ بہ نفاق پس ز خلوت ببزم شد مشتاق

باز عیشِ شبانہ گشت بکار تازہ تر شد نشاط را بازار

ساقیِ شب نمونہ دیگر کرد فرق تا پائے زیب و زیور کرد

---

[۵۱] بادِ شبگیر بادیکہ قریب سحر وزد ۱۲

[۵۲] مراد از ماہرو ۱۲

شب سیه بود پوششِ خورشید — جامه امشب چو زهره کرد سپید
گرچه شمعِ شبانه بود آں ماه — خویشتن را دگر نمود[1] بشاه
شه که دید آں جمالِ نورانی — باز ماندش دہنے[2] ز حیرانی
ساقیِ نو چنانش برد ز ہوش — کش فراموش گشت مستیِ[3] دوش
دل ازو برگرفت وایں را داد — چمنِ[4] لاله یاسمیں را داد
دیده در لعبتِ خراماں داشت — جانش میرفت و چشم بر جاں[5] داشت
هم بر آں گونه تا سحرگاهاں — بود زاں ماه نُقل و مے خواہاں
روز چوں کرد سوی خانه شتاب — دید خورشیدِ خویش را در خواب
دید کاندر نظر خطاش نمود — ماهِ پیشینه اژدهاش نمود
خفت لختے و خاست بیدل وا — نازنیں هم ز خواب شد بیدار
ابروے ناز را پُرا ز چیں کرد — شاه را از کرشمه مسکیں کرد
هر طرف کز عتاب راهش بود — شه بصد لابه عذر خواهش بود
بر وزاں[6] گونه شاه را از ره — دزد بیباک و پاسباں ابله
شب چو خورشید روی پنہاں کرد — آسماں سبزه را گلستاں کرد
میهماں باز شد بمهمانی — میزباں برکشاد پیشانی

---

[1] امشب بنوعے خود را آراست که پادشاه دانست کہ ایں معشوقه دوشینه نیست بلکه غیر اوست ۱۲
[2] مجبن = دہاں بحیرانی [3] مجب = ساقی [4] مراد از چمن لاله دل وا زیاسمیں معشوقهٔ سفید پوش ۱۲ [5] مراد از جان ثانی معشوقه یعنی ساقی سفید پوش ۱۲
[6] مجب = زیں

ساقیِ شب رسید خنداں خند — سبز پوشید ہمچو سرو بلند

باز شہ از نظارہ بیخود گشت — آرزوے دلش یکے صد گشت

گفت با ایں طرب فزائیِ خویش — شرمم آید ز بادشائیِ خویش

خواجہ را جز جنانہ چنداں حور — من کہ شاہم بہ پیکرے مغرور

گر ستانم بزور بیداد است — ورنہ صبرم گسستہ بنیاد است

ہمہ شب تا بگاہِ بانگِ خروس — بادہ میخورد با ہزار افسوس

بامداداں کہ سوی خانہ شتافت — ماہِ شب گرد را بمنزل یافت

ہفت روز آں صنم بزیور و زیب — گونہ برگونہ بود شاہ فریب

شاہ مشغولِ عشقبازیِ خویش — واں جواناں بکار سازیِ خویش

بود زاں جائگاہ تنگا تنگ — آبِ دریا بقدرِ یک فرسنگ

ہر چہ تدبیرِ راہِ دریا بود — پیش او یک بیک مہیا بود

چوں ہمہ راست کرد برگِ جہاز — بوداعِ ملک شدند فراز

گفت ہر یک کہ شاہِ دولتمند — باد جاوید بر سریر بلند

ماکہ از بندگانِ درگاہیم — عذر خواہِ نوازشِ شاہیم

تا دریں منزلِ رضا بودیم — غرقِ احسانِ بادشا بودیم

ویں زمانے کہ رو براہ داریم — توشہ نیز از عطاے شہ داریم

---

۵۱ مراد از ماہرو ۱۲ — ۵۲ در تنگا تنگ الف اتصال ست ۱۲ — ۵۳ حجب = گشت

نقدِ بازارگاں خطاست بہ بند | سودِ دریاکشیم[1] ماہی چند
چونکہ مارا ز لطفِ منعمِ دہر | ناگزیر ست بودنِ ایں شہر
ہرچہ داریم مال و نعمت و چیز ق | وانکہ شہ دید ساقیانِ عزیز
میگذاریم امانت اینجا باز | تاکہ آرد خداے مارا باز
یادِ ما بہ کہ در ضمیر بود | واں امانت اماں پذیر بود
ملک آں نامِ ساقیاں چو شنید | گشت شاداں کہ جامہ خواست[2] درید
گنجہا داد عذرہا درخواست | کردشاں توشۂ کہ باید راست
پس نظر داشت کاں جوامرداں | بسفرکے شوند سرگرداں
کوکنند[3] گنج خانہ را تاراج | شہرِ نورا درآورد بخراج
درگرفتش ہواے دل بشتاب | خود بدریا روانہ گشت چو آب
پیش زاں پردہ بود صاحبِ راز | کردنہاں عروس را بجہاز
چوں مسافر بسوے کشتی رفت | پنج رضواں[4] بیک بہشتی رفت
کشتی آں سوے می پرید چو باد | شاہ زیں سو عناں بمرکب داد
بادلِ تشنہ و دہاں پُرآب | شد ز دریا رواں بسوی سراب
آمد اندر سراے مہماناں | درہواے پری فسوں خواناں
چوں دروں رفت خانہ خالی دید | عشق را تیغِ لاابالی دید

---

[1] حجب = کنیم [2] ح = کہ [3] ... [4] مراد از پنج رضواں پنج یار و یک بہشتی یعنی ماہر و ۱۲

گشت کاخ و رواق و حجرۂ و بام | زاں تدرواں یکے ندیدہ بدام
حجرہ در حجرہ جستجو میکرد | سر بہر روزنے فرو میکرد
در یکے حجرہ ہفت دیگر دید | طرفہ غارے بزیرش اندر دید
تا سوِ حجرۂ فتادش راہ | کز چہِ او طلوع کردے ماہ
گام میزد دروں دروں گستاخ | تا برآمد ز نردباں بر کاخ
رفت در برج و برج بے مہ دید | زہرہ بشگافتش کہ ناگہ دید
او ز حیرت در آں تمنا مرد | واں دگر رفت و آں تمنا برد
شاں چو رفتند سوی خانۂ خویش | خورم از بختِ شادمانۂ خویش
ماہ با شاہِ نوجہاں شد شاد | کش نیامد ز شاہِ پیشیں یاد
در دل انچہ از گذشتہ جوششِ بود | خار خارے ز گلفروشش بود
بودے اندر نشاطِ بادۂ و جام | در غم زالِ گلفروش مدام
کردہ بود از وفاؔ یاری او | جامہ گلگوں بیادگاری او
بود چوں ترک آسماں بجہاں | زیرِ گلنار گوں پرند نہاں
رنگِ گلنار دلکشاے بود | چوں مے لال جانفزاے بود
زیبِ باغ ست گونِ گلناری | چوں شفق بر سپہرِ زنگاری
ہر کہ شد بخت و دولتے یارش | رخ بسرخی بود چو گلنارش

لہ ح = لون

هست گلنار همچو نارِ کلیم | گلِ نارست باغِ ابراهیم
ماهِ گلنار چهره چوں تمام | گفت افسانہ خفت با بہرام

گلگشت نمودنِ بہرام روزِ چہار شنبہ در بہشتِ ششم وگنبدِ بنفشہ فام از دستِ آہوی بنفشہ موی رومی شرابِ بنفشہ بوی کشیدن

چارشنبہ کہ برکشید نوا | مرغِ صبح از بنفشہ زارِ سما[52]
خواست گردِ دشۂ سرِیر افروز | بلباسِ عطاردِ فیروز[53]
لیک آں گونہ موجبِ غم بود | کہ کبودی لباسِ ماتم بود
باقبائے بنفشہ بوقلموں | رفت در گنبدِ بنفشہ دروں
ماہِ رومی کشادہ ابرو چین | رفت در پیشِ شاہِ روی زمیں
بزمیں بوسِ شاہ رائے آورد | شرطِ تعظیم را بجائے آورد
جام پر کردہ ماہِ جاں افزائے | ماند بر رسمِ ساقیاں برپائے
درزماں کرد شاہِ عشرت کوش | آبِ حیواں زآبِ حیواں نوش[54]

---

[51] حجب = گشت [52] حجب = ہوا
[53] لباس عطارد کبود ست ۱۲
[54] یعنی جام شراب از دست معشوقہ رومی نوشش کرد ۱۲

آں طرب تا بشام باقی بود | مہ غلام و ستارہ ساقی بود[1]
روز چوں ساخت کسوت از پرِ زاغ | میلِ خفتن نمود نرگسِ باغ
شاہ بہرِ فسانۂ چو شکر | کرد رو اندر آں شگوفۂ تر
سروِ آزاد بندہ وار بہ پیش | کرد خم چوں بنفشہ قامتِ خویش
پس دعا را گذارشش نو داد | گفت باشی ز بخت و دولت شاد
ھر چہ خواہی ز ماہ تا ماہی | پیش بادت ہر آنچہ می خواہی
در حضورت کہ خسروِ زمنی | بندۂ را چہ جائے ہم سخنی
لیک بر اعتمادِ حضرتِ شاہ[2] | گویم آنچم بسینہ یا بد راہ
چوں تہی شد ز معذرت سینہ | گفت در روزگارِ پیشینہ

بنفشہ شدنِ سروِ آزاد در سجدۂ بندگی پیشِ بہرام وآں متعطش را بدیں افسانہ شربت دادن

بود بازار گانے اندر روم | نعمتش را شمار نا معلوم
پسرے داشت ہوشمند و عزیز | زیرک و کاردانِ با تمیز
در عجب ہاے عالمش ہوسے | و آزمونِ زمانہ دیدہ بسے
خانۂ داشت چوں بہشتِ بریں | ہر طرف ذاہ نگار حنا پہ چیں

---

[1] مراد از مہ بہرام و از غلام محکوم و از ستارہ معشوقہ ۱۲

[2] ح = رخصت

هر مسافر که آمد از جایے   کردحالی بمنظرش پایے

سوئے مهمان سرای خویشش برد   میوهٔ نقل و باده پیشش برد

چندگه داشتے بمهمانی   میزبانِ کشاده پیشانی

باز جست از وے آشکار و نهان   کز عجب ها چه دید گرد جهان

آں جهاندیده از شگفتِ سفر   گفتے یک یک ز هرچه داشت خبر

سالها در چنیں تمنّایے   پخت با هر رونده سودایے

تا یکے روز بامداد پگاه   ناگه آمد مسافرے از راه

در زمانش بخانه مهمان برد   ارجمندش[1] بسوے ایواں برد

خوانے از مرغ و برّه پیش آورد   نعمتے از قیاس بیش آورد

گشت چوں رغبتِ خورش باقی[2]   مهر بکشاد شیشه را ساقی

بادهٔ لعلِ ارغوانی رنگ   جلوه گر گشت در ترنّمِ چنگ

چوں گذشت از شراب دورے چند   درجِ لبها کشاده گشت ز بند

هر کرا بود قصّهٔ بنهفت   پیشِ پرسنده یک بیک میگفت

چوں بمهمانِ نو رسید سخن   ق   گفت بسیار زیر چرخِ کهن

گشته ام بس که داشتم هوسے   وز شگفتِ زمانه دیده بسے

وان عجبها که در جهاں دیدم   هرچه کس دید بیش ازاں دیدم

---

[1] اسے بعزت تمام ۱۲   [2] باقی اینجا بمعنی قیام دارنده اسے رغبت خورش سکون گرفت ۱۲

لیکن از ہر چہ دیدہ ام نخست | زاں عجب تر ندیدہ ام بدرست
کز دیارِ فرنگ[٤١] شش مہ راہ | ہست شہرے و مردماں چوں ماہ
نیمہ گویا و نیمۂ خاموش | خامشاں کسوتِ بنفشہ بدوش
من ز گویندہ باز جستم راز | کز خموشاں خبر چہ گوید باز
کیں ہمہ خلق را خموشی چیست | چوں بنفشہ بنفش پوشی چیست
پاسخم داد مردِ کار شناس | ق کاندریں کارگاہِ پُر وسواس
ہست گرما[٤٢] بہ زصنعِ[٤٣] حکیم | سیمیا خانۂ عجب تقسیم
گنبدش را شمار ناپیدا | گم شد آنکس کہ شد درو شیدا
آدمی کاندرو دروں آید | از پسِ چندگہ بروں آید
یا بمیرد در آمدن[٤٤] درحال | یا بماند خموش تا دہ سال
اندر آں خامشی بود بیہوش | بہرِ ماتم[٤٥] بنفشہ کردہ بدوش
چوں سخن را گرہ کشاید باز | ہمہ گوید مگر فسانۂ راز
تا کسی کاں طرف بود رایش | خود نہد روے در تماشایش
وانکہ در شد بداں[٤٦] تماشاگاہ | بارِ دیگر بروں نیابد راہ
گرچہ سالے بود درو کم و بیش | در نیابد نشانِ رخنۂ خویش

---

٤١ ح = فرنجہ　　٤٢ گرما بہ معنی حمام ١٢　　٤٣ ج = وضع　　٤٤ حجب = بآمدن

٤٥ حب = جامہاے بنفش　٤٦ ن = پرنیان بنفشہ

٤٧ حب = درآں

من که در دل درآمد این نفسم | خاست از بهر دیدنش هوسم

خواستم کآن طرف کنم پرواز | برگشایم گره ز پردهٔ راز

لیکنم دل نکرد دمسازی | که دہم جاں دراں ہوس بازی

راہرو کاں فسانه بروے خواند | باز پرسنده[1] را قرار نماند

تا شب آں روز عیش سازی کرد | خوشی و میہماں نوازی کرد

شب چو دریای چرخ برزد رنگ | چشمهٔ مہر شد بکامِ نہنگ

مرد سوداگرے ہوس پیشه | ق | چشم برہم نزد ز اندیشه

بامداداں که صبح جامه سپید | پرده برداشت از رخِ خورشید

ناشکیبا ز خوابگہ برخاست | خاست و کرد برگِ رفتن راست

از متاعِ زر و غلام و کنیز | کرد باخود رواں فراواں چیز

پدرِ مہرباں شنید خبر | بے سر و پا دوید سوے پسر

دم ہمی داد و ہیچ دود نداشت | کرد زاری بسے و سود نداشت

عاقبت دست بر جہاں افشاند | از[2] ولایت جنازه بیروں راند

واں مسافر که داشت آگاہی | ہمعناں ساختش بہمراہی

ہر دو باہم ز عیش فرد شدند | شہر بر شہر رہ نورد شدند

در تموز و بہار و تابش و تاب | می نوشتند راه را بشتاب

---

[1] مراد از پرسنده پسر بازارگاں است ہماں میزبانِ میہمان و مسافر نواز ۱۲   [2] حجب = وز

تا در آن کارگاهِ پر ز خیال — در رسیدند از پسِ یک سال

در سرای شدند رخت کشاد — خود بشهر آمدند خورم و شاد

خلق دیدند بشتر خاموش — وز حریر بنفشه کسوت پوش

گردِ هر کوی و خانه می‌گشتند[۵] — رازِ پوشیده باز می‌جستند

زان شگفتی که داشت سر بنهفت — خبرے کس چنانکه بود نه گفت

چاره ناچار مردِ شعبده جوے — سوئے گرمابه راند پویا پوئے

همرهش باز داشت اسرارے — که حذر بهتر از چنیں کارے

او همه میلِ فتنه در سر داشت — عاقبت دل ز میل سر برداشت

بغلامانِ خاص گفت که من — راه زاں برگرفته‌ام ز وطن

کانچه در خاطر آرزو دارم — دیدهٔ آزموں درو دارم

یا ببینم تمام و گردم باز — یا دهم جاں درونِ پردهٔ راز

از شما هر که استوارتر ست — راست اندیش و راستکارتر ست

به که دائم امینِ مال بود — تا نمک خوردنش حلال بود

من چو بر خود کشم حجابِ خیال[ن] — انتظارم کشید تا بدو سال

گر بیایم دفینه برشمرید — ورنه رختم بخانه باز برید

شور برخاست از غلامانش — دست بردند سوی دامانش

---

[۵] گرد گشتن کنایه از تردد و کثرت آمد و رفت که بهندی خاک چھاننا گویند ۱۲ جوهر [ن] حجب = بسیارے

کیں چہ دیوانگی و خودرائیست | در دیوان زدن نہ دانائیست

کام دلداری و جوانی ہست | ہمہ اسباب کامرانی[۵۱] ہست

روزگار نشاط را دریاب | زانچہ دادت خدای روی متاب

زیں نمط ماجرا گذشت سبے | بر نیامد رمیدہ را نفسے

عاقبت بر مراد خاطر خویش | سوی گرما بہ رہ گرفت بہ پیش

رفت و در شد در آں طلسم آباد | عالمے دید ہر درے کہ کشاد

سقف ہر گنبدے کہ کرد نگاہ | سر گنبد رسیدہ دید بماہ

ہفتہ گشت بے طعام و شراب | راہ بیروں شدن ندیدہ بخواب

شد پشیماں ز خامکاری خویش | خواند بخشندہ را بیاری خویش

چوں سراسیمہ گشت بے سروپاے | ناگہش رو[۵۲] نمود راہ نماے[۵۳]

دید ناگہ درے فراخ ز دور | آفتاب او فگندہ در روے نور

رفت زاں سو دویدہ ہمچوں باد | روضۂ دید پر گل و شمشاد

لالہ برکف گرفتہ جام شراب | نرگس از مستی اوفتادہ بخواب

گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے | سبزہ[۵۴] نو دمیدہ بر لب جوے

سو بسو از درخت میوہ قطار | شاخ سر بر زمیں نہادہ زبار

---

۵۱ ح = زندگانی ۵۲ حجب = رہ ۵۳ مراد از ہادی مطلق جل مجدہ ۱۲

۵۴ ح = سبزہ ہا ۵۵ حب = سروہا

ماند حیراں جوانِ بینندہ | شکرہا گفت[۱] زآفرینندہ
تشنگی داشت از خورش خالی | خورد ہر گونہ میوۂ عالی[۲]
برلبِ جوئے رفت و آبے خورد | سایۂ سرو[۳] دید خوابے کرد
خاست از خواب و رفت میلے چند | دید قصرے برآوردیدہ بلند
شد شتابندہ[۴] تا رسید آنجا | منظرے چوں بہشت دید آنجا
باز کردہ درے بلند و فراخ | رفت یکسر درونِ وے[۵] گستاخ
ہر کجا گام زد جہانے دید | پیشِ ہر صفہ بوستانے دید
ہر نمونہ عمارتے پرکار | گلشنے پر ز صد ہزار نگار[۶]
کردہ[۷] زاں گونہ سو بسو تمثال | کآدمی را نگنجد آں بخیال
بوستانے تہی ز مردم دید[۸] | چشمِ نظارگی در و گم دید[۹]
خواجہ زامیدِ زندگانی طاق | تا بشب گشت گردِ کاخ و رواق
چوں جہاں رخ نہفت در پرِ زاغ | ق | شد فلک پر ز صد ہزار چراغ
دل ز تنہائیش پریشاں گشت | رفت بر منظرے و پنہاں گشت
چوں[۱۰] ز شب رفتہ نیم پاس تمام | ق | ماہی و مرغ یافتند آرام
دید کآمد بروں ز گوشۂ باغ | آفتابے بکف گرفتہ چراغ

---

[۱] جب = کرد | [۵] یعنی شتاب ۱۲ | [۳] ن = خوب
[۲] جب = در | [۶] ج = بہار | [۱۱] ن = دید در باغ
[۸] حجب = بود | [۹] حجب = تا

صد هزاران ستاره گرد و پیش — خود چو خورشید شمع اندر پیش

زان فروزش که قصر گلشن گشت — شب تاریک روز روشن گشت

تا بدان منظر آمدند فراز — که درو بود خواجه خلوت ساز

تخت کردند پیش صفه بپاے — شد بدیبا نهفته صحن سراے

چون شد آرایش نشاط همه — ق — پر ز مه و زهره شد بساط همه

میر خوبان نشست بر سر تخت — وز دو سو همنشین دولت و بخت

نازنینان دو سوے صف بستند — پیش مسند بناز بنشستند

خاست ساقی و باده گشت روان — خوردنی در رسید خوان بر خوان

چون کشیدند پیش هر کس خورد[1] — از رقاق[2] سپید و گردهٔ زرد

گفت خندان نگار تخت نشین — ق — که درین کاخ آسمان تمکین

آدمی زاده ایست بیخور و خواب — گشته از کوب[3] روزگار خراب

دور گردونش کرده سودائی — ماند بیخویشتن ز تنهائی

هست برنا[4] غریب و مهمان نیز — چاره نبود ز میهمان عزیز

خوانده باید بلطف اندر پیش — مهربانی نمودن از حد بیش

تا سرش را خرد فراز آید — دل که رفتش ز جاے باز آید

شمع برداشت لعبت چو چراغ — رفت بر منظر بلند ز باغ

---

[1] خورد بمعنی خورش ۱۲ — [2] نان تنک ۱۲ — [3] کوفت و رنج ۱۲ — [4] ح = برما

دید تنها نشستہ مسکینے | کرد با بخت آسمان کینے
داد شں آواز- خواجہ رفتہ زجاے | لرزہ در روے فتاد سرتا پاے
سرو سیمیں بمہر دل داد شں | کرد زاندیشہ خاطر آزادش
گفت خیز اے جوانِ زیبا چہر | کہ درِ دولتت کشاد سپہر
بانوی ما کہ گنجِ لطف[۱] در دست | آدمی سیرت ست مہماں دوست
برخوری زاں صنم کہ در ہمہ ساز | تو غریبی و او غریب نواز
خواجہ را کاں سخن بگوشش آمد | لختے از بیہشی بہوشش آمد
گفت[۲] بحر ام ہر کجا خواہی | کہ منت بندہ ام بہمراہی
شمع را پیش برد قبلۂ حور | او چو پروانہ در حوالی نور
پیشِ تخت آمدند ہر دو زکاخ | در تحیر جوانِ ناگستاخ
چوں بدید آں جمالِ نورانی | سود بر خاک تیرہ پیشانی
از سر[۳] لطف ماہِ شکر خند | خواندش از خاک بر سریرِ بلند
گفت عیب ست میزباناں را | کہ نپرسند میہماناں را
کے روا باشد ایں کہ ما نم دیر | من بہ بالا و میہماں در زیر
بر سریر آ و باشش ہمتا یم | ورنہ من نیز بر زمیں آیم
خواجہ گفت اکہ من کیم بارے | تا بداں پایہ باشدم کارے

---

[۱] جب = مہر [۲] فاعل گفت سوداگر بچہ ۱۲ [۳] جب = رہ

خاکِ مسکیں کہ پائمال بود | بر فلک بردنش محال بود

باشد آں جاے در خورِ چو تو ماہ | دیو بر آسماں نیابد راہ

زیں نمط گفتگو فراواں رفت[لہ] | خواجہ جائے بشد کہ نتواں رفت[لہ]

آمد از تخت نازنیں در زیر | کرد با خود بمردمیش دلیر

دستِ او را گرفت و بالا برد | شاند بر جاؤ ہوشش از جا برد

نازنیں رو بمیہماں آورد | پرورش و لطف درمیاں آورد

پیشِ او داشت خوردہاے غریب | ہر یکے جاں نواز و مشکیں طیب

از نسیمش کہ گردِ جاں می گشت | خواجہ را آب در دہاں می گشت

بود ز اندوہِ فاقہ سودائی | یافتش چشمِ تیرہ بینائی

دست در خورد بر سرِ شرم گذاشت | خورد چندانکہ میلِ خوردن داشت

رفت چوں خواں بکار خانۂ خویش | ساقی آورد جامِ مے در پیش

ہر طرف لعبتے بریشم ساز | گشت زآہنگِ خوش حریف نواز

مجلسے چوں بہشت عالمِ نور | رفت رضواں بمیہمانیِ حور

گر فرشتہ درآمدے در باغ | ہمچو پروانہ سوختے بچراغ

روے در روے یارِ جانی بود | درمیاں دورِ دوستگانی بود

بانوے بانواں چو سرمستے | ہر زماں بذلہ برد بستے

لہ ح ہ شد

چون سرِ خواجہ گرم شد زشراب | آرزو را[1] ز سر بروں شد خواب

شد ز سر زندہ شہوتے کہ بمرد | رغبتِ دل عناں ز دستش برد

عاشقانہ بپاے یار افتاد | کار با بوسہ و کنار افتاد

زآنِ او شد عروسِ شیریں کار[2] | دزد نادان و پاسباں طرار

او در آویخت در دو زلفِ چو شست | گردنِ خود بطوقِ مشکیں بست

روے بر رو نہاد و دوش بدوش | خرمنِ گل کشید در آغوش

برد غارت بدرجِ مروارید | ایں ہمی چید و او ہمی بارید

شور در نقلدانِ ناز افگند | شمعِ بے دود را بگاز[3] افگند

تشنہ بود آبِ زندگانی یافت | مایۂ عمرِ جاودانی یافت

خواست تا در رود بحجلۂ ناز | قفلِ گنجینہ را کشاید باز

ماہِ ابلہ فریب و عشوہ فروش | بوسہ دادش بعذرہاے چو نوش

گفت آہستہ ترکہ زآنِ توام | نوش کن مے کہ نقلدانِ توام

چاشنی باری از نمک برگیر | تا دہن خوش کنی بشکر و شیر

شربتے کارزوست زود نہ دیر | وانکہ خوردی وے و گشتی سیر

تشنہ کز آب سیر شد جانش | میل نبود بآبِ حیوانش

---

[1] یعنی آرزوے خفتہ از مستی شراب بیدار شد ۱۲ — [2] جب = زیبا

[3] گاز یعنی مقراض و اینجا عبارت از میانہ ہر دو زانوے بانو ۱۲

چوں زہم خوابہ گشت مرد صبور	داغِ[۱] زنگی نہد بجبہۂ حور
ور نیاری زمیں و رغبتِ خویش	ق کہ دہی گوشمالِ شہوتِ خویش
زیں ہمہ لعبتان زیبا روے	کہ کنیزِ من اند سوے بسوے
ہر کہ زیبا ترآیدت بنظر	خاصۂ تست دست گیر و ببر
رقیہ[۲] چند ازیں نمط برخواند	کاتشِ خواجہ را فرو ننشاند
وانگہ از غمزہ گفت[۳] پنہانی	بانگارے چو سروِ بستانی
آمد و باہزار لابہ و لوس	داد بر دست و پاے برنا بوس
زآنِ خود کردش از فسون و فریب	تا دلش را نماند جاے شکیب
خاست از پیشگہ بدستورے	رفت در جاے[۴] گاہِ مستورے
در برآورد یارِ زیبا را	کرد خوش جانِ ناشکیبا را
یافت آں آرزو کہ در سر داشت	کامِ دل دید و کامِ دل برداشت
ہمہ شب با بتِ بہشتیِ خویش	راند در جوے شیر کشتیِ خویش
صبح چوں کرد جیبِ ظلمت چاک	سایۂ خاک رفت ہم در خاک
مردِ شب زندہ داشتہ بشراب	رفتہ بود از نسیمِ صبح بخواب
چوں زخوابِ نشاط سر برکرد	نظر اندر رواق و منظر کرد

---

[۱] یعنی زن در حسن و جمال گرچہ حور وش باشد لیکن بعد صبوری زنگی معلوم میشود ۱۲

[۲] سحر و افسوں ۱۲ [۳] فاعل گفت سردار پریاں ۱۲

[۴] حجب = جلوہ گاہ

دید فردوس راز خوباں طاق | نے بمنظرِ بتے و نے بر واق
زاں پری صورتاں ندید کسے | نعرهٔ بیکسی کشید بسے
زاں تحیّر کہ جاں خراب شود | بیم بودش کہ زہره آب شود
تا شب اندر خیالِ مجلسِ دوش | چوں پری دیدگاں نبودش ہوش
در پرِ زاغ چوں نہاں شد مہر | پرِ طاؤس باز کرد سپہر
باز کبکاں رواں شدند ز جائے | پرِ طاؤس گشت صحنِ سرائے
شمع از ہر طرف روائی یافت | عالمِ تیره روشنائی یافت
شد پیاپے شرابِ نوشیں باز | تازه شد بزمگاهِ دوشیں باز
نازنیں رفتہ بر سریرِ بلند | مہر برداشت از خزینهٔ قند
بہ یکے زاں شکرلباں فرمود | کہ بیار آں غریبِ مارا زود
شد کنیزی و خواند پیشش برد | بیخِ دوری ز جانِ ریشش برد
بانوش چوں بدید خاست ز پیش | خاص کردش ہمنشینی خویش
کرد جانش بہ مردمی تازه | عذرہا خواست بیش ز اندازه
دوستگانے بدستِ خویشش داد | طبق و نقل و میوه پیشش داد
چوں ز مے دودِ معده شد پرکار | مائده[له] پیش برد خواں سالار
با نوازِ راهِ لطف و سرمستی | کرد با او بکاسہ ہمدستی

[له] دسترخوان ۱۲

چوں شد از خوردنی شکمها سیر | مطبخی برد خواں ز تخت بزیر
ساقیاں را رسید نوبتِ مے | دَور گردنده گشت پے در پے
خواجه کافروختش ز مے سینه | تازه گشتش نشاطِ دوشینه
خویش را کرده بود لعبتِ سیم | بمرادِ حریفِ خود تسلیم
او بدنداں عقیق رامی سُفت | قندمی خست وانگبیں می رُفت
زاں لبِ لعل می کشید شراب | نقل هم پسته[1] بود و هم عنّاب
باز چوں وقت شد که خرم و شاد | سوے قفل آورد کلیدِ مراد
گفت کز چوں منے خطا باشد . | که بهر جستنم عطا باشد
زن کز ایناں کند جوانمردی | پرده بالا کند برخ زردی
دریتیم بود هر[2] که بود بسے | دست بر دامنم بسود کسے
هر که بود از خبر شنیدنِ من | مرده هم[3] در هواے دیدنِ من
چوں تو بر ما غریب و مهمانی | محرمِ ما شدی بآسانی
لیک مشتاب تا کنیزانم | نشناسند رازِ پنهانم
که چرا گوهرے بدیں پاکی | هم بیکبار شد چنیں خاکی
بکنارے و بوسه دو سه روز | گر شوی سینه را شکیب اندوز

---

[1] مراد از پسته دهن و از عناب لب ۱۲

[2] اے کسیکه تا مدت دراز در محبت من خراب بود آں هم دریتیم بود و قدرت مس کردن دامنم هم نداشت ۱۲

[3] هر که خبر حسن و جمالم شنید در آرزوے دیدار جاں داده و بعد مردن هم هواے نظاره داشت ۱۲

من باندیشۂ کہ وا نم کرد | دلِ شاں را دگر توانم کرد
چوں دل از کارِ شاں بپردازم | کارِ تو بر مرادِ تو سازم
ایں سخن گفت بازکرد نگاہ | دریکے زاں شکر لبانِ چو ماہ
آمد آں ماہ و پا بہر فشرد | دستِ برنا گرفت و باخود برد
تا دمِ صبح مردِ عشرت جوئے | بود خوش با نگارِ زیبا روے
آسماں چوں ز چشمۂ خورشید | کرد پیراہنِ زمانہ سپید
باز برخاست مردِ خفتہ زجائے | زاں عروساں ندید کس بسرائے
شد ز بے مونسی و تنہائی | بیشتر زانچہ بود سودائی
تا بیک ہفتہ مردِ شعبدہ سنج | بود شب در نشاط و روز برنج
ہر شب آں نازنینِ عشوہ فروش | برو گر عشوہا نہادی گوش[۱]
سوئے آہوئے خود فگندے چنگ | لیک صیدے گریزدے بجد تنگ
تا شبے شد ز جوشِ شہوت مست | رفت یکبارگی عنانش[۲] از دست
ماند در پائے دلبر افتادہ | چوں گیا زیرِ سروِ آزادہ
گفت دستم بگیر بہر خدائے | کہ شکیب ترا ندارم پائے
چند ازیں عشوۂ جفا سازی | با غریبے چو من دغا بازی
انگبیں نمودن اندر جام | وانگہے سرکہ ریختن در کام

---

[۱] اے گوش پسر تاجر را مخاطب افسانہ فریب نو کردے ۱۲ [۲] حجب ـ عنانش زدست

یا لب از جامِ وصل کن سیرم — یا بہ سنداز بہرِ شمشیرم

یا بخشش داد شوخِ عالم سوز — کامشب اندر برِ تو ام تا روز

ہمہ شب پاسِ کار در پیش ست — این چنیں صد ہزار در پیش ست

خواجہ کیں مژدہ یافت از لبِ دوست — در نگنجید ہمچو پستہ بپوست

بس کہ جانش بخوشدلی بشگفت — بادۂ چند خورد و بر جا خفت

نوبتِ صبح زد چو نالۂ زار — مرغ و ماہی ز خواب شد بیدار

چشم بکشاد مردِ[۵۱] دوشینہ — خارِ[۵۲] دوشش خلید در سینہ

خویش را دید در بیابانے — کہ نبودش سرے نہ پایانے

خاکے از ناخوشی ہلاک انگیز — خارہا بر کشیدہ دشنۂ تیز

خونش[۵۳] از بیخودی[۵۴] بہ تن بفسرد — ماند بیخود فتادہ۔ گوئی مرد

چون نبود آن خرابہ جاے قرار — در خرابی روانہ شد ناچار

بقضا کرد خویش را تسلیم — دشت بر دشت می شتافت زبیم

پویہ میزد براہِ بے راہاں[۵۵] — تا بدیہے رسید ناگاہاں

شد بہ دہ اندروں بہ بد حالے — کرد منزل بخانۂ زالے

زال را بود دخترے عیّار — دلفریبے چو صد ہزار نگار

---

۵۱ جب = مست ۵۲ جب = ریگ دستش ۵۳ خونش از بیہوشی بستہ شد ۱۲

۵۴ جب = بیہشی ۵۵ اے بطریق گم کردۂ راہ ۱۲

دزدِ دلها دو چشمِ پُرفنِ او | خونِ صد بیگنه به گردنِ او

گشت چوں یکدگر نظرها گرم | نازنیں سر فرو فگند ز شرم

روے پوشید و کرد آں سو پشت | میہماں را بیک کرشمہ بکشت

خواجہ کز تیر تیز ترمی راند | ناوکے غمزه خورد و برجا ماند

زال را با ہزار آزادی | بنده گشت از خیالِ دامادی

بر سرِ کشتِ پیره زن لرزاں | کار میکرد چوں کشاورزاں[1]

خانہ گہ گہ کہ یافتے کہ خالی | بر شکرلب درآمدے حالی

زار نالیدے از گرفتاری | کآں صنم سوختے از آں زاری

تا دلِ ماه مہربانی یافت | طبع با میل ہم عنانی یافت

خاطرِ ہر دو ز اتفاقِ ضمیر | ساخت با ہم چو انگبیں با شیر

خانہ[2] ہر گہ کہ بے مگس دیدے | شکرے از قمطره[3] برچیدے

گہ درآویختے بزلف چو شست | گاه بر گنجِ ساده[4] سودی دست

چوں شدے گاهِ آں کہ از پیوند | درجِ سربستہ را کشاید بند

وارمیدے عروسِ کبک خرام | کہ میالاے دامنم بحرام

جست باید رضاے پیرزنت | تا دہدره بجلوه گاهِ منت

---

۱ معنی دہقانان و کاشتکاران ۱۲ — ۲ نخ = خواجہ ہر گہ کہ فرصتے دیدے

۳ قمطره بکسر اول بمعنی شتر فربه و خریطه کتاب و اینجا بمعنی ظرف قند کہ عبارت از لبہاے شیرین ست ۱۲

۴ مراد از پستاں ۱۲

خواجه در پیشِ پیرزن ناچار | بیش کردی از آنچه بودے کار
روزی از خویش یافتش خشنود | آرزوئے که داشت باز نمود
پاسخش داد پیرزن که رواست | گل ز گلبانگِ بلبلاں بنواست
چوں تو با ما بمهر پیوندی | من پذیرفتمت بفرزندی
دلِ مهماں بدیں حدیث نواخت | وانگهے برگِ میهمانی ساخت
بست کابین[۵۵] عروس را با شاه | کرد پیوندِ مشتری با ماه
چرخ چوں زلفِ شب فگند بدوش ق | ماه گشت از ستاره زیورپوش
شه[۵۶] درآمد بخوابگاهِ عروس | که شود شاد تا ببانگِ خروس
سیمبر بستر از پشمینه | مے زلب داد نارش[۵۷] از سینه
دست[۵۸] بر ناردان وسیبش داد | نمکے و میوهٔ فریبش داد
خازنِ گنج چوں بران شد باز | که کند دست بر خزینه دراز
چاپلوسی بسے نمودش جفت ق | بزبانِ شکرفشانش گفت
که من اینجا ز چشمِ مادرِ خویش | می نه بینم حجابِ بسترِ خویش
کلبهٔ تنگ و دو[۵۹]لے بهپلویم | چوں سزد همنشینی شویم

---

۵۵ بکسر با و موحده و یا معروف زری که بهنگام نکاح ذمه شوهر مقرر کنند یعنی مهر ۱۲

۵۶ عروس را روز کتخدائی نوشه گویند ازیں رعایت پسر تاجر را شاه و شه گفته ۱۲ — ۶۰ جب = خواجه

۵۷ نارش مخفف انارش الف بضرورت شعر حذف گشته ۱۲

۵۸ دست بمعنی قدرت ۱۲ — ۶۱ جب = او

چوں ترا جفت گشتم از تقدیر — ناید از خدمتِ تو ہیچ گزیر

رو ازیں تیرہ تنگنائے بروں — ماہ را ابر زعقد جائے بروں

خانۂ گیر در دہِ دگرم — تا کشئے بر مرادِ خود ببرم

خواجہ لعلش بدیں[1] فریب بسفت — در برش کرد تا بروز و بخفت

روز کے چند خویش را زاں حور — گاہِ شہوت بحیلہ داشت صبور

زال را رفت روزے اندر پیش — گفت دارم ہوائے خانۂ خویش

گر برفتن دہی سیم دستورے — زحمتِ خویش را دہم دورے

خیزم و راہِ خانہ پیش کنم — جفتِ خود ہم عنانِ خویش کنم

زال بگریست از غمِ فرزند — گفت دِل چوں کشایم از دل بند

آنکہ[2] شد جفتِ او بعقد جواز — جفتِ خود را کجا[3] گذارد باز

گفت زینہار چوں نبودش سود — کرد ناچار ھرِ و را پدرود

خاست در دم عروسِ فتنہ سگال — کرد گریاں وداعِ مادرِ زال

وانگہے گفت شوے را نالاں — کہ خرک را بہ پشت نہ پالاں

سوئے خر شد جوانِ تیز آہنگ — کرد پالاں و برکشیدش تنگ

خواست تا دست سوے دم یازد[4] — پاردم[5] را بدم در اندازد

---

[1] اے خواجہ بدیں فریب ہم بستر شد و ازالہ بکارت نکرد ۱۲ — [2] عجب = زانکہ

[3] عجب = چرا — [4] یازد فعل مضارع از مصدر یازیدن بمعنی دست درازی کردن و بقصد کارے دست دراز کردن ۱۲

[5] دمچی زین اسپ و خر ۱۲

جفتہ[1] زد جسر از کمیں ناگاہ — کہ بچشمش جہاں نمود سیاہ
لرزہ در[2] شخص نازنیں افتاد — شد بصحرا و درزمیں افتاد
چوں بہوش آمد از چناں خطرے — کرد ہر سو بتجربت نظرے
دید خود را بروے کہسارے — در بن[3] کوہ درتہش غارے
کوہ گرم از بلندی آتش پاش — آسماں را بہ تیغ[4] کردہ خراش
بازازاں حیرت او فتاد زپاے — زندگی را نماند در روے جائے
بود فصل تموز و نیمۂ روز — جوش درمغزش او فتاد زسوز
از بلندیِ کوہ کرد نگاہ . — غرفۂ دید سر کشیدہ بماہ
رفت و آنجا رسید گرما گرم — سایۂ سرو دید و سبزۂ نرم
بر سرِ غرفہ شد کہ بیند چیست — صاحبِ غرفہ را بداند کیست
دید پیری بسانِ پارۂ نور — کردہ خود را ز مرداں مستور
تیرِ بالاش چوں کماں شد کوز — برکمانِ کہن برآمدہ توز[5]
چونکہ آوازِ پائے او بشنید — چشم پوشیدہ باز کرد و بدید
دید آزادۂ چو سروِ بلند — گلِ او زعفراں شدہ زگزند
زد طلب کرد ماجرائے نہفت — کہ گلت از کدام باغ شگفت

---

[1] جفتہ بمعنی لگد بہندی پشتک ۱۲ [2] جیب = بر [3] نجیب = بیخ کوہ درتہش غارے
[4] تیغ کوہ قلہ کوہ را گویند ہندی چوٹی ۱۲ [5] توز بالضم بواو مجہول نام پوست درختیست کہ مثل نے بر کمان و زین بکار برند بہندی بھوج پتر گویند و در شرح خاقانی نوشتہ کہ قسمے از کتان ست ۱۲

خواجه از سرگذشتِ ناخوشِ خویش — کرد خالی دلِ مشوشِ خویش

پیر را کآمد آن فسانه بگوش — زان تحیر شدش درونه بجوش

گفت کین خاک پُر ز دیو و پری ست — تشنۂ خونِ آدمِ گذری ست

هرچه پیشِ تو باغ و ایوان بود — آن همه سیمیائے دیوان بود

وان عروس جوان و مادرِ پیر — غولِ دشتند و دیوِ مردم گیر

زندگانی هنوز بود بجائے — که بایں سو رهت نمود خدائے

ورنه جانت که[1] انداز تف و تاب — چون[2] شدی درچنیں خرابه خراب

پس ازیں گر شوی ز بخت نژند — ق — بگیاهے و میوهٔ خورسند

تا مراد ترا روان به تن ست — حالِ تو آن بود که حالِ من ست

دولت را برفتن ست نیاز — دل دلِ تست من ندارم باز

بوسه برپاے پیر داد جوان — گفت کای از تو ام حیات و توان

منِ گم گشته ره کجا دانم — کز حضور تو رو بگردانم

زین پس ار جاے باشدم بر تو — سرم و آستانۂ درِ تو

پیر گفتش که چون نهادی دل — که کنی هم بکوئے ما منزل

تا ازیں بادیه[3] بگامِ فراخ — نخرامی بهر طرف گستاخ

کین طرف هر کجا کُه و غارست — پر ز مرغانِ آدمی خوارست

---

(۱) جب = یقین که — (۲) جب = بشدے — (۳) جب = نادیه

چوں گہ طعمہ بال بکشایند / گور و آہو ز دشت بربایند

گفت برنا کہ از تو نیست گزیر / گو بیا ہر چہ باشدم تقدیر

ہم بریں دل نہاد و کرد سکون / دیر دیر آمدی ز کلبہ بروں

روزے از دستِ غم شدہ بستوہ / گشت می کرد بر کرانۂ کوہ

سوئے او تاخت مرغِ مردم خوار / ناگہاں در ربودش از منقار

کوہ بر کوہ می پرید چو باد / تند می رفت از گزند آزاد

تا رسید از ہوا بغارے تنگ / کرد در تنگنائے غار آہنگ

مرغ دیگر ز کوہ بروے تاخت • چنگل از خشم سوئے او انداخت

مرغ با مرغ جنگ در پیوست / در میاں خواجہ از شکنجہ برست

کرد[1] در تنگنائے غار دمید / پیش پا میفگند و پس میدید

چوں دروں رفت تیر پرتابے / دید ہر سو ز روشنی تابے

رہ نہ تاریک بلکہ روشن بود / خاکِ رہ سبزہ زارِ گلشن بود

خاک[2] را می[3] نوشت میل بہ میل / گاہے آہستہ گہے بتعجیل

تا پس از ہفتۂ و بلکہ فزوں / آمد از تنگنائے غار بروں

دید در پیشِ غار صحرائے / لالہ و گل دمیدہ ہر جائے

کشت بر کشت روضہ چو بہشت / جوئے بر جوئے بر کنارۂ کشت

۱؎ حجب = گرم ۲؎ حجب = خاکِ رہ ۳؎ طے می کرد ۱۲

بر سرِ سبزہائے مینا رنگ ‏ ‏ نالۂ کنجشک بود نغمۂ چنگ

خواجہ چوں یافت بوئے آبادی ‏ ‏ سینہ چوں گل شگفتش از شادی

پائے در رہ نہاد و می شد راست ‏ ‏ تا بداند کہ ایں سواد کراست

زاوّلِ چاشت بود رنگِ خویش ‏ ‏ تا درآمد سیاہیِ شب پیش

چوں پس[1] افگند زاں زمیں بہرے ‏ ‏ دید جوشیدہ زآدمی شہرے

سوئے دروازۂ حصار شتافت ‏ ‏ راہ زانبوہِ خلق خالی یافت

پیشِ دروازہ دررسید فراز ‏ ‏ تختۂ در ہماں زماں شد باز

سوبسو مردم ارچہ بود بسے ‏ ‏ پیشتر زو درون نرفت کسے

لشکرے ماندہ بود چشم براہ ‏ ‏ در دویدند مہترانِ سپاہ

بوسہ بر دست و پائے دادندش ‏ ‏ تاجِ زریں بسر نہادندش

حلہ بستند بر تنش زقصب ‏ ‏ پیش بردند توسنے چوصب

ہمچو شاہاں سوار کردندش ‏ ‏ گوہر و زر نثار کردندش

رفت زاں گونہ شاہِ نوشاداں ‏ ‏ تا کند قصرِ دولت آباداں

بہ بزرگی چو بر سریر نشست ‏ ‏ ہر بزرگے میاں بخدمت شست[2]

خواند زاں مہتراں یکے را پیش ‏ ‏ داد بیروں خیالِ خاطرِ خویش

ایں چہ نیرنگ و سیمیا کاریست ‏ ‏ یارب ایں خواب یا کہ بیداریست

---

[1] طے نمود ۱۲ ‏ ‏ [2] مجب = بست

زآنچہ بر تختِ ملک بنشینم | خویش را نسبتے نمی بینم
این خیال از دلم بباید برد | ورنہ من زین شگفت خواہم مرد
پاسخش داد مردِ کار شناس | گفت کز سینہ دور دار ہراس
کایزد از رحمت آفرید ترا | کہ بدین پایہ بر کشید ترا
آنکہ تاجے ز تخت بر سرِ اوست | ہر کجا میرود برابر اوست
دولت از دو لتی گذر نکند | سوئے بیدولتان نظر نکند
زآہن آنان کہ مغزِ کان خارند | زر ستانند و سنگ بگذارند
گرچہ بلور روشن ست بتاب | کے نشیند بجائے دُرِّ خوشاب
آنچہ پرسید شاہِ گیہانم | باز گویم چنانکہ میدانم
ہست رسمے بدین زمین مشہور | کہ رود چون چراغِ ملک ز نور
بر درِ شہر با مداد و پگاہ | حاضر آیند سروران سپاہ
ہر کہ اول در آید از درِ شہر | یابد از تختِ بادشاہی بہر
ما چو از نعشِ بادشاہِ کہن | تازہ کردیم رسم کہنہ زبن
پیشِ دروازہ مردم از حد بیش | کس ز تو پیشتر نیامد پیش
لا بد این ملک شد بتو تسلیم | دیر زی کانِ تست این اقلیم
شاہِ نوزین حدیثِ شادی زاے | در نگنجید درمیان قباے

ٰا یعنی صاحب اقبال ۱۲ ۔ ٰ۲ عجب = درین ۔ ٰ۳ کنایہ از پادشاہ ملک ۱۲

بود چوں آفتابِ نورانی — تا گہہ شام در زرافشانی

چرخ چوں پارہ کرد چادرِ روز — روے بنمود ماہِ چرخ افروز

در رسید از حرم وکیلِ سرائے — خاک بوسید و ایستاد زپائے

خواند شہ را بمیہمانیِ ناز — شہ رواں گشت سوے پردۂ راز

خادم از پیشِ شمع زر بر دست — شہ بدنبالِ او زشادی مست

چوں دروں رفت بوستانے دید — پر مہ و زہرہ آسمانے دید

ماہ رویاں بہر طرف جمعے — آفتابے بہ پیشِ ہر شمعے

چوں بدیدند روے فرخِ شاہ — لعل و یاقوت ریختند براہ

روے تعظیم بر زمیں سودند — نطعِ گلگوں بگل برآمودند

ہفت بت بود شاہِ پیشیں را — ہر یکے قبلہ ماہ و پرویں را

ہر شب آں را کہ نوبتے بودے — شاہ با او نشاط فرمودے

آنکہ زایشاں بپایہ والا بود — دلفریبے کشیدہ بالا بود

آمد و دستِ شاہ را بگرفت — ماند شہ در جمالِ او بشگفت

رخ بزیبائی از گل افزوں بود — پاے تا سر لباسِ گلگوں بود

دستۂ گل بدستِ شاہ سپرد — سوئے خلوت سرائے خویشش برد

رہ نمودش نخست در حمام — تا بمشک و گلاب شست اندام

پس لباسِ سزاے تاجوراں — بلطافت سبک۔ بہ نرخ گراں

پیش بردند تا کشید بہ بر کرد زآنجا بہ بزم گاہ گذر
از بخور و گل و طعام و شراب ق وآنچہ دیگر نشاط را اسباب
ہمہ در بزم گہ مہیا بود وز بتاں خانہ چوں ثریا بود
شاہ مشغولِ شادمانی گشت مے بجامِ آبِ زندگانی گشت
بادۂ تلخ و بوسۂ چو شکر نقل و بادامِ خشک و پستۂ تر
نیمۂ شب بدوستگانی رفت نیمۂ دیگر بکامرانی رفت
شاہِ انجم برسمِ ہر روزہ چوں درآمد بہ تختِ فیروزہ
شہ[۱] زخلوت بہ تخت بار آمد در شہی چوں شہاں بکار آمد
تا بشب دادِ بادشاہی داد ہر چہ خواہی بہر کہ خواہی[۲] داد
باز شہ رفت در سراے حرم جُست سروے ز بوستانِ ارم
ماہِ دوشیں کہ تا بنوبتِ روز ق بے ومیوہ بود بزم افروز
نوبتے خود بدیگرے بسپرد نوبتی آمد و ملک را برد
بر کفش داد دستۂ زسمن رونق انگیزِ صد ہزار چمن
باز بندِ قبا کشودندش سوئے گرمابہ رہ نمودندش
رفت و تن شست از گلابِ روا[ں] رست در پیرہن چو سرو رواں

---

[۱] شہ زخلوت بہ تخت باز آمد در شہی چوں شہاں بہ ناز آمد

[۲] اے ہر چیز کہ خواہش کنی و براے ہر کہ تجویز نمائی کہ ایں کس لائق آں چیز ست بہماں کس ہماں چیز داد ۱۲

سوئے مجلس شتافت با دلِ شاد — بادہ می خورد با بتِ نوشاد

ہمہ شب تا بہ بامداد و پگاہ — بود با ہم قرانِ زہرہ و ماہ

ہم بریں گونہ شاہِ ہفت اورنگ — دیدشش باغ تازہ زنگارنگ

ہر بہارے[۱] کہ آمدے بنشست — دستۂ داوے از گلیش بدست

چوں بہفتم فگند[۲] قرعۂ فال — بود ماہے ز اختران وبال

کاردانِ حرم لمو دشش راز ق — کہ ہمہ پردہ ہا چو کردی باز

زاں یکے پردہ بہ کہ درگذری — تا نہ بینی ز چرخ پردہ دری

کاولیں خسروے کہ مارا بود — راز ایں بردہ[۳] آشکارا بود

کردے اندر نہاں شکر خندے — ویں فسانہ بروں نیفگندے

نے بنوبت درآمدے آں ماہ — نے بنوبت بدو رسیدے شاہ

شاہ گفت ایں حدیثِ پنہانی — باز گو با من آنچہ میدانی

خورد سوگند ہا وکیلِ سرائے — کہ من آگہ نیم ازیں سر و پائے

زیں سخن بیش گشت رغبتِ مرد — رفت و آں گفتہ را بگوش نکرد

چوں دروں شد درآں ارم خانہ — دیدار ارم خانۂ جداگانہ

صنمے دید آفتاب درفش[۴] — شقۂ برتن از حریرِ بنفش

لہ باعتبار حسن وجمال پری پیکران گل عذاراں را بہار گفتہ ۱۲ — ک۲ حبب = فتاد

ک۳ حجب = پردہ — ک۴ بمعنی روشن ۱۲

دستهٔ از بنفشه داشت بدست — شاه را داد و گردش از بو مست

چشمِ شه چوں بنازنیں افتاد — زاں عجب خواست بر زمیں افتاد

نیکواں گرچه دیده بود بسے — زاں نکوتر ندیده بود کسے

دلش از عاشقی نماند صبور — زد چو پروانه خویش را بر نور

ترکِ جادوگرِ فریب انگیز — گفت کآبے بزن بر آتشِ تیز

گردِ میدانِ بارگه بر تست — تنِ شاهانه را بباید شست

تا نگردد چو گیرمت بکنار — نازکِ اندامِ من بگرد فگار

که مرا نامِ مردمِ دیده است — گرد بر دیده ناپسندیده است

شاه گفتا که چوں بود هیهات — تشنه را صابری ز آبِ حیات

سیمبر گفت کز پئے دلِ شاه — من بگرمابه می شوم همراه

تا هما نجا برهنه روئے بروے — هر دو باهم شویم موئے بموے

در زماں خاست شاه زیں شادی — داد تن را ز کسوت آزادی

نازنیں را گرفت ساعد نرم — عزمِ گرمابه کرد گرما گرم

نازنیں جامه را[۱] چو بیروں کرد — هوش بیننده را دگرگوں کرد

رو برو هر دو چوں شدند بناز — هر دو جعد افگن دو دوالک[۲] باز

خواستش تا درو در آویزد — آب و آتش بهم بر آمیزد

---

(۱) جب = نیز جامه　(۲) حیله ساز و بیحیا و اینجا مراد از تسمه بازی که قسمے از قمار ست ۱۲

صنمش گفت صحنِ[۱] حلوا پیش | جز چشیدن نه ماند دیگر بیش
بارِ اوّل ز بوسه بستان داد | پس تو دانی و گنجدانِ مراد
شه دهن برد سوی پستهٔ[۲] نوش | بوسه داد و ز ذوق شد بیهوش
چون ز خود زنده شد به بحالی | دید عفریت خانهٔ خالی
ماند منزل تهی و ماه شده | زیر و بالا همه سیاه شده
دستش اندر دهانِ خندان ماند | بازوی حسرتش بدندان ماند
گشت زانده وِ سینه سودائی | باز دیوانه شد ز تنهائی
از بسی غم که اشک ریخت ازو[۳] | دیوِ گرما به میگریخت ازو
از تحیر چنان شکست تنش | که سخن بسته گشت در دهنش
خاست از جایگه چو مدهوشان | گشت میگرد سو بسو جوشان
زیرِ هر گنبدی دوان میرفت | زین برون آمد و در آن میرفت
همه شب تا جهان منور گشت | بود گنبد بگنبد اندر گشت
گنبدِ آسمان چو شد بی دود | گشت روشن جهانِ دود اندود
مردِ ره گم ز روشنائی نور | درِ گرما به را بدید از دور
رفت چون پیش در همان ربود | که نخستش بگفتنه رهبر بود
بندگانش که درگه و بیگاه | بهر او بوده اند چشم براه

---

[۱] طبق و طشت ۱۲ [۲] حجب = چشمه [۳] ح = بدو

چوں بدیدند روئے منعمِ خویش | در دویدند خواجہ را در پیش
ہر یکے از بندگاں باآزادی | گریہ می کرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا درافتادند | بوسہ بر دست و پائے او دادند
او ز بس بیخودی و بیہوشی | بر لب افگندہ مہرِ خاموشی
پائے تا سر برہنہ بود تنش | پیش بردند از رہِ پیرہنش
نستد آں جامہ زار زار گریست | وآگہی نہ کہ گریہ از پئے چیست
سوئے ماوائے خویش بردندش | ہر نمط جامہ پیش بردندش
زاں ہمہ جامہائے رنگا رنگ | کرد در جامۂ بنفش آہنگ
جامہ پوشید و برگِ رفتن ساخت | رخت بر بست و خانماں پرداخت
شہر بر شہر شد بخانۂ خویش | بیخود از خویش و ز فسانۂ خویش
پدرش رفتہ بود و مادر نیز | وز پئے او گذاشتہ ہمہ چیز
چند گاہے بپردہ بود نہاں | واز ہمہ گفتگوئے بستہ دہاں
بعد دہ سال در خروش آمد | رازِ او خلق را بگوش آمد
کسوتش زاں پس از کلہ تا کفش | بود پیوستہ پرنیانِ بنفش
ہست رنگِ بنفشہ نادروش | دیدہ را نغز و سینہ را دلکش
ترکِ زیبا کہ رو بود چو مہش | در حریرِ بنفش[لہ] کن نگہش

لہ اے معشوق ماہرو را بلباس بنفش نگاہ کن کہ چوں زیبا آید ۱۲

باغ کو نقش کم زدیبا نیست | بے خیالِ بنفشہ زیبا نیست
خندۂ برق با ہزار درفش | بیں کہ چوں خوش بود در ابرِ بنفش
چوں نگارِ بنفشہ زلف طراز ق | گفت ایں داستانِ عشرت و ناز
شہ چناں در برآوریدش تنگ | کہ گلش را بنفشہ کرد برنگ
رفت زاں سروِ سیم زلف بہ تاب | درمیانِ گل و بنفشہ بخواب

صندلی نہادن بہرام روزِ پنجشنبہ در بہشتِ ہفتم در گنبدِ صندلی و نخلِ صندل اندامِ عرب را چوں صندلِ تر برسینہ مالیدن و جامۂ صندل فام پوشیدن

پنجشنبہ کہ صبحِ صندل سائے | صندل آلود چرخ را سر و پائے
روز سعد و زمانہ فرخ بود | نسبتش ہم بمشتری مسعود
کرد بہرام با نشاطِ تمام | مشتری وار جامہ صندل فام
ساخت در برج صندلی خانہ | بست پیمانِ مے بہ پیمانہ
جلوہ گر شد بتِ عرابی زاد | بوسہ بر دست و پائے خسرو داد
شاہ بر روئے آں بہشتی ذات | نوش می کرد سلسبیلِ[۵] حیات

---

۵ نام نہریست در بہشت و اینجا مراد از شراب حیات پرور و مسرت افزا ۱۲

چوں ہوا در نوشت چادرِ نیل | سرمہ گوں شد زمانہ میل بمیل
داد بیروں بر مزہ جادو بند | کہ پری روئے جادوئے پیوند
شب بافسانہ کند کوتاہ | خواند افسونِ چشم بندیِ شاہ
بہ تواضع نگارِ سیمیں ساق | بازمیں کرد جفتِ ابرو طاق
گفت یشاہا فلک سریرِ تو باد | دشمن آماجِ زخمِ تیرِ تو باد
ہمہ عمرت ز عید دلکش تر | روزت از روز و شب ز شب خوش تر
آنچہ در گوشِ چوں توئی سنجد | چوں منی را بہوش کے گنجد
لیک چوں ابر پارہ[۱] بارانی | پیشِ دریا کنم دُر افشانی
ریخت زینساں بسے چو دُرِّ یتیم ق | گفت وقتے بروزگارِ قدیم

پیچیدنِ بہرام اژدہا وش در قامت چوں درختِ صندل و افسانہ گفتن آں شجرۂ معطرہ نسیم

بود فرماں دہے بہ ملکِ یمن | کار فرمائے خسروانِ زمن
راستکارے چو سروِ بستانی | راست گوے چو صبح نورانی
پسرے داشت ہوشمند و جواں | دل چو دریا و کف چو آبِ رواں
مردمِ چشمِ بادشائیِ او | ملک روشن ز روشنائیِ[۲] او

۱۔ حب ـ تازہ   ۲۔ حجب = بر روشنائی

در هنرهائے روزگار تمام — رام[51] او روزگار و رامش[52] نام

مادرش رفته بود در پرده[53] — پرده بر دیگرے رها کرده[54]

گشته در پردهٔ مادرِ دگرش — جلوه گر در عماریِ پدرش

روزے از محرمے چو شمع زنداں — رفت در پردهٔ پدر خنداں

دید بانوے شه بپردهٔ راز — درکنارِ وزیر خفته بناز

دو دِ خشم از سرش بگردوں رفت — دین نادیده کرد و بیروں رفت

آں خیانت گرانِ پنہاں خند — چوں بدیدند رخنه در پیوند

از مے خورده[55] در خمار شدند — چاره را رهنمونِ کار شدند

گفت با بانوے ملک دستور — که پسر عاقل ست و شاه غیور

تا نکرد ست چاشت شام کنیم — کارِ او پیش از[56] او تمام کنیم

چوں شه آید ترش کُن ابرو را — پس به تلخی[57] خراش کُن رو را

چهره پرخوں کُن و دو دیدهٔ پرآب — گو جهاں[58] را نگر که گشت خراب

پسرِ بد زند مرا در چنگ — ز آسماں چوں فرو نبارد سنگ

آں جگر گوشه را چناں نه خار — که شه از خونِ[59] خود شود بیزار

چوں فسوں خواندهٔ فسوں آموخت — شمع را کشت و شعله را افروخت

---

[51] معنی مسخر و فرمان بردار ۱۲ [52] حجب = نامش رام [53] اے مرده بود ۱۲ [54] در مصرعه ثانی از پرده مراد پرده خلوت اے پدرش زن نو خواسته ۱۲ [55] مے خورده مراد ازاں لطف مواصلت و عشرت گذشته و در خمار شدن مراد رنجش پیدا کردن ۱۲ [56] حجب = ازاں [57] ج = به ناخن [58] ح = جهانے [59] حجب = مهرِ خود

رفت زانجا بسوئے مسندِ خاص — مخلصِ شاہ[1] گشت بہرِ خلاص

ہمچو ابروئے خود سر افگندہ — دابرواں را گرہ بر افگندہ

شاہ گفت اے بکد خدائیِ من — ق — رونق انگیزِ بادشائیِ من

درچنیں دولت و فراخی زیست — ایں ہمہ تنگئے دل از پئے چیست

جبہہ را سود بر زمیں دستور — گفت کاے جبہۂ تو مطلعِ نور

تا جہاں ست بر جہاں سرباش — کار فرمائے ہفت کشور باش

منکہ چوں بندگانِ دولت خواہ — پرورش یافتم ز نعمتِ شاہ

نمکت چوں نگیرد م گردن — کہ بدل دارم ایں جگر خوردن

کہ جگر گوشۂ تو برخوانت — دست برد[2]ہ سوئے نمکدانت

آنچہ در گوشم آمد از کم و بیش — من نمودم دگر تو دانی بیش

زاں نفس کاندر آں چراغ افتاد — دودش از سینہ در دماغ افتاد

درحرم شد برخ زدہ چیں را — دید پژمردہ سروِ سیمیں را

خونے از ہر مژہ رواں میریخت — آبِ نرگس بر ارغواں میریخت

مو پریشان و رو خراشیدہ — سمن[3] از برگِ گل تراشیدہ

قصہ پرسید شہ بغصہ و سوز — گفت با نوفسونِ بد آموز

پارہ پارہ فرود خواند درست — آنچہ تعلیم کردہ بود نخست

---

[1] جیب = خاص   [2] جیب = بازد   [3] مراد از سمن رخسار سیمیں و از برگ گل ناخن انگشتہائے حنائی ۱۲

ملک آں ماجرائے ابلہ گیر — کرد باور چو ابلہاں بضمیر

ماند حیراں کہ حیلہ چوں سازد — کز دل آں غصّہ را بپردازد

گفت گر تیغ برکشم ز نیام — بقصاصِ پسر شوم بدنام

دگر ایں غم فرو خورم در دل — در گداز آردم چو نم در گل

چوں دلش تنگ شد ز غصّۂ خویش — ہم بدستور گفت قصّۂ خویش

خواجہ کاں سوزناکی از وے بود — بدمیدن زیادہ کردش دود

تا رضا داد شاہِ آزادہ — کہ مسافر شود ملک زادہ

سوئے وے با ہزار مخموری — رفت دستور بُرد دستوری

کرد روشن جوانِ روشن رائے — کز کجا گشت فتنہ بال کشائے

آں[1] بر آں گفتہ ہیچ در نفزود — در جہاں سر ز دور واں شد زود

کوہ می سود و دشت می مالید — در کُہ و دشت زار می نالید

قطع شد چوں حوالیٔ شاہش — سہ مہندس شدند ہمراہش

ہمرہاں را باتفاقِ ضمیر — در ہم آمیختہ چو شکّر و شیر

یکدگر گشتہ ہمدمِ جانی — ہم در آباد و ہم بہ ویرانی

ہر یکے گنج خانۂ ہنرے — ہیچکس را نہ زاں ہنر خبرے

تا یکے روز با فراغِ تمام — خلوتے بود شاں بہ نقل و بجام

لہ حجب = او

بادہ در سینہ ہا بکاوشش بود | راز با بادہ در تراوشش بود
رام نیز از جراحتِ دلِ ریش | می ترا دید حالِ مشکلِ خویش
دوستاں کآں حدیث بشنیدند | یارے دوست مصلحت دیدند
گفت یک شخص زآنچہ[۱] من دانم | سرمہ در دو چشمت افشانم
گرچہ خلقے بہم نشینندت | ہمہ رابینی و نہ بینندت
سرمہ چوں در حجاب دادت جاے | ہر کجا ہست بیحجاب درآے
با بد اندیشِ خود تباہی کن | ہر چہ خواہی بہر کہ خواہی کن
چشم زاں سرمہ چوں سیہ داری | گریہ و دود رانگہہ داری
رام گفتش کہ اے پسندیدہ | بدہ آں سرمہ گفت کز دیدہ[۵۲]
مردِ بینا کشاد حقتہ نوز | سرمہ در چشم کرد و شد مستور
سرمہ راشست و باز پیدا گشت | ہر کہ نظارہ کرد شیدا گشت
رام را سرمہ داں بہ پیش نہاد | منتش بر دو چشم خویش نہاد
دو دمی گفت من زراہِ صواب | دانم افسونِ چشم بندی خواب
زاں فسوں ہر کرا بخسپانم | برنہ خیزد مگر بفرمانم
گر بیاموزی[۲] آں فسوں خوانی | آں کنی بر عدو کہ بتوانی
رام گفتش کہ ہر چہ گوید مرد | گفتۂ خود تمام باید کرد

---

[۱] حب = کابچنہ [۵۲] اے بسر دو چشم لطف لفظ دیدہ بر ارباب ذوق سلیم مخفی نیست ۱۲ [۲] ح = بیاموزم

کارداں رقیہ ہم چناں برخواند — کہ در افتاد رام و خفتہ بماند

چوں شد آں خوابش از دماغ بروں — پیشِ دانا درست کرد افسوں

سیومیں گفت کانچہ من دارم — بر تو ناید من ارچہ بسپارم

بر تو بنمایم آں فسانہ کار[۱] — تو خود آنجا برو بیا و بیار

در حدِ مصر خانہ ایست ز سنگ — کردہ در روئے نگارش از نیرنگ

نقشِ ھر جانور کہ گیری[۲] نام — در روے از تیشہ کردہ اند تمام

جادوے کاوّل آں رقم دادش — در زمانے نہاد بنیادش

کہ شگفتی ز رازہاے جہاں — کردہ در زیرِ ھر خیال نہاں

ہر کہ خواہد کہ از کفایت و راے — گردد آں پردہ را طلسم کشاے

چشم بر پیکرے نہد یک سال — تا بجنبیدن آید آں تمثال

نقشِ سنگیں چو جلوہ در گیرد — پیکرش را نمونہ برگیرد[۳]

چوں نشاند نمونہ را بر موم — رازِ[۴] آں خانہ خود شود معلوم

گرت آں[۵] سکہ ہم نفس باشد — در ہمہ کارہات بس باشد

رام زاں ماجرا کہ دانا گفت — آنچناں شد کہ تا بروز نخفت

صبحدم چوں ز گنبدِ بے سنگ — جلوہ گر گشت پیکرِ ارژنگ

۱ل نخجب = لیک بنمایمت نشانہ کار

۲ل حب = دارد

۳ل اے ہرگاہ نقش سنگیں در جنبش آید نقش آں تصویر بر موم برگیرد ۱۲

۴ل ج = راز خود را ازاں کند معلوم

۵ل اے اگر آں نقش کہ بر موم گرفتہ ہمراہ باشد ہمہ کارہاے ترا ہماں یک نقش کافی بود ۱۲

مرد جوینده راه پیش گرفت — ره سوئے آرزوئے خویش گرفت

جاں ز رنج ار چه می بیازردش — دل گریباں گرفته می بردش

گام میزد به شهر و ویرانه — تا رسید اندر آں صنم خانه

چوں به هر پیکرے فگند نظر — دید عفریت پیکرے مُنکر[۱]

نظر از وے هم برگماشت برو — تا به یک سال چشم داشت برو

چوں نجنبید آں نمونه چُست — گرمش از موم برکشید درست

چوں بروں آمد از درونِ سرائے — دید آهرمنے ستاده به پائے

گشت لرزنده زو درونهٔ رام — کرد پرسش که کیستی و کدام

گفت آنم من ار کنی معلوم — که ز سنگم نشاندهٔ بر موم

رازِ من گر ترا نه معلوم ست — کوهِ سنگیں ز دستِ من موم ست

هر چه دشوار تر همیدانی — حکم کن تا کنم به آسانی

هر چه کم گنجد اندر اندیشه — نزدِ من هست کمتریں پیشه

حاضرم با چنیں توانائی — تا کنم پیشت آنچه فرمائی

رام گفت ایں زماں همی خواهم — که به شهرِ پدر بود راهم

دیو گفتش که چشم بر هم پوش — چوں بپوشید بر نشاند بدوش

گفت بگشائے۔ چوں گشاد نظر — دید خود را درونِ شهرِ پدر

۱؎ سنگیں درشت ۱۲

شب نہاں شد بکنجِ پیرزنے ‌ ‌ زالے دُرستئے و اہرمنے

چوں سیاہی شد از سپیدی دُور ‌ ‌ روز بکشاد روزنامۂ نور

شد بدیوان وزیر کار آگاہ ‌ ‌ کامراں گشتہ در ممالکِ شاہ

رام در چشم کرد سرمۂ دیو ‌ ‌ شد بدیواں ہم عنانی دیو

کرد اشارت بدیو تا برخاست ‌ ‌ دست را کرد بہرِ سیلی راست

زد قفائے بخواجۂ دیواں ‌ ‌ کہ بلرزید زاں طراق ایواں

کارداراں ز جائے بر جستند ‌ ‌ سرِ آں حال را ہمی جستند

اندریں گفتگوئے بُد ہر کس ‌ ‌ کاہرمن باز در دوید ز پس

زد چناں سیلئ دگر ناگاہ ‌ ‌ کز سرِ خواجہ در فتاد کلاہ

چوں[۵۱] ہمی خواست آں کلہ کف کرد ‌ ‌ تا ستاند قفائے دیگر خورد

حیرتے در نہادِ خلق افتاد ‌ ‌ دوست آزردہ گشت و دشمن شاد

مردماں از خجالتِ دستور[۵۲] ‌ ‌ دُور گشتند یک بہ یک ز حضور

ایں[۵۳] ز سودائے سیلیش خنداں ‌ ‌ واں[۵۴] دگر پشتِ دست در دنداں

خواجہ جست از خجالت سیلی ‌ ‌ با رُخِ زرد و گردنِ نیلی

رفت در خانہ ہمچو تنگدلاں ‌ ‌ رُخ ز مردم نہفت چوں خجلاں

---

۵۱ ن = کلہ گرد خوردہ ہا زاں گرد ‌ ‌ ۵۲ وزیر ۱۲

۵۳ اشارہ ایں بسوئے دشمن وزیر ۱۲

۵۴ اشارہ آں بسوئے دوست وزیر ۱۲

چوں قفا کرد بہر بالیں ساز ‌ ‌ ‌ دیوش اندر قفا درآمد باز

بازش از ضربتِ قفا خوردن ‌ ‌ ‌ در طراقا طراق شد گردن

تا شب و روز بے امیدِ خلاص ‌ ‌ ‌ سیلیٔ چند شد وظیفۂ خاص

رازِ پنہاں بکوی و راہ رسید ‌ ‌ ‌ قصہ در گوشِ بادشاہ رسید

شہ عجب ماند کیں چہ شاید بود ‌ ‌ ‌ کآں تنشے نبود و برآید دود

دست نے و قفا شود سوراخ ‌ ‌ ‌ نبود دیو ایں چنیں گستاخ

داد فرماں کہ ہر کجا کس ست ‌ ‌ ‌ ق کش بہ نیرنگِ نامہا[51] ہوس ست

ہمہ حاضر شوند پیشِ سریر ‌ ‌ ‌ تا پژوہش کنند رازِ وزیر

ایں خبر گشت در ولایت فاش ‌ ‌ ‌ گفتگوے فتاد در اوباش

ہر کجا بود دیو بندے چست ‌ ‌ ‌ کرد دیبا[52] چہائے فتنہ درست

آمد و کرد کاردانیِ خویش ‌ ‌ ‌ داد بیروں دمِ نہانیِ خویش

ہیچ ممکن نشد کزاں حنانہ ‌ ‌ ‌ دیو بیروں شود چو بیگانہ

چوں بکارش زبوں شدند ہمہ ‌ ‌ ‌ بخجالت بروں شدند ہمہ

بہرِ کردن وزیر را چارہ ‌ ‌ ‌ دیو گردن زنش بنظارہ

دید چوں کاردانیِ ہمہ خام ‌ ‌ ‌ آمد و گفت قصہ را با رام

رام چوں دید حالِ خواجہ چناں ‌ ‌ ‌ کرد برخود لباسِ پیرزناں

---

[51] اسے عمل جن و پری و ساحری میداند ۱۲

[52] مصرعۂ ثانی صفت دیوبند واقع شدہ ۱۲

صندل آلود روی و برقع بست — وز شناسندگانِ صورت رست

فرصتے جست رفت پیشِ وزیر — گفت بشنو حدیثِ مادرِ پیر

من ہم از دانش ایں قدر دانم — کز تو ایں فتنہ را بگردانم

لیکن آنگہہ بود امیدِ فراغ — کہ تواں کرد بر سرینِ تو داغ

گفت با او بعاجزی دستور — کانچہ خواہی کن ار بود مستور

رام گفت آنچہ زاں[۱] شوی بکراں — من نہ گویم تو دانی و دگراں

کرد دستور خانہ را خالی — پیشِ او چارپاے شد حالی

رام چوں اوستادی فنِ خویش — دید زاں گونہ حالِ دشمنِ خویش

بر سرینش نہاد دستش گرم — زیرِ لب می نمود خندۂ نرم

سوخت چوں خواجہ را بطنّازی — دیو را باز داشت زاں بازی

بس نبود آنکہ شد قفایش لعل — جفتہ را ہم در آتش آمد نعل

خواجہ بنشست با ہزار خوشی — از قفا روی و زسرین حبشی

گنجے اندر کنارِ رام فگند — چند گہہ یافت ایمنے زگزند

رام را مادرِ زبانی خواند — بہتر از مادرانِ جانی خواند

محرمِ پردہ نہانش کرد — کارفرماے خان و مانش کرد

---

[۱] رام کہ در پیکر زال بودہ لقب با در بہر اختیار کردہ بود بوزیر گفت من آں چناں عمل خواہم نمود کہ ازیں مصیبت عظمیٰ برکراں باشی و رستگاری یابی ۱۲

او بغارت شد اندر آں بُستاں	مگسے درمیانِ خوزستاں[۱]
خانۂ پُر ز صد هزار پری	هر یکے چوں ستارۂ سحری
چوں جہاں سرمہ گوں شدی هر شام	سرمۂ خود بچشم کردی رام
بر نشستی بدیو دیوانہ	وآمدی سوئے آں پری خانہ
هر کرا خاص کردہ بودے روز	شب شدے بر مرادِ خود فیروز
آنکہ بر روے گذشتی آں بازی	بستہ گشتی لبش بغمّازی
نتوانستی آں حکایت گفت	کہ درش را درونِ پردہ کہ سفت
کردی اندیشۂ ز هر بابے	کہ خیالیست ایں و یا خوابے
دزد گر کیسہ را فرا گیرد	خواجہ چوں ننگرد کرا گیرد
جا بجا کارنامۂ شبِ دوش	لب بہ لب میرسید و گوش بہ گوش
تا چو شد پارہ پرنیانِ[۲] همہ	سخن افتاد درمیانِ همہ
پیش کز حملہا[۳] سے بے سر و پاے	ق فتنہ زائیدہ اندرونِ سراے
دختراں تن بہ تیغ در دادند	خواجہ خانہ را خبر دادند
کآفتے شد دریں سرا پیدا	تیر پیدا و شست ناپیدا
تا نرفتست کار و بار از دست	چارۂ کُن کہ رفت کار از دست

---

[۱] نام ولایت کہ شکر آنجا در عمدگی مشہور است و بعض معنی جاے طعام نیز گفتہ اند ۱۲

[۲] مراد از بکارت ۱۲ [۳] ج = حیلہ ہاے

خواجه را باز خون بجوش آمد — جانش از سینه در خروش آمد

گفت با خود که یارب این چه بلاست — میهمان نے و خانه پر ز صدا[1]ست

بسکه عاجز شد اندر آن تدبیر — خواست[2] بازیگری ز مادرِ پیر

پاسخش داد رام زیرِ نقاب — کان خیال ست میرسد در خواب

گرچه نامش بدیو افتاد ست — لیک دانم که آدمی زاد ست

دیده را دیو سرمه کرده است — کز نظر هاے خلق در پرده است

گفته باید که تا بسامِ زمین — پیشِ هر حجره کنند کمین

میهمان چون درون خرامد زود — میزبان پیش در بر آرد دود

دود چون سرمه را بشوید پاک — سرمه کش را نقاب گردد چاک

ور ازین چاره هم عسر یو کنیم — دیو باشد فسونِ دیو کنیم

لیک باید که خواجه ناید پیش — تا نه بیند دگر تفار ریش

من هم امشب بکنجِ خانه درون — دفع این فتنه را کنم[3] بفسون

این سخن گفت و رفت در خانه — گشت پنهان بکنجِ کاشانه

شب چو پر دود شد سپهر کبود — دیده تر گشت ماه را زان دود

رام در چشم کرد سرمهٔ راز — اهرمن را فگند در پرواز

رفت در کاخِ دخترِ دستور — گنج پیدا و نقب زن مستور

۱: ج = صلا　　۲: ج = خواست یاری گرے ز مادر پیر　　۳: مجب = شوم

دود برکرد ماهِ آتش روے | شد کمینہا کشان سوے بسوے
سرمہ چوں شستہ شد ز دیدۂ رام | گشت پیدا رخِ چو ماہِ تمام
ہر کہ آں روے چوں پری میدید | چوں پری دیدگاں ہمی لرزید
ہم دروں تر شدند با ہمہ بیم | سخت بستند دستہاے چو سیم
مژدہ بردند سوے خواجہ شتاب | خواجہ نیز اوفتاد در تگ و تاب
خواست تا سر بروں کند ز رواق | کز قفایش بیام رفت طراق
ہم چو دزداں گریز کرد ز پیش | وز قفا گشت دزدِ گردنِ خویش
گفت تا خونش بر زمیں ریزند | خاک با خونِ او در آمیزند
در دویدند خونیاں بستیز | از پۓ خوں کشیدہ خنجر تیز
چوں چناں دیدزادۂ[۱] سروِ جواں | رقیۂ خواب در دمید چناں
آنکہ چوں ابلہاں بر آشفتند | ابلہی بیں کہ در زماں خفتند
رام بکشاد بندِ خویش ز دست | ہمہ بندندگانِ خود را بست
ہر کہ آمد بہ بند گردنِ او | بندِ او شد دوالِ گردنِ او
وانگہے دست را باسترہ برد | سبلت و ریش جملہ پاک سترد
زاں ظرافت کہ موی در مو داشت | موی از جا بکی فزونگذاشت
چوں سزا کرد شاں ظریفانہ | بہ طریقے گریخت درخانہ

---

[۱] زاد مخفف آزاد یا بمعنی پیدایش ۱۲

آسمان چوں سترد طرۂ تار | خندہ بکشود صبح سیم عذار
شد دگر بار رام بر قع پوش | رفت در پرسشِ حکایتِ دوش
چوں در آمد بہ پیش گاہِ د زیر | دید یک خانہ پُر ز امردِ[1] پیر
ہمہ را دود[2] در نفتہ بیخ ماندہ | ریش گم گشتہ دز نخ ماندہ
پردۂ ہر یکے چو غنچہ درید | خود چو گل زیر پردہ می خندید
باز پرسید خواجہ راز اں راز | بر نیامد رمیدہ را آواز
بفریبش کشادہ کرد نفس | گفت کاندیشہ نیستت زیں پس
سرِ ایں فتنہ خواندم از تمیز | کارِ دیو ست و دیو مردم نیز
بندم آں دیو را چناں بفسوں | کہ نیاید دگر بجانہ درون
خواجہ دل شاد شد ز شادی او | کآگہی داشت ز اوستادی او
چند گہ بود از گزند آزاد | بخوشی دادِ خوشدلی میداد
چوں دلش گشت زاں بلا بے بیم | تازہ شد بازش آرزوئے قدیم
خواست از نعمتِ ملک توشہ | حقِ نعمت نہاد در گوشہ
رام چوں دید کو نہاں کر دست | وز جوانانِ ناجواں مردست
در سرا پردۂ ملک بہ درست | خیرہ تر شد از آنچہ بود نخست

---

[1] ریش و بروت ہمہ ہا کہ چوں پاک سترہ بود لہذا امرد پیر گفتہ ۱۲

[2] دود عبارت از ریش و بروت و بیخ از سپیدی چہرہ ۱۲

در شبے کو بیدسگالی بود ق خواجہ مہمان‌خانہ خالی بود

رفت ہم بر ستار پشمینہ ہمچو گرگے بصید میشینہ

در مقامے کہ دختر دستور بود در خوابگاہ خود مستور

برگرفتش بہ پشت دیو نہاد چوں گلے کش ز جا رباید باد

خواندہ بودش فسون خواب بپیش کہ بہ بردن خبر نہ داشت ز خویش

در نہاں خانۂ کہ بودے رام بود بر رفتہ[1] منظرے ز رخام

نشدی مرغ را خرام برو رام بودی و دیو رام برو

دخت دستور را در آنجا برد زہرہ را برج جوزا برد

دختر نازنیں چو گل بہ بہار خوبرو ہمچو صد ہزار نگار

غمزہ را تیغ کافری دادہ نازہ را شغل دلبری دادہ

زلفش افگندہ عالمے در تاب نرگس مست در کرشمۂ خواب

خانہ ویران کن ہزاراں دل گبر زنار بند و سبحہ گسل

چوں در آمد ز خواب چشم کشاد سو بسو از کرشمہ چشم نہاد

دید جائے کہ ہیچ گاہ ندید رہ بجائے کہ ہیچ راہ ندید

غرفۂ بردہ سر بکنگرِ ماہ کردہ رو سوئے آسمانِ سیاہ

رام را دید خانۂ معمور آفتابے ببرج خانۂ نور

---

[1] بر رفتہ بمعنی بلند ۱۲

زاں تحیر ہراسِ جانش بود	بود بخویش جائے آنش بود
دید چوں میزبانِ شعبدہ باز ق	میہماں راز بے خودی بگداز
نرم نرمش بدلنوازی گفت	کای شدہ جفتِ تو منِ بے جفت
منکہ پیشِ تو دیو کردارم	آدمی ام نہ آدمی خوارم
دل ہراساں مکن بوہم وقیاس	آدمی را ز آدمی چہ ہراس
میہماں شو دمے بخانۂ من	تا شوی آگہ از فسانۂ من
نازنیں کاں شکر فشانی دید	شربتے ز آبِ زندگانی دید
حیرتِ جاں بروں شدش ز ضمیر	حسرتِ دل[1] شدش گریباں گیر
گشت بر روے رام عاشقِ زار	دلش از دست رفت و دست ز کار
رام نیز از نکوئی دلِ دوست	بانکوروی دوست شد در پوست
چوں دو دل را یکے شد اندیشہ	جوشش برزد تنِ ہوس پیشہ
رام کا دل شد آں صنم راجفت	گوہرِ سفتہ بارِ دیگر سفت
دلِ شاں چوں فراغ یافت زکام ق	رام را گفت سروِ سیم اندام
کاے گرامی جوانِ زیبا روی	ایں چہ جای است و کیستی تو بگوی
من کہ ناسفتہ بود گوہرِ من	رخنہ کردی بلولوئے ترِ من
ویں زمانم ز پردہ کردی دور	باز در پردہ چوں شوم مستور

[1] اے در دل حسرت وصال رام پیدا شد ۱۲

صبحدم چوں بپرده جویندم | گر نه بینند پس چه گویندم

مردنِ آدمی بناکامی | بهتر از زیستن به بدنامی

رام گفتش که دل مدار غمیں | که منم شهریار روے زمیں

دارم اندیشهٔ بکارِ جهاں | کایں چنیں گشته ام بپرده نهاں

چوں برافتد نقابِ امیدم | هم تو روشن کنی که خورشیدم

لیک سوگند می خورم بخدائے | ق آنکه هستی بامرِ اوست بپاے

که چو خسپم بکارِ بالشِ خویش | جز تو همخوابهٔ بجویم بیش

زاں وثیقت عروسِ ترساخوی | کرد اندیشه از دل یکسوی

همه شب با نشاط و شادی بود | با قبادی و کیقبادی[۱] بود

صبح چوں رخ ز پرده بیروں کرد | پردهٔ چرخ را پر از خوں کرد

رام بربست ماه را در برج | خود بروں شد ز در چو لعل ز درج

صندل آلود رو و بست نقاب | در زماں پیشِ خواجه شد بشتاب

خواجه باز از درونه نگراں | نعره زد چو سوخته جگراں

که بجاں آمدم ز غمخواری | میرم[۲] ار مردنم روا داری

جگرم گشت دیو را توشه | چوں تواں زیست بے جگر گوشه

دیده بے مردم ایں چه بینائی ست | خانه بے پرده ایں چه رسوائی ست

۱؎ اے با عشرتِ شاهانه شب بسر برد ۱۲

۲؎ حجب = مردم

مردمی کن که من بچشمِ نیاز　　مردمِ چشمِ خویش بینم باز

مادرِ پیر گفت دل خوش دار　　سینه ز اندیشه نامشوش دار

امشب از جستجوے مادرِ خویش　　باز بینی جمالِ دخترِ خویش

خواجه از استوارئ کارش　　خاطر آسوده شد ز گفتارش

شب چو شد جامِ مه شراب[۱] آلود　ق　چشمِ خورشید گشت خواب آلود

رام در خواب کرد چشمِ عروس　　خانه بردش بگاهِ بانگِ خروس

مردمِ دیده را چو دید پدر　　جاے گردش درونِ دیدهٔ تر

چند گه چوں شد از گزند آزاد　　باز نو کرد فتنه را بنیاد

رام گفتا که رنجِ من چو از وست　　کینش از دیگراں کشم نه نکوست

بعد ازیں کارِ او ز سر گیرم　　پرده از روے کار برگیرم

جست دعوی گری مخالف خوی　　زیرک و سخت خشم و حجت جوی

داد بیروں بخشم و کینهٔ خویش　　داغِ دستور سوزِ سینهٔ خویش

گفت زیں داغہاے دود اندود　　خواجه را داغِ بندگی نه زدود

شعله چوں بر زند ز خامے او　　داغِ او بس خطِ غلامے او

داغِ او از سریں چو بر خوانی　　داغدار تشود به پیشانی

گر بکوششش زنی دریں ره گام　　هرچه او دارد آنِ تست تمام

---

۱ شراب مراد از روشنی ماه ۱۲

مردِ روزی طلب ز شادیِ مال | رفت در پیشِ بادشا در حال
چنگ در زد بدامنِ دستور | گفت کز من مشو چنیں مستور
چوں غلامِ منی و حلقه بگوش | خواجه بشناس و خواجگی مفروش
قیمت خود بدا منم رد کن | خواجه را نیز بندهٔ خود کن
کارداران شاهِ رادؔ پرست | به پژوهش زدند بروی دست
کانچه ملکیتش روا دارے | ملکِ تو باشد ار گوا دارے
مردِ حاضر جواب گفت که من | شیر خواره خریدمش به ثمن
پرورش کردمش چو فرزنداں | تا ش نور و زؔ عمر شد خنداں
چوں عیاں گشت خویش را بشناخت | با دغا پیشگاں دغامی باخت
کارِ ایں کز فراخ مزدی بود | حقّه بازی و مهره دزدی بود
چوں بہر جا گرفتمش خفته | کردمش داغ جفته بر جفته
گر فتد بر گوا حوالهٔ من | داغِ او بس بود قبالهٔ من
خلق زاں خار خارِ بے آزرم | سر فگندند چوں بنفشه ز شرم
خواجه چوں دید کش بپردہ راز | نامه باز ست و حرفہا غماز
بندہ گشتش ز راهِ دانائی | معترف شد بو ہاشمِ رسوائی

۱؎ راد بمعنی سخی و شجاع ۱۲ ؁ ۲؎ اے تا آنکه عمرش بحد بلوغ رسید و نشاط انگیز شد ۱۲

۳؎ اے قمار و غیرہ مباحت ۱۲ ؁ ۴؎ جفته بمعنی سرین ۱۲ ؁ ۵؎ خصومت بے صلح ۱۲

۶؎ مراد از حرفہا داغہائے سرین ۱۲ ؁ ۷؎ محجب = به بیم

درمیاں آمدند مردے چند　　کاردانانِ مصلحت پیوند

صلح کردند با توسطِ حال　　قیمتِ خواجہ را بہ مبلغ و مال

خواجۂ خواجہ ہم بداں زودی　　گشت زانجا رواں بخشنودی

چند گہہ رفت و باز خواجۂ خس[1]　　کام دل را بسر فگند ہوس

رفت چوں بادہ بادہ کش می بود　　در حرم با حرام خوش می بود

رام گفتا کہ چند کوشیدم　　کانچہ پوشیدنی ست پوشیدم

لیک چوں خواجۂ مخالف و شوم　　ق　کو ز شہوت شدہ است نامعصوم

گشت لابد فضیحہ بر جانم　　کاں کنم بر سرش کہ بتوانم

چشم میداشت ہم بریں تدبیر　　تا بر آماج گہہ رساند تیر

تا یکے روز بود ہم درپے　　خواجہ با غمگسار و شہ درمے

شحنہ در کوے می شمرد خراج　　دزد می کرد قلعہ را تاراج

فرصتے یافت رامِ فرصت خواہ　　برقع افگند و شد بخدمتِ شاہ

پیش ازاں خود بیازی[2] دستور　　شاہ را گشتہ بود خاص حضور

بارہا در شدی بمجلسِ خاص　　گہہ نوازن شدی و گہہ رقاص

گاہ کردے بغمزہ عربدہ　　گہہ نمودے بپردہ شعبدہ

چوں در آں روز ہم بہ بہروزی　　کرد ہر گونہ مجلس افروزی

۱؎ خس یعنی کمینہ ۱۲　　۲؎ حجب = ز یاری

گفت شاہا بہ بیں کہ من بفسوں | بازئی می‌کنم ز پردہ بروں
در فسوں شد عجوزِ شعبدہ باز | داد افسونِ خواب را پرواز
تا بخلوت سرائے عیش و سرور | بانوئی شہ بخفت با دستور
پس اشارت بسوئے دیو نمود | کہ برآں خفتگاں دوید چو دود
خواب شاں خود ربودہ بود چو بخت | دیو ہم در ربود شاں با تخت
پس بہ پیشِ ملک برابر داشت | رام زاں خجا حرارہ[1] بر داشت
چوں نگہ کرد شہ چہ بیند باز | حرمش با وزیر خفتہ بناز
از نوائے ترے ترانہ زناں | ہر دو برخاستند ناز کناں
چوں کشادند چشمِ بستہ ز خواب | شاہ دیدند و بزمگاہِ شراب
محرماں سر بخود فرو بردند | مجرماں خود ز خیرگی مرد ند
شاہ در خشم شد زمادرِ پیر | گفت کای زرق سازِ پُر تزویر
گر تو در پردہ بازئے بازی | لعبت از پردہ ہائے من سازی
بر تو گر آشکار شد کارے | در نہاں باز گو مرا بارے
نہ چناں کز گزافِ خود درائی | ای بسا ہمچنینم کشی بہ رسوائی
آں کنم بر سرت بپردۂ راز | کت بگرید سپہرِ لعبت باز
رو کنوں تا زکار سازئ خویش | باز مانی ز خوابِ بازی خویش

---

[1] حرارہ بمعنی نعرہ و آواز ۱۲

این سخن گفت و کرد اشارت تیغ — تیغ زن تند در رسید چو میغ

چون چناں دید رام برقع بند — برگرفت از قمر نقاب پرند

شہ چو چشم اندراں جمال انداخت — صندل آلوده بود رخ نشناخت

قدرے آب جست و رخ راجست[۱] — تا پدر روشناختش بدرست

نعرۂ زد چو سوختہ جگراں — گریہ افتاد نیز در دگراں

رام برخاست با دو دیدۂ تر — رفت غلطاں بزیرِ پائے پدر

پدرش گرم در کنار گرفت — وقفش از دیده در نثار گرفت

آنکه هجرانِ شاں ز ہم بگسست — هر دو خوں گرم بود در پیوست

تا بدیرے بهم در افتادند — بوسه[۲] بر دست و پاے میدادند

چوں دو دل را به بهتریں بختے — داده شد دادِ آرزو لختے

ماجرائے که بود در دلِ رام — اندک اندک فرو دخواند تمام

آں ز مادر وبال دیدنِ خویش — واں به تهمت سفر گزیدنِ خویش

قصۂ کحل و چشم بندیِ خواب — بازیِ دیو آدمی به نقاب

واں بشهر اندر آمدن مستور — حمله بردن بسیلۂ دستور

واں بداغِ سریں گداختنش — پس بداں داغ بنده ساختنش

سرگذشتے که داشت چوں همه گفت — شه ز شادی چو برگِ گل بشگفت

۱؎ حجب = شست   ۲؎ جب = بوسه بر روے یک دگر دادند

آں دو نو فتنہ رائیکین کہن — ہم بدو داد کانچہ دانی کن

رام زانجا کہ بود با آزرم — بود بر سر فگندہ دامنِ شرم

داد شاں توشہ فراخورِ خویش — پس بروں کردشاں ز کشورِ خویش

دختر خواجہ رانشاندہ بمہد — بردو آمد بروں ز عہدہ عہد

شاہ نیزش چو دید کار آگاہ — بولی عہدیش نشاند[1] پگاہ

رام بنشست بر سریر بلند — کارہا را بنائے تازہ فگند

بود صندل چو سر بسر ارشں — صندلی شد نمونہ کارش

تختِ والا ز چوبِ صندل ساخت — کرسیش نیز صندلی پرداخت

داشت زاں پس ہمہ بہ صلح و جنگ — علم و چتر و جامہ صندل رنگ

رنگِ صندل لطیف تر باشد — تریش دفعِ دردِ سر باشد

زآبِ صندل تباں کہ رُخ شویند — زو طراوت برنگ و بو[2] جویند

رنگِ خوباں خوش ست صندل فام — خوش بود سروِ صندلیں اندام

چوں زلب ریخت سروِ صندل سود ق — شربتِ صندل و گوارشِ عود

شاہ سینہ بسینہ کردش جفت — صندل آلود سینہ راؤ بخفت

معطر کردنِ بہرام وزارِ آدینہ بہشتِ ہشتم را و در گنبد کافوری

---

[1] جب = نہادہ کلاہ — [2] ج = بہ رنگ ورد

با بزم آرای خوارزمی لباس خیر الثیاب الابیض پوشیدن

روز آدینه کز خزانهٔ نور — سر برون زد شمامهٔ کافور

کرد بهرام با هزار امید — جامهٔ کافور فام چون ناهید[1]

لب پُر از خنده چون گل سوری — شد بگنبد سرای کافوری

به لطافت نگار خوارزمی — کرد ترتیب رونق بزمی

خدمت خاص رامیان بربست — همچو هندوی آفتاب پرست

از لب جام و جام لب بر پی — گاه می داد گه گوارش می

شاه با آن بهار دیده فروز — باده می خورد تا باخر روز

شب چو خورشید بست پردهٔ تار — شد فلک پر ز صد هزار نگار

رونق عیش بی مدارا کرد — رغبت هر شب آشکارا کرد

گفت با آفتاب سیمبران — تا سگالد فسانه چون دگران

نازنین چشمهای خواب آلود — در کف پای شاه عالم سود

گفت کای خسرو زمین و زمان — زیر فرمان تو همین و همان

تا سپهر بلند برپا است — ق — نور خورشید عالم آرا است

در جهان مملکت فزائی کن — بادشا باش و بادشائی کن

---

[1] ناهید ستارهٔ زهره که بر فلک سوم تابد ۱۲

چہ بود تحفۂ مور بے جاں را | کہ کند پیشکش سلیماں را
لیک چوں دستِ من بذیلِ عطاست | کرمِ شاہ پردہ پوشِ خطاست
نقد کم سکّہ را عیار دہم | کاسدی را رواجِ کار دہم
از بزرگی و دانشش آگاہی | ق | ایں شنیدم کہ پیش ازیں گاہی

افسانہ گفتن لعبت کافوری بر سقنقور مزاج و آتشِ بہرام را بآبِ کافور اشتعال[1] دادن

در ختن بود فیلسوفے چست | رازہائے ستارہ کرد درست
خامہ بر تختۂ فلک راندہ | واں ہمہ تختہا فرو خواندہ
وقتہائے شناختہ بہ نہفت | کہ در آرد جہاں درا در گفت
راست کردے برہمنونِ حکیم | صورتی ز آہن و مس و زر و سیم
گہ نمودی نہفتہ ہائے جہاں | کردی آگہ ز رازہائے نہاں
ساختی مرغ کآمدی بہ نوا | بر پریدی چو جانور بہوا
تیزیِ خاطرش کہ موئی شگافت | وقتی از وقتِ آسماں دریافت
ساخت از روی و مس یکی تمثال | کہ بجنبد و بجیز ہائے محال
چوں شد آراستہ نمونہ چست | آزمونش نمود و یافت درست

---

[1] ن — کہ نمودے

پیش فرمانده دیار شش برد — هنرش گفت بعد ازاں بسپرد

کرد شه نیز آزمونِ هنر — واں هنر یک یک آمدش بنظر

داد سازنده را خزینه بسے — کآں خزینه نداده بود کسے

پس بفرمود کآں صنم بشتاب — برکشیدند پیشِ صفحهٔ خواب

چوں ز هر کار و بار پرداختی — چشم بر روے گماشتی لختی

باز گفتے حکایتے ز محال — در زماں خنده کردی آں تمثال

خوی آں بادشاه بود چناں — کز عروساں کشیده داشت عناں

خوانده بود از کتابِ دانایاں — که ندارد فریبِ شاں پایاں

خوی شاں خالی از جفا نبود — در دل سخت شاں وفا نبود

همچو آئینه در مقابلِ شوے — آهنیں دل بوند و روشن روے

روزے از میلِ زن شده بنفیر[1] — ماجرا باز گفت پیشِ وزیر

پاسخش داد مرد کارشناس — که خزینه خطا بود بے پاس

مرد جانے که هوشیار بود — با زنش فتنه را چه کار بود

عسس کوے تا بود بیدار — کفِ دزداں کجا رسد بحصار

چوں ببازار خواجه مست افتاد — زشت باشد ز کیسه بر فریاد

تو جوانی و طبع پیرت نیست — از نشاطِ حرم گزیرت نیست

---

[1] نفیر بمعنی متنفر لیکن دریں بیت بمعنی فریاد آمده ۱۲

شاہ کز نسل بے عطا باشد — ملک بے وارثے خطا باشد

بہ کہ جوئی درآرزو راہے — در شبستان درآوری ماہے

بریکے نیز بس مکن زنہار — کز یکے[۱] کشت سہل خیزد بار

پادشاہی[۲] تو کم مشو ز خروس — کہ جدا بود از سہ چار عروس

جفتِ خود کن کسے کہ باید کرد — آزموں کن چنانکہ شاید کرد

آنکہ نیک ست خاص کن بہ خویش — دیگراں ابروں کن از درِ خویش

کرد شہ آں فسانہ را در دل — شد بدنبالِ لعبتانِ چگل[۳]

باز می جست در ولایت و شہر — خبر از مردمانِ دانش بہر

تاکہ دارد ز خسروان جہاں — روے پوشی[۴] بپردہ ہائے نہاں

چوں نشاں یافت زانِ نشانہ کہ خواست — ق — وآگہی است گشتش از چپ و راست

نامزد کرد کارداناں را — ہوشمندان و مہتر[۵] باناں را

ہریکے را بسوئے تاجورے — کاروانِ سلکِ نسبتش گہرے

باز و جامہ و جواہر و طیب — خدمتے ہا و چیزہاے غریب

وانکہی زاں نمط کہ فرماں بود — ہر یکے[۶] جانبے رواں شد زود

می نوشتند روز و شب راہے — سوئے ہر شہریاری و شاہے

---

[۱] بارسہل خیزد اے غلہ اندک پیدا می شود ۱۲

[۲] ج ب = پادشاہی مباش

[۳] شہر یست حسن خیز در ترکستان ۱۲

[۴] اے دختر صاحب عصمت ۱۲

[۵] ج = خردہ کاراں

[۶] ج ب = ہر کسے

درپسِ پردہ راز می جستند — جستۂ[۱] شاہ باز می جستند

تارواں شد بکار خانۂ بخت — چار دختر ز چار صاحبِ تخت

بازگشتند خوش دل و خنداں — کام حاصل امید صد چنداں

دررسیدند و پیشِ شاہ شدند — بزمیں بوسِ بارگاہ شدند

تازہ کردند شرطِ مسند بوس — پیش بردند مہدِ چار عروس

شاہ زاں خدمتِ پسندیدہ — بارِ منت نہاد بر دیدہ

ہر یکے را بہ زر تونگر کرد — پایہ شاں زآنچہ بود برتر کرد

پس فرستاد با تنعم و ناز — بانواں را درونِ پردۂ راز

شاہ را بود کوشکے چو بہشت — کنگرِ او بر آسماں زدہ خشت

راست کردہ بہ نسبت و ہنجار — چار جانب عمارتے چو نگار

یک طرف باغ - زیرِ سایۂ شاخ — رودِ آبے رواں بزرگ و فراخ

نزد بائے زکاخ بردہ فرود — کہ رود شاد در کرانۂ رود

کرد از جانبِ دگر گزرے — باز کردہ بپائگاہ[۲] درے

نزد بائے بزیر بردہ کہ شاہ — سوئے آخور[۳] شود گہہ و بیگاہ

سوئی زاں علف سرائے شتر — اندرون و برون ز بختی پر

---

۱ اے مطلوب ۱۲ ۲ پائےگاہ مرکب از پا کہ معروف ست و گاہ بمعنی جگہہ اے جائے پائے چہار پایاں و فارسیاں طویلہ اسپان را پائگاہ گویند ۱۲

۳ آخور بمعنی اصطبل ۱۲

نزد بانے دگر کشیدہ بزیر | تا رسد بر شترِ نوازش شیر[۱]
چار می سوے کارخانۂ مے | ساقیانِ چو مہر و مہ دروے
راست کردند برگِ خانہ تمام | چار بت را درونِ چار مقام
شب چو پیرایۂ عروساں بست | راہِ فریاد بر خروساں بست
خاست از بارگہہ ملک بشتاب | رفت سوے نگارخانۂ خواب
داد فرماں بساط بوساں را | کاوریدند نو عروساں را
آمدند آں شکرلبانِ رو پوش | گیسوئے عنبریں کشیدہ[۲] بدوش
مقنع[۳] ناز درکشیدہ بہ فرق | فرق تا پا میانِ گوہر غرق
ہمہ فربہ سرینِ موی میاں | از خرامش میانِ شاں بزیاں
دُرِ یاقوت شاں بگوش بسے | لیکِ یاقوتِ شاں نہ سُفتہ کسے
زلفِ شاں مشک بر سمن بیزاں | زیرِ ہر موئے صد دل آویزاں
نرگسِ مستِ شاں بفتنہ و فن | پارسا سوز بلکہ توبہ شکن
ہر یکے شوخے و ستمگارے | خانہ ویراں کنے و خونخوارے
شہ چو دید آں چہار چشمۂ نور | گشت ہوش و صبوری از وی دُور
ہر یکے را بہ لطف بالا خواند | پہلوے خویش بر سریر نشاند
کرد لختے بہ لعبہ و بازی | با فسوں خم اندگاں فسوں سازی

---

[۱] مراد از بادشاہ ۱۲ [۲] محجب = فگندہ [۳] چادر باریک کہ یک عرض باشد ۱۲

پس یکے زاں چہار لعبت چیں | از پئے خواب گاہ کرد گزیں
دیگراں خاستند با صد ناز | در شبستانِ خود شدند فراز
شہ چو گل راز خار خالی یافت | وآنچہ صد سال جست حالی یافت
با شکر خندہ شد بشیرینی | در گل افشانی و شکر چینی
گاہ بر سیبِ سادہ سود انگشت | گہ در آورد نارِ تر در مشت
ناگہاں درمیانِ لا بہ و لاغ | ق کہ گل و میوہ می ربود ز باغ
داشت لختے بہ کف گلِ خوشبوی | سر و گل روی را بزد بر روی
نازنیں شد ز نازکی بیہوش | شاہ کآں دید بر کشید خروش
زاں عمل کز خرد نبود ش نور[۵۱] | خندہ زد لعبتِ طلسم[۵۲] از دور
شاہ لختے بخویش باز آمد | بارِ ش اندیشۂ فراز آمد
چوں ازاں بیخودی صنم برخاست | نظرے میفگند در چپ و راست
چشم ناگہ فتاد بر زبرش | وآمد آں نقشِ فتنہ در نظرش
دید رو مینہ پیکرے برسر | راست کردہ بکیمیائے ہنر
زیرِ مقنع فرو نہفت جمال | گفت نا محرم ست ایں تمثال
آں نو آئیں خیالِ قہقہہ زن | باز در خندہ باز کرد دہن
بادشاہ از دلِ خیال اندود | در عجب ماند کیں چہ خواہد بود

---

۵۱ از صدمۂ ضرب گلہائے تر بیہوش شدن ۱۲

۵۲ تصویرِ طلسم کہ بر محالات می خندید ایں وقت ہم خندہ زد ۱۲

بود تا روز با صنم به نشاط　　　رازِ دل[۵۱] را فرو نوشته بساط

گشت چوں لعبتِ فلک خنداں　　　کرد پنہاں عروسِ شب دنداں

آفتابِ شبانه را فرمود　　　جا به برجے که سوئے آخر بود

وآنچه نزلے عروس را شاید　　　شد مہیا چنانکه می باید

پس به فرمود با وکیلِ سرائے　　　شد بسرِ دگر سریر آرائے

خود چو شاہاں به ہمنوئیِ بخت　ق　با عروسِ دگر نشست بتخت

دید مردم کشے بناز و خوشی　　　بوسه بازی نمود و زلف کشی

ناگہانش کشید در آغوش　　　پشتش از شقّه[۵۲] کرد قاقم[۵۳] پوش

باز قاقم چو شد نہاں و برو　　　خار خارے در افتاد برو

تہِ دامانِ شقّه بے صبر　　　جست زاں ته چو برقی از تهِ ابر

گفت کاو نگار گشت پشتِ مرا　　　موئے قاقم خلید و کشت مرا

باز شد پیکرِ ہنر خنداں　　　شاه را شد خیالِ صد چنداں

تازه کرد از طریقِ دم سازی　　　با غلط بازِ خود غلط بازی

گفت کا حسنت شاد باش آں تن　　　که بود موئے قاقمش سوزن

چوں تنت را لطافت افزون ست　　　رو در آئینه بیں که تا چون ست

---

۵۱ اے رازِ دل در دل نہاں داشت ۱۲

۵۲ شقه بمعنی پارچه و جامه و کاغذ وغیره و در منتخب بمعنی جامهٔ پیش شگافته ۱۲

۵۳ قاقم بضم قاف دوم جانوریست که پوستش بغایت سفید و ملایم باشد و ازاں پوستیں سازند ۱۲

در صنم درگرفت شیوهٔ شاه / آئینه برگرفت و کرد نگاه

شاه رو برد سوی پهلویش / تا در آئینه بنگرد رویش

چون صنم عکس شه در آئینه دید ق / بادشاهِ دگر معائنه دید

روی بنهفت کین کدام کس ست / کش بدیدار چون منی هوس ست

در چنین روی کز مهی[3] کم نیست / جز تو عکسِ تو نیز محرم نیست

باز در خنده شد خیالِ حکیم / دلِ شه گشت زان خیال دونیم

با صنم هیچ زان خیال نگفت / کامِ دل راند تا به روز نخفت

قندز[1] شب چو مه فگند ز دوش / گشت سلطان[2] صبح قاقم پوش

قاقم اندام را اشارت کرد / تا شود سوی پرده راه نورد

جایگاهش منظری فرمود / که رهش سوی ساربانان بود

اتفاقش چنان فتاد آن روز / که بود هم بروز بزم افروز

سوی ماه را بحضرت[4] خواند / پیشِ خود با هزار ناز نشاند

گلشنی بود پیشِ منظرِ خاص / بلبلی گردِ هر گلی رقاص

حوضه در میانش بسته ز خشت / هشت در هشت همچو جوی بهشت

---

[1] بضم قاف و سکون نون و ضمه دال مهمله و زای معجمه نام ولایتی قریب ظلمات و نام جانوری سیاه رنگ مشابه سگ و موی از پوست آن را نیز گویند از برهان و سراج و کشف و در لغات ترکی نوشته که قندز نام ولایت ست میان بلخ و بدخشان و جانور آبی که پوست او بغایت گرم بود ۱۲ [3] جب = طلسم

[2] معنی مصرع اینکه آفتاب گرم شد ۱۲ [4] جب = بخدمت

ماہیاں درمیانش بازیگر — ہر یکے را بگوشش حلقۂ زر
کشتیٔ ساختہ زپارۂ عود — چوں مہِ نو در آسمانِ کبود
لعبتے چند کردہ در وے ساز — چوں بدریا مسافرانِ جہاز
گشت لختے بہارِ سوسن بوے — در تماشائے باغ و سبزہ و جوے
چوں زگلشن بحوضِ گلشن دید — چشمِ ماہی فراخ در وشن دید
در زماں روے زآستیں بنہفت — ق — پس بناز و کرشمہ باشہ گفت
کیں ہمہ ماہیاں درآتش ریز — کہ نگہ می کنند برمن تیز
من کہ از چشمِ مادہ پرحذرم — آنکہ نر شد چرا کند نظرم
ایں سخن باز کاں خیال شنید — خندہ برداشت کاں محال شنید
ملک آں خندہ را غلط نشمرد — لیکنش ہم بخندہ بیروں برد
گشت باز از رہ فسوں خوانی — باپری چہرہ درسلیمانی
چوں نمود از طریقِ عیش دمے — خندہ و لاغ باچنیں صنمے
صنمِ لالہ رخ دگر بارہ — برسرِ حوض شد بنظارہ
بادنا گہ بسوئے کشتی تاخت — واں ہمہ لعبتاں درآب انداخت
چوں نگہ کرد غرقِ گشتنِ شاں — ق — واں زسرِ آب برگذشتنِ شاں
لرزہ در شخصِ نازنیں افتاد — کز چناں لرزہ برزمیں افتاد

لے مراد از معشوقہ سوہیں ۱۲ — ؎۲ مراد از ہماں پیکر طلسمی ۱۲

باز در خندہ شد طلسم جناں | کہ ملک از دست رفت عناں

لیک چوں روئے دل بکارے داشت | وانگفت ار بدل غبارے داشت

زد بروے بتِ رمیدہ[۵] گلاب | تا دو چشمش کشادہ گشت زخواب

پس بنقل و شراب جاں افروز | بود با او بخوشدلی ہمہ روز

آخر آں ماہ روے روزنشیں | خواست کش منزلے شود تعییں

گشت فرماں کش آورند فرود | در رواقے کہ بود بر سرِ رود

ماہ چوں زد بر آسماں خرگاہ | گشت شب پردہ دارِ خرگہِ ماہ

شاہ در خرگہِ نشاط نشست | ماہِ چارم میاں بخدمت بست

با ہزاراں ہزار زیور و زیب | شد رواں تا بروز شاہِ شکیب

دید چوں مسندِ جہانداراں | خاک بوسید چوں پرستاراں

بر زمیں کرد پائے خدمت سخت | تا نخواندش نرفت بر سرِ تخت

سر براہِ فگندگی می داشت | جاں بہ تسلیمِ بندگی میداشت

بود در پایۂ رضا طلبی | نہ چو دیگر بتاں بہ بوالعجبی

تا فروزندہ شد جہاں را ماہ | بود پائیں پرستِ خدمتِ شاہ

صبح چوں برگرفت جامِ شراب | زنگیِ شب زجرعہ گشت خراب

شد بفرمانِ شاہِ سرو جواں | سوئے برجِ شراب خانہ رواں

---

[۵] مراد از معشوقۂ بیہوش افتادہ ۱۲

ست زاں چار ماہِ حور سرشت | کوشکِ چار سو چو ہشت بہشت
پس برافروخت شاہ زشادیِ مغز | داد با خویشتن قراریِ نغز
کہ بود بعد ازاں بہر ماہے | ہفتۂ میہمانِ ہر ماہے
باسہ ہمخوابہ رغبتش خوش بود | دلش از چارمیں مشوّش بود
گفت ہست آں سہ دُرز دُرجِ گراں | نازپروردِ تختِ تاجوراں
چارمیں تخت را نہ درخوردست | چو[۱] گدایانِ رنج پروردست
ہر کرا پرورش بناز بود | نازنین و کرشمہ ساز بود
وانکہ خود را کسے نداشت عزیز | چاپلوسی کند بسانِ کنیز
دلش آسود بر چنیں غلطے | برخطِ راست برکشید خطے
باسہ بانو سہ ہفتہ بودے شاد | از چہارم گہے[۲] نکردے یاد
یکشب از جامِ بادہ مستِ خراب | خفتہ بود اندرونِ خانۂ خواب
درکنارِ آں بہارِ دیدہ فروز | کز گل آزردہ شد نخستیں روز
چوں درآمد ز خواب یافت تہی | بسترِ خواب راز سروِ سہی
سر برآورد و دید در چپ و راست | چوں ندیدش ز خوابگہ برخاست
سوے ہر منظر و رواق دوید | رفت و آنرا کہ دید نیست ندید
ہر عمارت کہ رفت بر سرِ او | دید قفلے نہادہ بر درِ او

---

۱ حجب = کز   ۲ جب = دمے

بر درِ نزد باں چو رفتہ فراز	دید قفلش فتادہ و در باز
برگرفت از سرانِ[۱] خود شمشیر	وز سرِ نزد باں دوید بزیر
خویشتن را نہفتہ داشت دروں	وز پسِ در نظر فگند بروں
دید خر بندہ[۲] زنگیِ سرمست	از سرِ خشم تازیانہ بدست
بر تنے کز گلش رسید آزار	میزد آں تازیانہ را ہربار
بانگ میزد بر آہواز شیرے	کہ چرا ماندہ بدیں دیرے
او ہمی گفت نرم نرم کہ شاہ	تا نخسپد چگونہ گیرم راہ
شہ چو بشنید ماجرائے عروس	سرخ گشت از غضب چو خونِ خروس
آمد اندر دلِ خرد بنیاد	خندۂ لعبتِ[۳] طلسمش یاد
خواست کز کنجِ در بروں تازد	ہر دو را سر بدامن اندازد
لیکن اندیشہ کرد در دلِ خویش ق	کیں دو را گر سر افگنم در پیش
لعبتانِ دگر شوند آگاہ	من بر اسرارِ شاں نیابم راہ
باز پس گشت ہم بداں تدبیر	رفت و در خواب شد بروے سریر
یافت چوں بانو از حریف خلاص	آمد او ہم دروں بہ بستر خاص
چوں رہا شد ز دیو ظلمت حور[۴]	گشت زاں حور عالمے پر نور

۱؎ سرانِ اے بالیں ۱۲ ۲؎ خر بندہ اے خادم دسائیس خر ۱۲ ۳؎ جب = صورت

۴؎ عبارت از طلوع سحر ۱۲

شاه منزل به برجِ دیگر کرد / ماهِ آں برج را منور کرد

باده میخورد با شکر لبِ خویش / راز را مُهر بست بر لبِ خویش

منتظر تا بشب کے[1] آید روز / گوشود برمرادِ خود فیروز

رفت خورشید چوں بهودجِ خاک / مه برآمد به تختهٔ افلاک

شاه پیشِ عروسِ شاه پرست / به تکلف نمود خود را مست

بے خبروار سر بہ بالش برد / در دیده بقفلِ خواب سپرد

چوں گذشت از شبِ سیاه دو پاس / نازنیں را بدل نماند هراس

خاست از پهلوے ملک بشتاب / سوے منظر دوید چوں مهتاب

گشت در دستِ نفسِ فتنه زبوں / در بیروں کشاد و رفت بروں

سارباںے درآں سراے شتر / بود در رہ جوے آں طویلهٔ[2] دُر

آنچناں صیدے[3] آمده بنشاط / وز پلاسِ شتر فگنده بساط

چوں صنم در رسید جست زجاے / زلف بگرفت و او فگند زپاے

پس بزورش درآورید بزیر / بر سرِ خارہاے چوں شمشیر

پشت کز قاقمے نگارش بود / تکیه بر دورباشِ خارش بود

---

[1] اے روزے کہ شب شود ۱۲ [2] طویله دراصل بیاے معروف ست لیکن فارسیان بیاے مجهول نیز استعمال کنند وآں رسنے دراز باشد که بداں پاے چند اسپاں می بندند ومجازاً بمعنی مکان وعمارت که درآں اسپاں رانگاه دارند وطویله بمعنی سلک ورشته مروارید نیز آید واینجا مراد از طویله دُر معشوقه دیدمیں ۱۲
[3] سارباں دید که آں چناں صید به نشاط تمام می آید پس از پلاس شتر که سخت ودرشت باشد فرشش طیار کرد ۱۲

شاہ آں آفتاب را در حال | رفت پویاں چو سایہ در دنبال
چوں تنِ نازکش بدید چناں | گشت مو بر تنش ز غصہ سناں
غیرتش گرچہ بود پردہ شگاف | نیز نشگافت پردہ را بگذاف
سر کشید از وفای ہمسرِ خویش | رفت و در کرد سر بہ بسترِ خویش
ہمسرش کز برش جدائی یافت | آمدہ نیز چوں رہائی یافت
صبحدم کیں عروسِ روشن چہر | آشنا ور شد از محیطِ سپہر
شاہ زاں بت رہِ جدائی جست | با بتِ دیگر آشنائی جست
شد سوئے برجِ آب راہ گرائے | گرد چوں مہ ببرجِ آبی جائے
با نوئے آبدار[51] روشن روئے | ریخت در ساغر آبِ آتش خوی
شاہِ گیتی بکارِ آب نشست | در دلِ دشمن آبگینہ شکست
خوش کسے کاندریں کہن دولاب | آبِ خوش[52] خورد زیں رہِ بے آب
کاب ندہد بجس سیکے کوزہ | شیشۂ آب گونِ فیروزہ
بود تا شب بمجلس آرائی | با مہِ تنگ چشمِ یغمائی[53]
آرزو در کنار و مے در جام | بہ ازیں دولتے کجا و کدام
ریخت چوں ایں سفالِ ریحاں رُدے ق | چشمۂ آفتاب را لب بوئے

---

۵۱ حجب: آتش ۔ ۵۲ آب خوش خوردن اے مراد خویش حاصل کردن ۱۲

۵۳ منسوب بہ یغما کہ شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

باز شه پیشِ ماهِ زرق فروش | خویش را مست ساخت چوں شب دوش
سر به بالشش نهاد بیخود وار | چشم پوشیده و دلش بیدار
چوں ز شب نیمهٔ تمام گذشت | مردماں را تگِ خرام گذشت
صنم از خوابگاه رفت فرود | جامه بیروں کشید بر لبِ رود
پیش ازاں رفته بود گاهِ فراغ | کرده پنهاں سبوئے اندر باغ
بست و زیر کرد و راند بر آب | چوں سگلے کو کند مراغه[۵۱] در آب
چوں یک آماج[۵۲] رفت زانجا دور | ملک از غیرتش نماند صبور
جامه بیروں کشید و هم در پے | شد بدنبال در نظارهٔ وے
چوں گذارا[۵۳] رسید لعبت سیم | کرد جاں را بکامِ دل تسلیم
هندوئے چوں سگانِ آهوگیر | در کمیں بود بهرِ آں نخچیر
چوں تمنائے خویش در بر یافت | ق | و آنچناں ماه بے قصب[۵۴] دریافت
در وے آویخت چوں مگس در قند | داد مه را باژدها پیوند
چوں بدید آں نظارهٔ خسرو عصر | با دلِ خسته باز رفت بقصر
واں پری نیز چوں زد و بر رست | بسلیمانِ خویشتن پیوست

---

۵۱ مراغه کردن بمعنی غلطیدن ۱۲ ۵۲ مقدار یک پرتاب تیر ۱۲ ۵۳ گذارا آنرا گویند که ازیں کنارهٔ دریا عبور کرده برکنارهٔ دیگر رسد ۱۲ ۵۴ در خیابان نوشته که قصب بمعنی جامهٔ معرب کسب ست بفتحتین و کاف عربی جامه ست که در هند مشهور ست نوعے از بافتهائے ابریشمی دراینجا از بے قصب مراد عریاں ۱۲

صوفیِ صبح خیزِ چرخ ز دور / چون پدیدار شد چو پارهٔ نور

شه روان شد که تا شود بقیاس / چارمین سکّه را عیار شناس

رفت در برجِ چارمین خورشید / مجلس آرائے گشت چون جمشید

چون در آن برج روشنائی یافت / همه سیمائے پارسائی یافت

هم نشد خوش که در دلِ نگران / تازه بودش جراحتِ دگران

نازنین برقرارِ خدمتِ خویش / ایستاده چو بندگان در پیش

می نمود از طریقِ دلداری / هم حریفی و هم پرستاری

بود در رو تازه چون گلِ سوری / تا سیه شد جهانِ کافوری

شب چو خورشید شد بگوشه نهان ق / وز شغب ماند گوشهائے[1] جهان

شاه بر نسبتِ دگر شبها / مهرِ حکمت نهاد بر لبها

ساخت خود را چنانچه دانی مست / وز رخِ دوست دیده برهم بست

چون بدو رغبتے نداشت چنان / طبع را سوے او نداد عنان

تا ز شب رفت نیمهٔ کم و بیش / وان صنم دید خوابِ منعمِ خویش

خاست از خواب و شد بگوشهٔ برج / گشت مستور چون دُر اندر دُرج

دور کرد آنچه زیب و زر پوشید / جامهائے سپید در پوشید

بتضرّع نهاد رو بخدائے / وز پئے طاعت ایستاده بپائے

---

[1] اے گوشہائے جہاں از شور و غوغا آسود ۱۲

چوں ذلیلاں بعجز مے نالید — دیدہ بر روے خاک مے مالید

شہ کہ بود از کمیں بد نالش — دید چوں در سلامتی حالش

زاں نہفتہ خداے خوانیِ او — بیشتر گشت بد گمانیِ او

بر ظن کاں نیایش اندر پوست — از براے فریب ناکیِ اوست

آزموں کرد گاہ و بیگا ہش — خارِ غیرش ندید در راہش

داشت در سینہ نیک خوییِ او — دم نزد باوے از نکوییِ او

ز آزمونِ تباں چو دل پرداخت — ہر یکے را چنانکہ بود شناخت

بست دل تا کند بپردۂ خویش — ہر یکے را سزاے کردۂ خویش

گفت با خادمے کہ زود خرام — آو راز در بروں سبوئے خام

رفت پنہاں بباغ زود از زود — خام بنہاد پختہ را بر بود

چوں بہنگامِ خویش سروِ جواں[۱] — برلبِ رود شد چو آبِ رواں

از تہ سروِ بن سبو برداشت — راست در زیرِ سروِ دیگر داشت

آشنا کردہ و راہ پیش گرفت — رہ سوے آشناے خویش گرفت

راست کاندر میانِ رود رسید — از دگر عالمش درود[۲] رسید

در گداز اوفتاد مرکبِ خام — بوکیلِ اجل سپرد لجام

در تہِ آب رفت لعبتِ سیم — چوں بدریاے ژرف دُرِّ یتیم

---

[۱] جیب = رواں [۲] اے اجل پیش آمدہ سلام گفت ۱۲

اخترش طالعِ سیاهی یافت — ماه منزل ببرجِ ماهی یافت

او شد و کیست کو چناں نشود — بر فلک نیک دید رواں نشود

ہر کہ از پردہ رخ نمود چو برق — ز آشنائی چنیں سبو شد غرق

شاہ چوں دل ز یک صنم پرداخت — چارۂ لعبتانِ دیگر ساخت

آنکہ از برگِ گل رسیدش کوب — بس بیازرد چوں نبات از چوب

آنچناں زد بتازیانہ تنش — کہ چو گل پارہ پارہ شد سمنش

ہم بجرم بندہ کہ یارش بود — ساخت جفتش کہ سازوارش بود

تا در آخور[۱] کہ خوردہ پاک کند — یادِ آں دولتش ہلاک کند

خوردنش چوں بخانہ جو باشد — ہر زمانیش مرگِ نو باشد

وآنکہ تشتیش خراشِ قاقم داشت — ق — دل بدنبالِ سارباں گم داشت

کوفت از خار پاے تا بسرش — تا بہر مو شکست نیشترش

نیل کز نوکِ خار بر تن بود — راست چوں نقش ہاے سوزن بود

پس بخواری ز خود گرانش داد — ہم در آغوشِ ساربانش داد

تا چو برگیرد اشتراں را پشک[۲] — یادش آید ز بوے عنبر و مشک

واں صنم کز دلِ بسامانش — لوثِ شہوت نداشت دامانش

---

[۱] چوں در اصطبل خوردہ خراں و اسپاں برچیند از یادِ آں تنعم شاہانہ ہلاک شود ۱۲

[۲] بمعنی سرگیں کہ ہندی مینگنی گویند ۱۲

برکشیدش باحترامِ تمام | بانوِ بانواں نہادش نام
کرد عہدے کہ تا بود عہدش | ماہِ دیگر نتابد از مہدش
بسکہ آں پاک دامنِ پر نور | داشت جامہ سفید چوں کافور
شہ موافق شد اندراں کارش | گشت کافور گوں شبِ تارش
پس ازاں چوں بیاضِ نامۂ شاں (ق) | بود کافور فام جامۂ شاں
جامہ کافور گوں بہ است بساز | کہ بخیر الثیاب[۵۲] یافت طراز
پاک رنگ ست رنگِ کافوری | نامہارا بیاضِ مغفوری
چوں شود موئے آدمی کافور | موئے او را خدائے خواند نور
روزِ روشن کہ سر بسر نورست | ہمہ نورش برنگِ کافورست
شہ کز افسانہ ماہِ منظورش | داد کافور چوں سقنقورش[۵۳]
ہمچو کافور ماہِ زہرہ تاب | گشت با او یکے و رفت بخواب
بعد ازاں زندہ بود تا بہرام | ہمبریں گونہ داشت عشرت و کام
ہر شب از گنبدے گذر می کرد | عیش در گنبدِ دگر می کرد
چند گہ زیرِ ہفت گنبدِ نور | نشد از عیشِ ہفت گنبد دور
عاقبت ہفت گنبدِ گردوں | کرد از ہفت گنبدش بیروں

لا حجب = ز خیر الثیاب

۵۲ در حدیث آمدہ است خیر الثیاب ثوب ابیض یعنی بہترین لباس ہا لباس سفید (کافوری) ست ۱۲

۵۳ جانوریست از حشرات الارض مثل سوسمار یعنی گوہ نزد اطبا گوشت آں بغایت مقوی باہ است ۱۲

نامِ او چوں زگور نسبت یافت | ہم بگنبد سرائے گور شتافت

داستانِ وفاتِ بہرامِ و آہنگ او سوی گور و در پئے گور در چاہ فرو رفتن و در بوستانِ بہشت رسیدن

قصہ پردازِ شاہِ گنبد ساز | داد در ہفت گنبد ایں آواز

کہ چو بہرام چندے از دلِ شاد | راند گنبد بگنبد اسپ مراد

عاقبت گنبدِ سپہر بزور | شد کشانش بسوئے گنبدِ گور

داد گنبد[۱] کناں و گور زناں | گور پا را بگورِ دشت عناں

جست چنداں بگور و صحرا راہ | کہ در افگند گور شس اندر چاہ

روزی از بس کہ دل بگورش بو | سوے پہلوے گور شورش بود

بامداداں پگاہ گشت سوار | راند بیرون بجست و جوئے شکار

بادپا را بہر طرف در گشت | میدوانید ہمچو باد بدشت

کردی آں سو کہ کرّہ[۲] راندی تند | پائے آہو زرہ بریدن کند

تیرِ آہو کشش زدی بصریر | نغمۂ ہندوانِ آہو گیر

زاں سے تیر مینہ واز ہر سو | گلۂ گور و جستۂ آہو

اندراں جستۂ و گلہ پیوست | اشقرش پائے کوفت دست ببست

---

۱ گنبد کردن نوعے از جہیدن آہو و اسپاں ۱۲ ۲ بغمہ اول بچۂ اسپ ۱۲

از خدنگِ وے ارچہ در ہر جائے — آہواں می شدند کوتہ[ل] پائے

لیک او میل جز بگور نداشت — گور پیشش بہ پویہ زور نداشت

تا درین جنبش از سرِ زورے — خاست از پیشِ آہوئیش گورے

طرفہ گورے دو دیدہ چوں پرِ زاغ — راست چوں در سرانِ گور چراغ

سخت پے چوں کمانِ محکم ساز — خانہ کوتاہ و گوشہائے دراز

یال آزادہ از عناں تازی — گردنش فارغ از سناں بازی

پہلوش زیرِ چرم گلناری — چوں کماں زیرِ توز[۵۲] بلغاری

از خراشِ خراشش در سینہ — زدہ با کوہ و دشت سر سینہ

شکم از خطِ سبزہ بردہ برات — از بروں سبزہ در دروں چو نبات

خطِ پشتش درست و نسخہ باد — راست با یاد باز خواندہ سواد

در کفلگاہ گردِ روشنِ او — گرد گشتہ لطافتِ تنِ او

بستہ از خیزراں و صندل طاق — صندلی راں و خیزرانی ساق

جانِ شیراں بہ پنجہائے دمش — کحلِ گوراں بجھتائے سُمش

کلکِ پایش چو جامہ چالاک — نصف صفرش رقم تختۂ خاک

تیزگامے چو آسمانِ کہن — تیز[۵۳] پائے زباد کردہ سخن

ل جب = آہو ۵۲ بضم واو مجہول نام پوست درختیست کہ مثل پے بر کمان وزین بکار برند و بلغار بضم اول نام شہریست نزدیک ظلمات آباد کردہ اسکندر ۱۲

۵۳ ل = بے زبانے

بسکه همچون خیال بود بچشم | می نمود و نمی نمود بچشم
دیو نقشے که دل کند شیدا | گاه پیدا و گاه ناپیدا
نه بُد او جانور بسبزه و برگ | دیو جاں بود بل فرشتهٔ مرگ
گور در پیش می شتافت دلیر | شه بدنبال میدوید چو شیر
زاتش ترش خوی دراں شتاب چکاں | آتشے میدوید آب چکاں
شه عناں را بدو رہا کرده | باد را زدو وال پا کرده
ہر خدنگے که سوئے گور کشاد | گور گنبد[1] زدو خدنگ اُفتاد
تیر کز مو درست جستی صاف | مو نجستی ازو بگاهِ شگاف
شه براں گور میزدش بشکوه | درنمی شد درو چو مو در کوه
زاں خطاها سوارِ قادر دست | جست میزد چو تیر شست بشست
ناگه از پیش چاہے آمد تنگ | در فتادن نداشت گور درنگ
توسنِ شاه نیز در پئے گور | رفت[2] در چاهِ گور کور اکور
آنکه دو میل زاں دو بینش نور | سرمه[3] کردی زمین نقلب زدور ق
از قضا کور شد که پیش ندید | چاه را زیرِ پائے خویش ندید
هست در چرخ کحلِ این همه کا | بهرِ بینائیِ اولی الابصار

---

[1] گنبد زد اے جست کرد ١٢ [2] ج = رفت در چاه و شاه شد در گور

[3] اے تحقیق کردی ١٢

گورپویان که سوی چاه آمد — گور[۱] بود آن که سوی شاه آمد

آنکش از چاهِ گور شور افتاد — عاقبت هم بچاهِ گور افتاد

ارچه در گور کس بزور نرفت — کیست آن کو بچاهِ گور نرفت

انجمن شد چو گرد در خنه سپاه — مه فرو رفته بود در بنِ چاه

دلوها بسته شد بحبلِ امید — بر نیامد فرو شده خورشید

آفتابے که گشت خاک نشیں — آدمی کے بر آردش ز زمیں

آنکه از چه خیالِ[۲] ماه کشید — ماهِ سیماب را ز چاه کشید

آن نه چه بود بلکه غارے بود — تا بنِ چاه میل وارے بود

چون تنورِ نو از سیه تابی — چون کهن دوزخے زبے آبی

در چپ و راست غارهائے کهن — قعرِ هر غار ناپدید از بن

اسپ دیدند پر ز کوب و شکن — کوفته باد چرخ در هاون

برگرفتند از زمینش چنان — استخوان آرد بود در انبان

باز جستند سو بسوی بسے — از سوارش نشان نداد کسے

از شکافندگان بگردِ مغاک — کاو کاوے درا و فتاد بخاک

هر یکے آهنے گرفته بدست — جگرِ گل درون درون می خست

---

۱ گور در مصرعۂ ثانیه معنی قبر ۱۲

۲ درین شعر اشاره بسوئے حکمت حکیم مقنع ست که ماهی از سیماب ساخته از چاه آورده بود لیکن بهرام در چاهے که افتاده بود و او پایان نداشت پس چگونه بر آید ۱۲

پاره کردند در یکے فرسنگ　　رخنهاے فراخ و فرجهٔ تنگ
سر مِتین[۵۱] بقعرِ آب رسید　　چشمهٔ آرزو نگشت پدید
ز آتشِ سینها در آں زاری　　چشم سیماب[۵۲] گشت پنداری
ارچه سیماب[۵۳] ریخت دیدهٔ تر　　کیمیا را کسے نداشت خبر
ایں چنیں گنجها نشسته بخاک　　که تواند کشید نش ز مغاک
و آنکه[۵۴] ایں اژدہا کشد بدمش　　کے تواں برکشیدن از شکمش
آید آں کآمدیش هست براز　　رفتنی را کسے نیارد باز
خورد خونهاے خلق خاک بسے　　که یکے خوں ازو نخواست کسے
ساقی آں مے که در زمیں در ریخت　　چوں کشد چوں بخاک باز آمیخت
گر بغربال کس ببیزد خاک　　بر نیابد نشانِ مردمِ پاک
خاک بهرام بیختند تمام　　بهره زاں خاک بود نے بهرام
بازگشتند مردماں زاں غار　　دیده پر آب سینه پر ز غبار
رفت گوهر ز مشت و خاک بمشت　　زاں عجب ماند در دهاں انگشت
چند روزے بغم خروشیدند　　جامهاے کبود پوشیدند

---

[۵۱] مِتین بکسرِ میم و یاے مجهول و کسرِ فوقانی میخیست آهنی که بداں در سنگ شگاف اندازند ۱۲
[۵۲] اے از کثرت گریه چشم مردماں سیماب گشت اے سفید شد یعنی کور گشت ۱۲
[۵۳] سیماب ریخت اے اشک ریخت و در مصرعهٔ ثانیه از کیمیا مراد بهرام ۱۲　　که ج = بسے ست
[۵۴] مراد از زمین ۱۲

آخر الامر دل ز گم ہوشی | داد شاں داروے فراموشی

بیں دریں چہ کہ بہر ما کنند | زیں فراموش گشتگاں چندند

چرخ گورست نیلگوں سلبی[۱] | دانی آخر کہ نیست بے سببی

کس ز گیتی کجا خبر یابد | مشت قلاب را کہ دریابد

ہمہ آبست شخص[۲] مردم دام | کش چو دام ست رخنہاے مسام

زود چو رفت آب ہر کجا خواہی | دیر بود ز مردن ماہی[۳]

کہنہ گورے ست گوربانان[۴] را | گورخاں ست گورخانان[۵] را

ایں مقرنس[۶] رواق بے سر و بن | بر سر گور گنبد ست کہن

اندرایں گنبد آنکہ محرم گشت | غلغلے کرد چند روز و گذشت

آنکہ او خود گلے ست مقدارے | خانہ سنگیں چرا کند بارے

زندگاں را بود در و دیوار | مردنی را چہ کار با ایں کار

قلعۂ طینت ار چہ چست افتاد | زود ویراں شود چو سست افتاد

چوں رسد سیلش از محیط کبود | مرو بالاش زیر خاک چہ سود

---

۱ پوست و لباس ۱۲ — ۲ اے ذات و وجود انساں ۱۲ — ۳ دریں جا مراد از ماہی روح انسان ست ۱۲

۴ گور دوم بواو مجہول بمعنی عیش و عشرت و شراب و بان بمعنی نگاہ دارندہ الف و نون جمع پس معنی گور باناں ارباب عشرت و شاہان جلیل القدر ۱۲

۵ گورخاں لقب بادشاہ خطا و ختن و خان اوّل بمعنی خانہ ۱۲

۶ مقرنس بضم میم و فتح قاف و فتح نون عمارتیکہ آنرا بصورت قرناس ساختہ باشند و قرناس بالضم بمعنی کوہ و مراد از مقرنس عمارت بلند و بناے عالی و رواق بمعنی سقف ۱۲

روزگارا ندرونِ ایں چہ پست | جاں طلب میکند چراغ بدست

چہ برد دزد تا کہ شمع نمرد | طرفہ دزدی کہ شمعِ روشن برد

گرچہ مرگ از جفا ستیزہ گرست | بیوفائیِ عمر ازاں بترست

گلِ مبیں خشک بر سراچۂ گور | آں گلِ خشک را نگر تہِ گور

ورقِ گل بگو رجناناں را | پند نامہ است کارواناں را

لالۂ ترکہ رنگِ خوں دارد | خوں زروہائے لالہ گوں دارد

یا رُخ از خونِ آدمی شُست ست | یا خود از خونِ آدمی رست ست

تو کہ خواہد گذاشت ہرچہ کہ داشت | نیکبخت آنکہ نامِ نیک گذاشت

آں بنا کن دریں کہن بنیاد | کز تو خلقے کنند بہ نیکی یاد

از پسِ مرگ یادِ نیک برند | وز پئے مرگِ مرد غم بخوزند

آنکہ نامرد ہست و بے تمیز | مردہ باشد بزندگانی نیز

بانگِ شورے کہ میزنند برد | لعنت ست آنکہ می کنند برد

پس چناں باش کز تنِ پاکت | آفریںہا کنند بر خاکت

دوستاں کز پئے تو در شورند | با تو ہمراہ تا لبِ گورند

ہست تا خاک ہمرہِ تو بسے | نیست در خاک ہمرہِ تو کسے

پس ورا یاد کن کہ جاں بخشند | مردنت[۱] عمرِ جاوداں بخشند

۱؎ حجب = ہر دمت

وانکه زینگونه شد مسیح نفس | در صفِ اہل درد یابی و بس
خسروا پائے نیک مرداں گیر | با مسیحا نفس زپیش ہمیر
بایدت خانہ حیات درست | از خضر باید آبِ حیواں جُست
خواہی از خاک بر سپہر خرام | خاک شو زیرِ پائے شیخ نظام

در تمام شدنِ عمارتِ ہشت بہشت و سیراب گشتنِ مناہلِ لطائف و برآمدنِ نہالہای نامی و در رسیدنِ میوہای جانی و مُرغانِ بی نوا را آواز دادن و بارِ عام صلا گفتن و از شاخ امرودِ خام برشکستن و دوستانِ جانی را بفاکہہ کثیرہ لا مقطوعہ ولا ممنوعہ سراپا برخورداریِ کام ارزانی داشتن و صادر و وارد را بدین خلدِ نعیم دعوت کردن

چوں شد آراستہ بنقش و نگار | روے ایں کارگاہ جادوکار
کرد و ر دیدہ مشتری جایم | و آسماں بوسہ داد بر پایم
دید رضواں ز ہشت خلدِ بریں | ہشت خلدِ بریں بروئے زمیں

از نسیمش کہ مغز پرور گشت　　مغزِ روحانیاں معطر گشت

شربتش ذوقِ سلسبیلی داد　　خامہ را پرِ جبرئیلی داد

زیں مروّق[۵۴] رحیقِ نوش گوار　　عقل ہم مست گشت و ہم ہشیار

ایں مصفّا ز جا جۂ مے ناب　　کہ رود جاں ز بوے او در خواب

از ارم ساغرے ست پر ز نسیم　　بل ارم خانہ ایست پر ز نعیم

از مے نو بہ نزہت و رونق　　مثلہا فی البلاد لم یخلق

خانۂ خاکِ او عبیر سرشت　　خانہاے دگر درو چو بہشت

ہمہ بیتش بگاہِ عرضِ شمار　　سہ صد و پنجہ و دو و سہ ہزار ۳۳۵۲

سال ہجرش یکے و ہفصد بود　　کیں بنا برد سر بچرخ کبود

گر بقا را بناے محکم نیست　　چوں من ایں خانہ ساختم غم نیست

زیں ہنر نامۂ ہمایوں ساز　　ہر خطے زندگانی ست دراز

ایں نمونہ کہ نقشِ پرکاریست　　از طرازِ کہن[۵۱] نمودارے ست

ہر چہ در گنج پیش پنہان ست　　ہم عیارش درونِ ایں کان ست

آں زر ار چہ سرہ[۵۲] است معیارش　　نیست جز دہ دہیِ[۵۳] من یارش

پوست گرچہ چو مغز شیریں نیست　　بہتر آں مغز پوست بہ زیں نیست

---

۵۱ مراد از مثنوی ہفت پیکر مولنا نظامی ۱۲　۵۲ سرہ بفتحتین بتخفیف در فارسی بمعنی خالص و پاکیزہ و بے عیب ۱۲　۵۳ بفتح ہر دو دال و یاے معروف بمعنی خالص و کامل عیار و زریکہ در آتش نہند مطلقاً از اں سوختہ نشود و کم نگردد ۱۲　۵۴ مروق صاف کردہ شدہ کہ اصلاً غش درو نبود و رحیق شراب خالص ۱۲

گرچہ ایں دار دانگبیں کارے | ہر کہ راہم بود خریدارے
گرچہ گوہر بقیمت ست عزیز | قیمتی ہست کہربارا نیز
دُر بتاجِ ملک بود شایاں | گوشِ ماہی بزعفراں سایاں
ایں رقم کاندرو صفائی ہست | گرچہ زرِ نیست زرنمائی ہست
نکتہ گر نشاطِ زیرک تیز | ابلہاں را بود فریب انگیز
گر ہمہ کس گزیدہ باشد و اہل | کس چو من نیز باشد آخر سہل
آنکہ باشد چو من تہی مایہ | بوکہ ریزد بدیں رقم سایہ
خوش بود گل فروش رابستاں | خارکش راہوائے خارستاں
مرغِ صحرا کہ سنگ خور باشد | سنگش از دُر عزیز تر باشد
نوبتی کز دہل نیاید تنگ | دردِ سر خیزدش ز نغمۂ چنگ
چوں سشتابندہ راگہ و بیگاہ | رفتنی شد ازیں تماشاگاہ
ہست در زیرِ کاخِ فیروزہ | آدمی میہمانِ دہ روزہ
نیکبخت آں کسے کہ در انجام | زندہ جاوداں گشت بنام
آنچہ مقصودِ آدمی زادست | نامِ نیک ست و آں دگر بادست
وانچہ زاں نامِ مرد ماند دیر | سخن ست و نہ خامہ نے شمشیر
گر کسے را بود جواہر و گنج | بیش ز اندیشۂ جواہر سنج ق
یا زند بر بساطِ سلطانی | ملک را سکۂ سلیمانی

یا برآرد بگاهِ سر فگنی | سر بروئیں تنی و تهتنی

چوں فرو رفت قالبش در خاک | نام او گردد از دورِ قها پاک

چند گاہے چو درمیاں اُفتاد | ہیچکس را ازو نیاید یاد

مگر از نامۂ سخن سازے | کہ بماند بعالم آوازے

ایں ورق کز نشاط دارد بہر | یادگارے ست از من اندر دہر

چند بایست سینہ سوزی کرد | کہ شد ایں در بآبِ حیواں خورد

پختگاں را اگر نماید خام | ہست پختہ بکامِ من ناکام

ہر کسے را بکارِ خویش ہش ست | کس نگوید کہ نارِ[152] من ترش ست

زنگی ارچہ سیاہ فام بود | نزدِ مادر مہِ تمام بود

گر قبولی ز عیبِ یارش گشت | سکّہ تا محشر استوارش گشت

چوں شد ایں نامہ در زمانہ عزیز | نامِ من زو عزیز گردد نیز

وگر افتد زمیلِ دلہا دور | خود بماند ز چشمہا مستور

پیشِ بدگوے کو پسم[153] باشد | عیبؔ[154] پوشی ہماں بسم باشد

زیورے را کہ گم شد اندر خاک | کس چہ داند زرست یا خاشاک

گوہرے کاں بدرج روے نہفت | جوہری قیمتش چہ داند گفت

کاش کیں بکرِ روے پوشیدہ | ماند از چار سوے پوشیدہ

---

۱۵۱ حبب = دروغ　　۱۵۲ انار ۱۲　　۱۵۳ اے پسِ من ۱۲　　۱۵۴ حجب = پردہ پوشی

تا بماند بروزگارِ دراز | ناقصاں را بخندہ دنداں باز
شورِ ایشاں زمن رباید خواب | شاں بغیبت گری ومن بعذاب
گفتہ اند آنچنانکہ باید گفت | کز پسِ مردہ بد نشاید گفت
آنکہ در ما کند بید سگے | آخر او نیز مردہ خواست گے
ہر کہ گفت از جفا چوبے ہنراں | بشنود بعدِ مردن از دگراں
گنبدِ پر صداسے خالی ساز | ہر چہ گوئی ہمانت گوید باز
چوں بد و نیک را جزائے ہست | گفتہ ناگفتہ را سزائے ہست
گرچہ ایں گلشن مذدر کار د | ہست در بوستانِ عقبیٰ حناء
لیک گر عفوِ کردگار بود[51] | خارِ من جملہ لالہ زار بود
دارم امیدِ رحمتِ جاوید | چوں تواں گشتن از درش نومید
چوں کند رحمتش مدارائے | چیست حرفِ سیہ بدریائے[52]
مایہ گر عودی ست دگر بیدی | کفر باشد رضا بنومیدی
چوں امیدم بکف سپردہ عناں | رستم از حربۂ درکِ[53] فگناں
ہر چہ کردارِ من زپیش وپس ست | عذر خواہم ہماں امید بس ست
یا رب ایں نوعروسِ زیبا را | ق | کہ بر دآب نقشِ دیبا را

---

[51] جب = عون | [52] یائے عظمت اسے مقابل دریائے عظیم ۱۲

[53] درک بفتحتین طبقہ دوزخ ۱۲

جلوهٔ ده بچشمِ دانایاں | که دل و دیده را بود شایاں

خاص گردانش در دلِ همه کس | هم برین نکته ختم کردم و بس

در شکر گزاری حق تعالیٰ

شکر حق را که از خزانهٔ غیب | ریخت چنداں جواهرم در جیب

که ازاں نقدِ قیمتی بستہ سال | کردم این پنج گنج مالامال

در هر گنج کش فرو بستم | کیمیائے دگر در و بستم

داند آنکس که سنجد این گفتار | کیمیائے مرا بوزن و عیار

نیست اندیشه گر بد اندیشے | رگِ بے رنج را زند نیشے

کز علل هر چه دیدم از تفسیر | چیده ام معنوی و لفظی نیز

راست کردم هر آنچه روشن گشت | راست و[1] روشن دل از خطا نگذشت

وآں خطا کاندرو گماں نرسد | دل ز پوشیدگی بداں نرسد

یک یک این پنج نامه تا پایاں | عرض کردم بچشمِ دانایاں

هر کسے را چنانکه روئے نمود | در بد و نیک گفتگوئے نمود

هر چه بیننده راست را خم دید | بجوابِ سخن فراهم دید

وآنکه در گفتن از دلم کژ خاست | راست گو چوں نمود کردم راست

---

[1] دل موصوف و راست و روشن صفت ۱۲

زیں ہمہ ناقدانِ نکتہ شناس ... ہر کسے زد دمے بوہم و قیاس

لیکن آں کاندریں خزائن پُر ... مہرِ قلب دور کرد ز دُر

نیست اِلّا کہ آں جہانِ علوم ... کہ شدش ہر چہ در جہاں معلوم

آسماں عالمِ زمانش خواند ... دہر علّامۂ جہانش خواند

چوں فرو شد درو کمالِ اندیش ... از کمالش فرو شد اندر خویش

بو حنیفہ سراجِ امّت بود ... نور افزائے دین و ملّت بود

مجتہد در خلافِ نکتہ کشی ... مالکِ فقہِ کوفی و شافعی[۵۱]

بس کہ در علم راست تدبیر ست ... راستی ہم شہاب و ہم تیر ست

راستی ساکن اندرو بصواب ... راست ہمچوں الف میانِ شہاب

چوں ازو موج زد کلامِ احد ... نَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ[۵۲]

روشن اندر دلِ چو مصباحش ... کشفِ کشّاف و فتحِ مفتاحش

رقمِ عنبرینش بر کافور ... از بروں سوِ دخان[۵۳] دروں سو نور

او شہاب و دل و تنش ز اخبار ... نیّرینِ مشارقِ الانوار

از تمامِ فنون و فضلِ تمام ... غیرتِ بحتری[۵۴] و بو تمّام

گاہِ تحریر گر بہ بیتِ عتیق ... ق یافت اشعار تا زیاں تعلیق

---

[۵۱] مراد از امام ابو حنیفہ و امام شافعی رحمہما ۱۲ [۵۲] تمام خرچ شود دریا قبل ازاں کہ کلام احد تمام شود ۱۲

[۵۳] دخان و نور نام سورہائے قرآن نیز ہست از کافور مراد صفحات کتاب کہ سفید اند و از رقم عنبریں مراد سواد تحریر ۱۲

[۵۴] غیرت بحتری و بو تمام ہر دو شاعر ۱۲

شعرِ او را کہ مطلعِ نور ست — جائے تعلیق بیتِ معمور ست

موجِ بحر ست در عطا رقمش — تیرِ چرخ ست بر خطا[۵۱] قلمش

در تشابہ یقینِ او اعلیٰ ست — در تناسخ درستِ بو اعلیٰ ست

چرخ چوں راست کرد دستارش — بست عزّ اللّٰہی بہ ستارش

گر کند سوئے آں عمامہ نظر — مشتری را فتد عمامہ ز سر

حکمتش داد از بس افزونی — ملکِ بقراطی و فلاطونی

در الٰہی فنش نہ در حدِ کس — حدِ او ہم آنکہ داند و بس

در طبیعی شناختہ تمام — رازِ مولودِ عنصر و اجرام

در ریاضی بیک صریرِ قلم — باز کرد ست گوشِ جذرِ اصم

عقلیش از قیاسِ عقل برد ل — نقلیش از مقامِ نقل فزد ل

دُرِّ مبسوط[۵۲] در یکے مشتش — صد اشارات[۵۳] در ہر انگشتش

ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست — دلِ او را بر آں توانائی ست

او چو ابرِ کرم بفرقِ جہاں — زیرکاں چوں صدف کشادہ دہاں

نورِ دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کارِ من ہم افگندہ

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راندہ خامۂ خویش

---

۵۱ مجب = بے خطا

۵۲ مبسوط نام کتاب فقہ نیز ۱۲

۵۳ نام کتاب شیخ بوعلی سینا کہ در فنِ حکمت ست ۱۲

دید هر نکته را رقم بر دستم — رنج برخود نهاد و منت هم

نظرِ تیز کرد موے شگاف — نے بعمیا نظارۂ بگزاف

گرچہ چوں دوستاں پسندیدہ — لیکن از چشمِ دشمناں دیدہ

دیدۂ خصم عیب کوش بود — دیدۂ دوست عیب پوش بود

دید چوں دشمناں دریں دفتر — تا ہمہ عیب آیدش بنظر

چوں ہمہ عیب دید دشمن وار — شست چوں دوستانِ آئینہ وار

کلکِ او تیرِ راست را بگماشت — کہ دریں روضہ آہوئے نگذاشت

چوں شد آہو ہمہ نشانۂ تیر — چہ غم ست از سگانِ آہوگیر

زیں دقایق کہ شد ز مغزش لوپت — موبمو شعر بیز کردۂ اوست

شمعِ من یافتہ ضیا از وے — مسِ من گشتہ کیمیا از وے

ہر چہ او گفت من نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربتِ نوش

و آنچہ ہم بود من نجستم پے — عیبِ آں بر من ست نے بر وے

گر بماندہ ز دشمنہ اش جائے — بے خسے نیست ہیچ دریائے

جز ہنر بیں ازو نیاساید — عیب جو را ز عیب کم ناید

صد ہزار آفریں بر آں دلِ پاک — کہ بروں برد زیں چمن خاشاک

آنچہ او دید تا[۱] نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

---

۱ جب = بے

آنچہ ماند از نظر بپردہ نہاں — ہم نہاں دارد‌ش خدائے جہاں

یا رب او چون زپیچ نامۂ من ق — بردہ بیرون خطائے خامۂ من

نامۂ او کہ حرزِ جانش باد — در قیامت خطِ امانش باد

بالخیر